مُعجمُ القرآن

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مُعجَمُ القرآن

اُن تمام انبیاء۔ ملوک۔ اقوام۔ اشخاص اور اماکن پہ تحقیقی مقالات
جن کا ذکر قرآنِ حکیم میں آیا ہے۔ یہ اس موضوع پر پہلی کتاب ہے

ڈاکٹر غلام جیلانی برق

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

297.12204 Barq. Dr. Ghulam Gilani
Mojam-ul-Quran/ Dr. Ghulam Gilani
Barq.- Lahore: Al-Faisal Nashran, 2012.
344p.

1. Mazameen-e-Quran I. Title.

ISBN 969-503-859-X

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں۔

ستمبر 2012ء
محمد فیصل نے
آر۔آر پرنٹرز سے چھپوا کر شائع کی۔

قیمت:-/500 روپے

AI-FAISAL NASHRAN

Ghazni Street, Urdu Bazar, Lahore, Pakistan
Phone: 042-7230777 & 042-7231387
http: www.alfaisalpublishers.com
e.mail: alfaisalpublisher@yahoo.com

اختصارات

حوالوں کے سلسلے میں ہم نے بعض اختصارات سے کام لیا ہے۔ جن کی تشریح یہ ہے:۔

۱۔	ارض	:	ارض القرآن۔ سید سلیمان ندوی۔
۲۔	اعلام	:	اعلام القرآن۔ مولانا عبدالماجد دریابادی۔
۳۔	باڈ	:	بائبل۔ڈکشنری۔
۴۔	برطانیکا	:	انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا۔
۵۔	پیپلز	:	پیپلز بائبل انسائیکلوپیڈیا۔
۶۔	دماپ	:	دائرہ معارف اسلامیہ۔ پنجاب یونیورسٹی۔
۷۔	ڈاب	:	ڈکشنری آف دی بائبل
۸۔	ڈاس	:	ڈکشنری آف اسلام
۹۔	شاس	:	شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔
۱۰۔	قصص	:	قصص الانبیاء۔ حفظ الرحمٰن سیوہاروی۔
۱۱۔	کامپٹن	:	کامپٹن انسائیکلوپیڈیا۔
۱۲۔	کانس	:	کانسائز انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔
۱۳۔	لقر	:	لغات القرآن۔ عبدالرشید نعمانی۔
۱۴۔	معجم	:	معجم البلدان۔ یاقوت حموی۔
۱۵۔	منتہی	:	منتہی الارب۔

فہرست

۱۔حرف اول 13

آ

۲۔ آدم 19
۳۔آزر 24

الف

۴۔ابراہیم (نیز دیکھیے اسماعیل واسحاق) 24
۵۔ابلیس (شیطان) 25
۶۔ابن مریم (دیکھیے ''عیسیٰ'') 36
۷۔ابن نوح 36
۸۔ابن آدم (ہابیل وقابیل) 37
۹۔ابولہب (نیز دیکھیے ''حمالتہ الحطب'') 38
۱۰۔ابویہ (یعقوبؑ وراحیل) 40
۱۱۔احبارورہبان 41
۱۲۔اُحُد 42
۱۳۔احقاف 43
۱۴۔احمد (محمدؐ) 43
۱۵۔اخاعاد (دیکھیے ''ہودؑ'') 44
۱۶۔اختک۔اخت موسیٰ 45
۱۷۔اخت ہارون (مریم) 46
۱۸۔اخوان یوسف (بنواسرائیل) 48
۱۹۔ادریس 48
۲۰۔ادنیٰ الارض۔ (روم) 50
۲۱۔ارم ذات العماد (عادِ اولیٰ) 52
۲۲۔ازواج النبی (نساء النبی) 57
۲۳۔اسحاق (نیز دیکھیے ''ابراہیم'') 61
۲۴۔اسرائیل (نیز دیکھیے ''بنواسرائیل'') 64
۲۵۔اسماعیل (نیز دیکھیے ''ابراہیم'') 67
۲۶۔اسمائے حسنیٰ 70
۲۷۔اَصْحَابُ الْاُخْدُوْدِ 71
۲۸۔اَصْحَابُ الْاَعْرَافِ 72
۲۹۔اَصْحَابُ الْاَیْکَۃْ 72
۳۰۔اَصْحَابُ الْحِجْرِ 73
۳۱۔اَصْحَابُ الرَّسِّ 74
۳۲۔اَصْحَابُ السَّبْتِ 76
۳۳۔اَصْحَابُ السَّفِیْنَہ 77
۳۴۔اَصْحَابُ الْفِیْلِ (ابرہہ) 78
۳۵۔اَصْحَابُ الْقَرْیَۃِ 79
۳۶۔اَصْحَابُ الْکَھْفِ وَ الرَّقِیْمِ 80
۳۷۔اعراب 84
۳۸۔الاعمیٰ (عبداللہ بن مکتوم) 85
۳۹۔الذی آتیناہ آیاتنا 85
۴۰۔الذی تولّی کبرہ (واقعۂ افک) 87
۴۱۔الّذی حاج ابراہیم (شاہ بابل نمرود) 88
۴۲۔الّذی مرّ علی قریۃ (عزیرؑ) 90
۴۳۔اللہ 94
۴۴۔الواح موسیٰ 96
۴۵۔الیاس (الیاسین) 97
۴۶۔الیسع 99
۴۷۔امام مبین 101
۴۸۔امرأۃ تملکہم۔ (بلقیس) 101

۴۹۔امرأة زکریا (یشیع) 103
۵۰۔امرأة العزیز (زلیخا) 103
۵۱۔امرأة عمران (والدۂ مریم) 104
۵۲۔امرأة فرعون 105
۵۳۔اُمِ موسیٰ 106
۵۴۔انجیل 107
۵۵۔اہل البیت 110
۵۶۔اہل کتاب (یہود ونصاریٰ) 111
۵۷۔ایوب 115

ب

۵۸۔بابل 118
۵۹۔البحر (قُلزم) (نیز دیکھیے بنواسرائیل) 121
۶۰۔بحیرہ 122
۶۱۔بدر 122
۶۲۔بَرزَخ 123
۶۳۔بُروج 123
۶۴۔بعضِ اَزواجِہٖ (عائشہؓ وحفصہؓ) 124
۶۵۔بَعْل 125
۶۶۔بکّہ (مکّہ) 127
۶۷۔البَلَد (مکّہ) 129
۶۸۔بنواسرائیل (نیز دیکھیے اسرائیل) 130
۶۹۔بیت اللّٰہِ الحرام (کعبہ) 139
۷۰۔بیت العتیق (دیکھیے بیت الحرام) 142
۷۱۔بِیَعٌ 142
۷۲۔بَینَ البَحرَین 142

ت

۷۳۔تابُوت 143
۷۴۔تُبّع 145
۷۵۔تورات 146
۷۶۔التّین 148

ث

۷۷۔ثَانِیَ اثْنَیْنِ 148
۷۸۔ثَلٰثَةَ الَّذِیْنَ خُلِّفُوْا 149
۷۹۔ثمود یا عادِ ثانیہ 150

ج

۸۰۔جالوت (نیز دیکھیے طالوت) 151
۸۱۔الجُبّ 153
۸۲۔جبّارِین 153
۸۳۔جبت 154
۸۴۔جبرئیل 155
۸۵۔جن 156
۸۶۔جُودی 158

ح

۸۷۔حام 159
۸۸۔حجر (اصحاب الحجر) 159
۸۹۔حَمّالَةَ الْحَطَبِ (نیز دیکھیے "ابولہب") 159
۹۰۔حُنین 160
۹۱۔حواری 161
۹۲۔حُور 163

خ

۹۳۔ خرجوا من دیارھم 163
۹۴۔ خلیل (ابراہیم) 164

د

۹۵۔ دابۃ الارض 164
۹۶۔ داؤد (نیز دیکھیے زبور) 165

ذ

۹۷۔ ذوالقرنین 169
۹۸۔ ذوالکفل 176
۹۹۔ ذوالنون (صاحب الحوت) 178

ر

۱۰۰۔ ربوہ 181
۱۰۱۔ رس (اصحاب الرس) 182
۱۰۲۔ الروح الامین 182
۱۰۳۔ روح القدس 182
۱۰۴۔ روم 183
۱۰۵۔ رہبان 183

ز

۱۰۶۔ زبور (دیکھیے داؤد) 184
۱۰۷۔ زکریا 185
۱۰۸۔ زیتون 186
۱۰۹۔ زید 187

س

۱۱۰۔ سائبہ 188
۱۱۱۔ سامری 188
۱۱۲۔ سبا 190
۱۱۳۔ سدرۃ المنتہیٰ 193
۱۱۴۔ سلیمانؑ 194
۱۱۵۔ سواع 197
۱۱۶۔ سیل عرم 198
۱۱۷۔ سینا 200

ش

۱۱۸۔ الشجرہ 118
۱۱۹۔ شعریٰ 119
۱۲۰۔ شعیب 204
۱۲۱۔ الشہر الحرام 207
۱۲۲۔ شیطان 207

ص

۱۲۳۔ صابئین 207
۱۲۴۔ صاحب الحوت 209
۱۲۵۔ صاحبہ 209
۱۲۶۔ صالحؑ 211
۱۲۷۔ صحف اولیٰ 212
۱۲۸۔ الصخرہ 214
۱۲۹۔ صفا ومروہ 217
۱۳۰۔ صلوات 217
۱۳۱۔ صوامع 218

ض

۱۳۲۔ضیف ابراہیم 218

ط

۱۳۳۔طاغوت 219
۱۳۴۔طالوت 219
۱۳۵۔طویٰ 220
۱۳۶۔طور 221

ظ

۱۳۷۔الظلّہ 222

ع

۱۳۸۔عاد 222
۱۳۹۔عبداً من عبادنا 223
۱۴۰۔عجوز (زوجہ لوط) 223
۱۴۱۔عربی (زبان) 224
۱۴۲۔عربی (عرب کا اسم نسبت) 227
۱۴۳۔عرفات 229
۱۴۴۔عرم 229
۱۴۵۔عزیٰ 231
۱۴۶۔عزیر 232
۱۴۷۔عزیز (مصر) 232
۱۴۸۔عمران 233
۱۴۹۔عیسیٰ 234

غ

۱۵۰۔الغار 238

ف

۱۵۱۔فتاہ 238
۱۵۲۔فتاھا 238
۱۵۳۔فرعون 238
۱۵۴۔فُرقان 241

ق

۱۵۵۔قارون 241
۱۵۶۔قُرآن 243
۱۵۷۔القریة التی امطرت مطر السوء 249
۱۵۸۔القریة التی کانت حاضرة البحر 250
۱۵۹۔قریتین 251
۱۶۰۔قریش 252

ک

۱۶۱۔کعبہ 254

ل

۱۶۲۔لات 258
۱۶۳۔لقمان 259
۱۶۴۔لوط 264
۱۶۵۔لیلۃ القدر 266

م

۱۶۶۔ ماجوج (یاجوج) 268
۱۶۷۔ ماروت (ہاروت) 272
۱۶۸۔ مجمع البحرین 275
۱۶۹۔ مجوس 275
۱۷۰۔ محمد صلعم 278
۱۷۱۔ مدین 293
۱۷۲۔ مدینہ 294
۱۷۳۔ مروہ 296
۱۷۴۔ مریم 297
۱۷۵۔ مسجدِ اقصیٰ 300
۱۷۶۔ مسجدِ حرام 303
۱۷۷۔ مصر 307
۱۷۸۔ مشعرِ حرام 308
۱۷۹۔ مقام ابراہیم 310
۱۸۰۔ مکّہ 311
۱۸۱۔ مناۃ 311
۱۸۲۔ موسیٰ 312

ن

۱۸۳۔ نساء النبی 318
۱۸۴۔ نسر 318
۱۸۵۔ نصاریٰ 318
۱۸۶۔ نوح 318

و

۱۸۷۔ ود 322
۱۸۸۔ وصیلہ 322

ہ

۱۸۹۔ ہاروت 323
۱۹۰۔ ہارون 323
۱۹۱۔ ہامان 324
۱۹۲۔ ہود 325

ی

۱۹۳۔ یاجوج 326
۱۹۴۔ یثرب 326
۱۹۵۔ یحییٰ 326
۱۹۶۔ یعقوب 329
۱۹۷۔ یعوق 331
۱۹۸۔ یغوث 332
۱۹۹۔ یوسف 332
۲۰۰۔ یونس 338
۲۰۱۔ یہود 338

❀❀❀

بِاسْمِهٖ سُبْحَانَہٗ

حرفِ اوّل

آج سے کچھ عرصہ پہلے مجھے ایک پادری کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ میں نے اس کی مختصر سی ذاتی لائبریری کا جائزہ لیا تو اِس میں آٹھ ایسے ضخیم معاجم (انسائیکلو پیڈیاز) نظر آئے جن میں بائبل کے تین ہزار سے زائد اشخاص و مقامات پر تحقیقی مقالات تھے۔ اس کے بعد میں اس کھوج میں لگ گیا کہ کیا پچھلے چودہ سو سال میں علمائے اسلام نے قرآن پر بھی کوئی ایسا معجم تیار کیا تھا؟ میں نے حاجی خلیفہ کی کشف الظنون، ابن ندیم کی الفہرست، جمیل بیگ کی عقود الجواہر اور دیگر متعدد فہارس کو بامعانِ نظر دیکھا لیکن ایسی کوئی کتاب نظر نہ آئی۔ اگر کسی نے کوئی لکھی بھی تھی تو وہ آج کہیں موجود نہیں۔

قیاس یہ ہے کہ جن مسلمانوں نے قرآنِ مقدس کے حروف (اب ت ث۔۔۔۔) پر بھی متعدد کتابیں لکھ ڈالی تھیں۔ مثلاً

۱۔ کتاب الہاءات (قرآن میں ہ کی تعداد وغیرہ)

از : عبدالواحد بن عمر بن محمد بن ابی ہاشم بغدادی (۳۴۹ھ)

۲۔ کتاب الیاءات۔ ایضاً

۳۔ **کتابٌ فی النقط**۔ (قرآن کے نقطوں پر)

ابن الانباری:۔ محمد بن قاسم (۳۲۸ھ)

۴۔ ایضاً ۔ محمد بن عیسٰی بغدادی (معاصر حسنؓ بن علیؓ)

۵۔ ایضاً ۔ سہیل بن محمد ابوحاتم السجستانی (۲۵۵ھ)

۶۔ کتاب اللامات داؤد بن ابی طیبہ۔

۷۔ ایضاً ۔ ابن الانباری (۳۲۸ھ)

۸۔ ایضاً ۔ اخفش نحوی بصری (۲۱۵ھ)

۹۔ ایضاً ۔ محمد بن سعید (فہرست ص ۴۲۔۶۴)

قرآن کے اعجاز۔ اختلافاتِ قرأت۔ اختلافِ مصاحف۔ متشابہات۔ ناسخ و منسوخ اور ترتیب نزول پر بیسیوں کتابوں میں بحث کی تھی۔ ان لوگوں نے قرآن کے اشخاص و اماکن پر بھی کوئی نہ کوئی کتاب لکھی ہو گی۔ لیکن

افسوس کہ مجھے اس کا نام تک نہیں مل سکا۔ صرف اردو میں دو کتابیں ملی ہیں:۔

اول: مولانا عبدالماجد دریابادی کی ''اعلام القرآن''۔

یہ صرف اعلام پر ہے۔ اس میں اماکن کا ذکر موجود نہیں۔ یہ کوئی ڈیڑھ سو صفحات کا ایک رسالہ ہے۔ جو بھارت کی مطبوعات میں سے ہے۔ اور پاکستان میں نہیں ملتا۔

دوم: سید سلیمان ندوی کی ''ارض القرآن''

یہ فاضلانہ کتاب علمائے مغرب کی تلاش و تحقیق کی روشنی میں لکھی گئی ہے۔ لیکن یہ صرف مقامات قرآن پر روشنی ڈالتی ہے۔ اور اعلام سے بحث نہیں کرتی۔

ان حالات میں ایک ایسی کتاب کی شدید ضرورت تھی۔ جو قرآن کے اشخاص و اماکن دونوں پر تاریخ۔ کتبات اور نئے انکشافات کی روشنی میں بحث کرے۔ یہ کتاب اسی ضرورت کے پیش نظر لکھی گئی ہے۔ چونکہ عربی۔ انگریزی۔ اور فارسی میں اس موضوع پر کوئی کتاب موجود نہیں تھی۔ اس لیے یہ طلبائے قرآن کے لیے خواہ وہ ایران و عراق میں ہوں یا انگلستان میں، مفید ثابت ہوگی۔ اور وہ ضخیم تواریخ و تفاسیر کی ورق گردانی سے بچ جائیں گے۔

مآخذ

گو علمائے اسلام نے اس موضوع پر کوئی الگ کتاب نہیں لکھی۔ تاہم انہوں نے کتب تواریخ۔ تفاسیر اور معاجم بلدان میں قرآن کے تمام اشخاص و مقامات پر ضمناً روشنی ڈالی ہے۔

مقامات پر بعض کتابوں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ کتاب البلدان۔ ہشام بن محمد کلبی (۲۰۶ھ)
۲۔ کتاب جزیرۃ العرب۔ ابوسعید اصمعی (۲۱۳ھ)
۳۔ کتاب المیاہ والجبال والارضین۔ سعدان بن مبارک (تقریباً ۳۰۰ھ)
۴۔ کتاب المناہل والقریٰ۔ ابوسعید حسن السکری (۳۰۰ھ)
۵۔ صفۃ جزیرۃ العرب۔ ابن حائک ہمدانی (۳۲۰ھ)
۶۔ کتاب البدء والاخبار۔ ابوزید بلخی (۳۴۰ھ)
۷۔ کتاب جزیرۃ العرب۔ ابوسعید حسن السیرافی (۳۶۸ھ)
۸۔ کتاب الاودیۃ والجبال۔ حسن بن محمد الخالع (۳۸۰ھ)
۹۔ کتاب الامکنۃ۔ محمود بن عمر زمخشری (۵۳۸ھ)
۱۰۔ مراصد الاطلاع علی اسماء الامکنۃ والبقاع۔ سیوطی (۹۱۰ھ)

۱۱۔ کتاب المسالک والممالک۔ ابن خُرداذبہ (۲۵۰ھ)

۱۲۔ کتاب البلدان۔ ابن فقیہہ ہمدانی (۲۹۰ھ)

۱۳۔ ایضاً۔ ابن واضح یعقوبی (۳۰۰ھ)

۱۴۔ کتاب المسالک والممالک۔ اصطخری (۳۴۰ھ)

۱۵۔ مُروج الذہب۔ مسعودی (۳۴۶ھ)

۱۶۔ کتاب المسالک والممالک۔ ابن حوقل (۳۶۲ھ)

۱۷۔ معجم البلدان۔ یاقوت حَموی (۶۲۵ھ)

۱۸۔ آثارالبلاد۔ زکریا قزوینی (پ۔۶۷۴ھ)

۱۹۔ نُزہۃ المشتاق فی اختراق الآفاق۔ ادریسی (۵۴۵ھ)

۲۰۔ تقویم البلدان۔ ابوالفدا (۷۳۲ھ)

اشخاص قرآن کا ذکر مختلف تفاسیر و تواریخ میں ملتا ہے۔ یہ کتابیں یا تو گم ہو چکی ہیں اور یا اس قدر مہنگی ہیں کہ انہیں خریدنا کارے دارد۔ بہرحال جن تفاسیر نے ان اشخاص پر قدرے تفصیل سے بحث کی ہے۔ ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ تفسیر : ابنِ عباس (۶۸ھ)

۲۔ تفسیر : امام مالک (۱۷۹ھ)

۳۔ تفسیر : اسحاق بن ابراہیم عُرف ابنِ راہویہ (۲۳۸ھ)

۴۔ تفسیر : محمد بن عبداللہ بن عبدالحکم مصری (۲۶۸ھ)

۵۔ تفسیر : امام بقی بن مَخلد اندلسی (۲۷۶ھ)

۶۔ تفسیر : محمد بن جریر الطبری (۳۱۰ھ)

۷۔ تفسیر : ابوبکر محمد بن القاسم الانباری (۳۲۸ھ)

۸۔ تفسیر : احمد بن محمد بن سعید نیشاپوری (۳۵۳ھ)

۹۔ تفسیر : ابوالقاسم بن احمد بن ایوب الطبرانی (۳۶۵ھ)

۱۰۔ تفسیر : نصر بن محمد بن احمد بن ابراہیم سمرقندی (۳۹۳ھ)

۱۱۔ تفسیر : خلف بن احمد سیستانی (۳۹۵ھ)

۱۲۔ تفسیر : ابواسحاق احمد بن ابراہیم نیشاپوری

۱۳۔ تفسیر : مکی بن ابی طالب القیسی القیروانی (۴۳۷ھ)

۱۴۔ تفسیر : عبداللہ بن محمد اجہانی الہروی (۴۸۱ھ)

۱۵۔ تفسیر : راغب اصفہانی (۵۰۲ھ)

۱۶۔ تفسیر : اسماعیل بن محمد اصفہانی (۵۳۵ھ)

۱۷۔ تفسیر : فخر الرازی (۶۰۶ھ)

۱۸۔ تفسیر : ابن الجوزی بغدادی (۵۹۷ھ)

۱۹۔ تفسیر : شیخ ابن العربی (۶۳۸ھ)

۲۰۔ تفسیر : شمس الدین الجوزی (۶۵۴ھ)

۲۱۔ تفسیر : ابن نقیب مقدسی (۶۶۸ھ)

۲۲۔ تفسیر : امام ابن تیمیہ حرانی (۷۲۸ھ)

۲۳۔ تفسیر : علامہ علی بن عبدالکافی السبکی (۷۵۶ھ)

۲۴۔ تفسیر : حافظ عمادالدین اسماعیل بن عمر ابوالفداد مشقی عُرف ابنِ کثیر (۷۷۴ھ)

۲۵۔ تفسیر : جلال الدین سیوطی (۹۱۱ھ)

۲۶۔ تفسیر : (رُوح المعانی) :علامہ آلوسی (۱۲۷۰ھ)

۲۷۔ تفسیر : (المنار) :علامہ رشید رضا (۱۹۵۰ء کے قریب)

۲۸۔ تفسیر : (الجواہر) :علامہ جوہری طنطاوی (۱۹۶۲ء کے قریب)

۲۹۔ تفسیر : (حقانی) :مولانا عبدالحق دہلوی (۱۳۳۵ھ)

۳۰۔ تفسیر : (تفہیم القرآن) :مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی

عربی۔ فارسی اور اردو تفاسیر کی تعداد تین ہزار سے متجاوز ہے۔ آج سے سو سال پہلے کی تفاسیر عصر رواں کے محقق کو مطمئن نہیں کر سکتیں۔ کیونکہ وہ ان کتبات۔ ظروف اور آلات سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں۔ جو پچھلی صدی کے آواخر اور بیسویں صدی میں یمن۔ مدائنِ صالح۔ بابل۔ نینوٰی اور مدین کی کھدائیوں سے برآمد ہوئے ہیں۔

کچھ ایسی تفاسیر بھی دیکھنے میں آئیں جن کی بعض تصریحات غلط تھیں۔ مثلاً صاحب جلالین داستانِ موسیٰ کے ضمن میں حتیٰ ابلغ مجمع البحرین (کہف) کے تحت لکھتے ہیں کہ مجمع البحرین سے مراد بحرِ روم اور بحرِ ایران کا مقام اتصال ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ بحرِ روم ساحل شام و فلسطین پہ ختم ہو جاتا ہے اور بحرِ فارس بصرہ سے شروع ہو کر جنوب میں بحرِ ہند سے جاملتا ہے۔ ان دونوں میں ۸۰۰ میل کی خشکی حائل ہے اور ان میں کبھی رابطہ نہیں تھا۔

اسی طرح کی ایک لغزش مولانا حفظ الرحمٰن سہواروی سے حضرت یونسؑ کے متعلق ہوئی ہے۔ آپ قصص القرآن (ج۔۲ص ۱۹۷) میں فرماتے ہیں کہ حضرت یونسؑ کی کشتی دریائے فرات میں جا رہی تھی کہ ملاّحوں نے انہیں دریا میں پھینک دیا اور انہیں ایک مچھلی نگل گئی۔ بحریات (آبیات) کے ماہرین کی یہ متفقہ رائے ہے کہ آدمی کو نگل جانے والی مچھلی صرف ایک ہی ہے یعنی شارک۔ یہ گہرے سمندروں میں ہوتی ہے اور دریاؤں کی تنگنا میں نہیں سما سکتی۔

یاقوت حموی، مُعجم البلدان (ج۔۵ ''صخرہ'') میں لکھتے ہیں کہ موسیٰ کی وہ چٹان، جہاں خادمِ موسیٰ کی مچھلی سرک کر سمندر میں چلی گئی تھی۔ شیر وان میں ہے۔ شیر وان ارمینیہ کا ایک شہر نیز ضلع ہے۔ جو باکو کے مغرب میں واقع ہے یہ مَدین اور صحرائے تیہہ (جہاں موسیٰ چالیس سال رہے تھے) سے گیارہ سو میل دور ہے۔ بائبل (خروج) نے حیاتِ موسیٰ کا ایک ایک واقعہ قلم بند کیا ہے۔ لیکن اس میں یہ کہیں مذکور نہیں کہ حضرت موسیٰ نے کبھی شیر وان کا بھی سفر کیا تھا۔ اس سفر کی کسی اور مآخذ سے بھی تصدیق نہیں ہوتی۔

بعض علماء نے اشخاص پر الگ کتابیں بھی لکھی تھیں۔ مثلاً:۔

۱۔ قصص الانبیاء ۔ امام علی بن حمزہ الکسائی
۲۔ قصص الانبیاء ۔ سہل بن عبداللہ التستری
۳۔ قصص الانبیاء ۔ محمد بن عبدالملک المکّی الحرانی
۴۔ قصص القرآن ۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی
۵۔ کتاب الہدیٰ ۔ مولانا محمد یعقوب حسن
۶۔ تاریخ انبیاء ۔ علی شیر نوائی
۷۔ انبیائے قرآن ۔ محمد جمیل احمد
۸۔ انوارِ انبیاء ۔ کتاب منزل۔ لاہور۔

ہمارے چار ہزار مؤرخین نے بھی قرآن کے کچھ اشخاص و مقامات کا ضمناً ذکر کیا ہے۔ ان میں سرفہرست ابن جریر۔ ابن الجوزی۔ ابن خلدون۔ ابن کثیر۔ ابن خلکان۔ الخطیب بغدادی۔ ابن ہشام۔ البلاذری۔ سیوطی۔ ذہبی۔

ابوحنیفہ۔ دیناوری۔ واقدی اور ابن سعد ہیں۔

چونکہ قرآن و بائبل کے متعدد نام مشترک ہیں اور علمائے مغرب نے بائبل کے اشخاص واماکن پر ۸/۷ محققانہ معاجم لکھے ہیں۔ اس لیے میں نے ان معاجم نیز بائبل سے بھی فائدہ اٹھایا ہے۔

میں نے اس کتاب میں بہت اختصار سے کام لیا ہے۔ ورنہ اگر بات کو طول دیتا۔ تو یہ کئی جلدوں میں پھیل جاتی اور اوسط وسائل کے لوگ اسے نہ خرید سکتے۔

مجھے اپنی خوش بختی پہ ناز ہے کہ میں قرآن حکیم کے رجال واماکن پہ پہلی کتاب پیش کر رہا ہوں۔ دُعا ہے کہ اللہ اسے قبولیتِ عامہ کے شرف سے نوازے اور مجھ خطا کار کی نجات کا وسیلہ بنائے۔ آمین۔

برق۔ کیمبل پور

۲۸۔ جنوری ۱۹۷۳ء

اتوار۔ ۲۲۔ ذی الحجہ ۱۳۹۲ھ

آ

۲۔ آدمؑ

یہ لفظ عبرانی ہے یا عربی؟ اس کا فیصلہ آج تک نہیں ہو سکا۔ عبرانی ہونے کی صورت میں یہ اَدَامَہ سے مشتق سمجھا جائے گا۔ جس کے معنی ہیں:۔ زمین اور گندمی رنگ۔

اگر یہ عربی الاصل ہو تو "ادم" سے مشتق ہوگا۔ جس کے مختلف مشتقات سے اس کے مفہوم کی تعیین ہو سکتی ہے:۔

اَدِیم : سطح زمین۔

اَدَمَہ : جلد کی ظاہر و باطن۔

اِدَام : سالن۔ چٹنی۔ سرکہ وغیرہ۔

اِدَامَ : قرابت۔ وسیلہ۔ گندمی رنگت۔

اُدْمَہ : امام۔ پیشوا۔

آدَمْ : نوعِ انسان کا باپ۔ پہلا آدمی۔

حضرت آدمؑ مٹی سے پیدا ہوئے تھے۔ آپ کا رنگ گندمی تھا۔ آپ خدا اور انسان کے درمیان پیغام رسانی کا ایک وسیلہ تھے۔ نوعِ انسان کے امام اور کائنات کا حُسن تھے۔ کچھ ظاہر تھے، اور کچھ باطن۔ اس لیے آپ کا موزوں ترین نام آدمؑ ہی ہو سکتا تھا۔

بعض رِوایات کے مطابق جنّت سے نکلنے کے بعد حضرت آدمؑ لنکا میں گرے تھے اور حضرت حوا جدّہ (جِدّہ = وادی) میں۔ یہ دو سو برس تک روتے، توبہ کرتے اور ایک دوسرے کو ڈھونڈتے رہے۔ بالآخر ان کی ملاقات مکّہ کے قریب ایک پہاڑ میں ہوئی۔ جبرئیل نے ان کا ایک دوسرے سے تعارف کرایا۔ حضرت آدمؑ نے حوا کو اور حوا نے حضرت آدمؑ کو پہچان لیا۔

(عَرَفَہٗ = اس نے اسے پہچان لیا)

اور اسی مناسبت سے پہاڑ کا نام عَرَفَہ پڑ گیا۔ اسے عُرفات بھی کہتے ہیں۔

(ڈاس ص ۱۰)

مشہور ہے کہ حضرت آدمؑ کی عمر ۹۶۰ برس تھی۔ ان کی وفات ایک جمعہ کو واقع ہوئی۔ مکّہ کے ایک پہاڑ بوقیس

کے دامن میں دفن ہوئے اور بعداز طوفانِ نوح آپ کی میّت یوروشلم میں منتقل کر دی گئی۔

(شاس۔ص ۱۳۔۱۴)

کمپینین (ص ۱۸۲) میں لکھا ہے کہ:۔

''آپ کی تخلیق ۴۰۰۴ ق م میں ہوئی تھی۔''

تورات (پیدائش ۲/۵) میں ہے کہ:۔

''اللہ نے مرد اور عورت کو پیدا کر کے ان کا نام آدم رکھ دیا۔''

مطلب یہ کہ آدم کسی خاص مرد کا نام نہیں۔ بلکہ نوعِ انسان کا مُشترک نام ہے۔ ہر انسان آدمی (آدم) ہے۔ خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔

آدمؑ قرآن میں

قرآن میں حضرت آدمؑ کا ذکر ۲۶ بار ہوا ہے۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ میں۔ جب اللہ نے حضرت آدمؑ کو خلیفہ بنانا چاہا۔ تو فرشتوں نے اعتراض کیا اور ابلیس نے سجدے سے انکار۔

ساتھ ہی جنّت سے خروجِ آدم کی تفصیل دی:۔

☆ (بقرہ ۳۰۔۳۹)

☆ اعراف (۱۱۔۲۶)

☆ سورۂ بنی اسرائیل (۶۱۔۶۵)

☆ سورۂ کہف (۵۰) اور

☆ طٰہٰ (۱۱۶)

میں انہی یا ان میں سے بعض تفاصیل کو دہرا دیا گیا ہے۔

آدمؑ بائبل میں

تورات میں ہے کہ:۔

خداوند نے مٹی سے انسان کو بنایا۔ اور اس کے نتھنوں میں زندگی کا دَم پھونکا...... خداوند نے مشرق کی طرف عدن میں ایک باغ لگایا اور انسان کو جسے اس نے بنایا تھا وہاں رکھا...... پھر عدن[1] کا ایک دریا باغ کو سیراب کرنے کے لیے آیا، اور چار ندیوں میں بٹ گیا۔ یعنی

---

[1] عدن سے مراد عموماً دجلہ و فرات کا دوآبہ لیا جاتا ہے۔ بعض اس کی حدود مغرب میں دریائے نیل اور مشرق میں جیحوں سے سیحوں تک لے جاتے ہیں۔ (ذاب۔ص ۱۵۸)

☆ سیحون ☆ جیحون

☆ دجلہ اور ☆ فرات

خداوند نے آدم کو حکم دیا کہ تو باغ کا ہر پھل کھا سکتا ہے۔ لیکن نیک و بد کی پہچان والے درخت کے قریب نہ جانا...... پھر خدا نے آدم پر گہری نیند بھیجی اور اس کی پسلی سے اس کی بیوی نکالی...... یہ لوگ شیطان کے فریب میں آ کر شجر ممنوعہ کا پھل کھا بیٹھے۔ اور اللہ نے انہیں باغ عدن سے نکال دیا۔ جب یہ دوبارہ ایک دوسرے سے ملے۔ تو ان سے اولاد پیدا ہوئی۔ ان میں سے قابیل۔ ہابیل اور شیث بہت مشہور ہیں۔

حضرت آدمؑ سے آگے اس کی اولاد یوں چلی:۔

آدم کی اولاد نوح تک

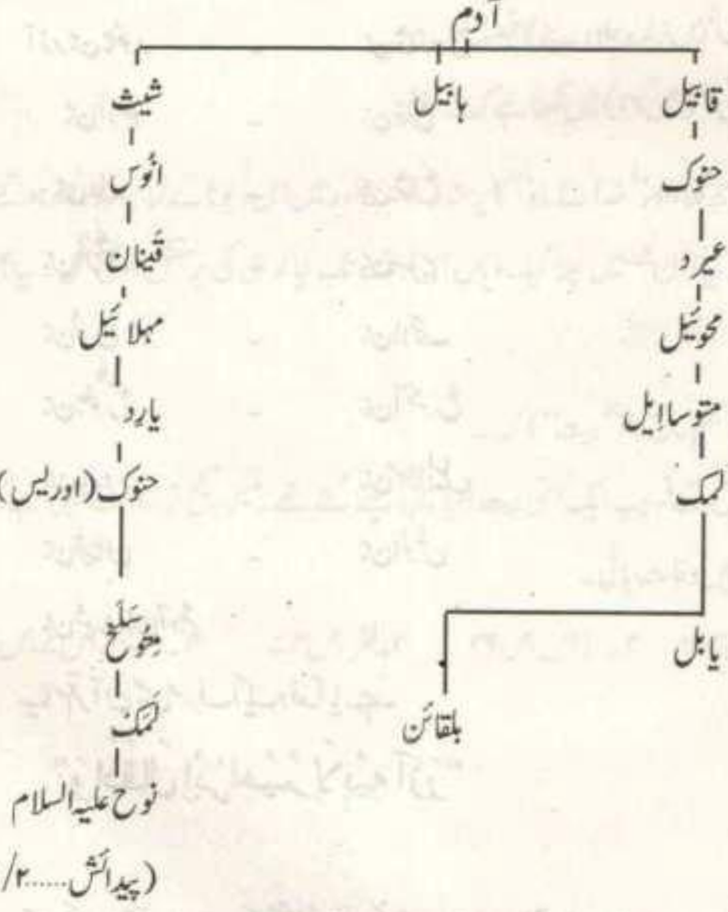

(پیدائش......۲/۵)

سید احمد خاں (۱۸۹۸ء) قصہ آدم کو ایک تمثیل قرار دیتے ہیں۔ برہنگی کو بدی اور لباس کو نیکی کا استعارہ سمجھتے ہیں۔

مصر کے مشہور عالم و مفسر محمد عبدہ (۱۹۰۵ء) جنت سے آرام و راحت، شجر ممنوعہ سے بدی اور خروج از جنت

سے وہ حالات۔ کیفیات اور تغیرات مراد لیتے ہیں۔ جن سے ہر آدمی کو گزرنا پڑتا ہے۔ آپ نے اس داستان سے یہ نتیجہ بھی اخذ کیا ہے کہ انسان بالطبع مائلِ الی الخیر ہے اور اس راہ کو وہ اسی وقت چھوڑتا ہے۔ جب شیطان کے بہکاوے میں آجائے۔

(دماپ ج۔ا ص ۲۶)

مآخذ: ا۔قرآن حکیم ۲۔ڈاس ص ۱۰ ۳۔شاس ص ۱۳ ۴۔بائبل (پیدائش)

۵۔دماپ ج۔ا ص ۲۶

۳۔آزر

یہ حضرت ابراہیمؑ کے والد کا نام ہے۔ تورات کے مطابق اس کا شجرۂ نسب یہ ہے:۔

آزر بن ناحُور	۔	بن شارُوح
بن اَرغُو	۔	بن فالغ
بن عابر	۔	بن شالخ
بن اَرفَخشد	۔	بن سام
بن نُوح	۔	بن لامَک
بن مِتُوشَلَح	۔	بن اَخنوخ
بن یارو	۔	بن مہلالیل
بن قینان	۔	بن انُوش

بن شیث بن آدمؑ

یہ نام قرآن میں صرف ایک دفعہ آیا ہے۔

"وَاِذْقَالَ اِبْرٰهِيْمُ لِاَبِيْهِ آزَرَ"

(انعام۔۷۴)

آزر کی تاریخ ولادت کے متعلق تاریخ نگاروں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اکثریت کا خیال یہ ہے کہ یہ ۲۲۳۵ ق م میں پیدا ہوا تھا اور ۲۰۲۵ ق م میں وفات پائی۔ اس کی عمر ۲۱۰ برس تھی۔ اس کے تین بیٹے تھے۔

ا۔نحُور ۲۔حاران اور ۳۔ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ سب سے چھوٹے تھے۔ یہ ۲۱۶۰ ق م میں پیدا ہوئے تھے۔ اس وقت آزر کی عمر ۷۵ برس تھی۔

تورات میں آزر کا نام تارح دیا ہوا ہے۔ فلسطین کے ایک مسیحی مؤرخ یُوسی بی یَس (۲۶۱۔۳۴۵ء) نے اسے کہیں آثر اور کہیں ہاتھر لکھا ہے۔ اور یہود کی ایک مقدس کتاب تالمُود میں اسے زارہ کہا گیا ہے۔

آزر اُور میں پیدا ہوا تھا۔ یہ شہر بصرہ اور سماوہ کے عین وسط میں لبِ فرات واقع تھا۔ یہ صدیوں ناپید رہا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں یہ پھر کہیں سے نکل آیا ہے۔ اب وہاں کچھ نئی آبادی بھی ہوگئی ہے اور دنیا کے نقشے میں یہ نام دوبارہ راہ پا گیا ہے۔

آزر بُت پرست بھی تھا اور بُت ساز و بُت فروش بھی۔ یہ کالڈیہ کے بادشاہ نمرُود کی فوج میں ایک اچھے عہدے پہ فائز تھا۔

ایک اور روایت کے مطابق یہ ایک مذہبی رہنما تھا۔ جب حضرت ابراہیم نے بتوں کے خلاف بولنا شروع کیا تو آزر نے انہیں بار ہا دھمکایا۔ جب ایک روز حضرت ابراہیمؑ نے بڑے معبد میں داخل ہو کر سارے بُت توڑ ڈالے تو بادشاہ نے آزر کے مشورے سے انہیں زندہ جلا دینے کا فیصلہ کیا۔

''عہدِ تورات[1] کی کہانی'' (ص ۱۶) میں لکھا ہے کہ:۔

آزر ایک آسودہ حال تاجر تھا، اور ''خدائے ماہ'' کا پرستار۔ جب اُور میں اس دیوتا کے تمام مندر بند ہو گئے اور لوگ کسی اور خدا کو پوجنے لگے تو یہ حران[2] میں چلا گیا۔ وہاں اس وقت تک چاند ہی کی پرستش ہوتی تھی۔ یہ ہجرت غالباً ۲۱۲۰ ق م میں ہوئی تھی۔

یاقوت حموی لکھتے ہیں (معجم۔ ج۔۲ ''بیت'') کہ:۔

آزر اُور سے نکل کر دمشق کے قریب ایک بستی بیتِ لہیا میں چلے گئے تھے۔ لیکن صحیح تر روایت یہی ہے کہ اُور کے بعد وہ حران میں رہے اور وہیں وفات پائی۔

مآخذ: ۱۔ شاس، ص ۴۹، ص ۱۵۴ ۲۔ ڈاس، ص ۲۹ ۳۔ لقر، ص ۷۳ ۴۔ اعلام، ص ۷، ص ۱۶ ۵۔ معجم، ج۔۷

---

[1] پورا نام ہے:۔ ''دی سٹوری آف دی بائبل ورلڈ'' مصنف کا نام نیلسن بیچر ہے۔

[2] حران کبھی شام میں واقع تھا لیکن آج کل (۱۹۷۲ء) یہ جنوبی ٹرکی کا حصہ ہے۔ حلب سے اندازاً سوا سو میل شمال مشرق اور عُرفہ سے ۲۵ میل جنوب میں۔

الف

۴۔ابراہیمؑ

حضرت ابراہیمؑ کا نام قرآن میں ٦٦ دفعہ آیا ہے۔ کہیں آپ کے اوصاف بیان ہوئے ہیں۔ کہ وہ موحد۔ منتخب۔ ہدایت یافتہ۔ آمر بالمعروف۔ امام الہدیٰ صلوٰۃ وزکوٰۃ کے پابند اور حلیم وصابر تھے۔

کہیں آپ کے بڑے بڑے کارناموں کا ذکر ہے۔ مثلاً کہ:۔

۱۔ آپ نے نمرود کے خلاف جہاد کیا۔ نمرود نے آپ کو آگ میں پھینک دیا لیکن آگ گلزار بن گئی۔ (انبیاء۔٦٩)

۲۔ کہ ایک دن جب لوگ کسی تقریب کے سلسلے میں شہر سے باہر گئے ہوئے تھے۔ آپ شہر کے سب سے بڑے بُت کدے میں داخل ہوگئے اور تمام بُت توڑ ڈالے۔ (انبیاء۔٦٣)

۳۔ کہ ایک مرتبہ آپ نے خدا کے متعلق نمرود سے بحث کی اور اسے لاجواب کر دیا۔ (بقرہ۔٢٥٨)

۴۔ کہ آپ کی التماس پر اللہ نے چار ذبح شدہ پرندوں کو زندہ کیا۔ (بقرہ۔٢٦٠)

۵۔ کہ آپ کو پہلے ایک ستارے، پھر چاند اور بالآخر سورج پہ خدا ہونے کا گمان گزرا۔ لیکن جب یہ ڈوب گئے، تو کہا:۔

"لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ"

کہ۔ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

٦۔ کہ آپ نے خدائی ارشاد کی تعمیل میں اپنی ایک زوجہ حضرت ہاجرہ اور اس کے معصوم بچے اسماعیل کو ایک ویران وادی میں چھوڑ دیا تھا۔ جہاں نہ آبادی[۱] تھی، نہ پانی۔

رَبَّنَآ اِنِّیٓ اَسْکَنْتُ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ بِوَادٍ غَیْرِ ذِیْ زَرْعٍ۔ (ابراہیم۔٣٧)

(اے رب! میں نے اپنی کچھ اولاد ایک ویران وادی میں بسا دی ہے)

---

[۱] جب ننھے اسماعیل کی ایڑیاں رگڑنے سے پانی نکل آیا تو معاً بعد وہاں بنو جرہم کا ایک قافلہ آ گیا جو پانی دیکھ کر وہیں رُک گیا اور مکّہ کے پہلے سکان یہی تھے۔ (تاریخ مکیہ: ص٢٢)

۷۔ کہ آپ نے کعبہ کی تعمیر کی تھی۔

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ط (بقرہ۔۱۲۷)

(یاد کرو۔ جب ابراہیم واسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے)

یہ جس پتھر پہ چڑھ کر دیواریں بناتے تھے۔ وہ آج بھی موجود ہے اور مقام ابراہیم کہلاتا ہے۔

۸۔ کہ آپ نے اللہ سے اشارہ پا کر اپنے فرزند اسماعیل (تورات میں اسحاق) کو ذبح کرنا چاہا تھا۔

(صافات۔۱۰۲۔۱۱۰)

مولدِ ابراہیم

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کالڈیہ کے ایک شہر اُور میں پیدا ہوئے تھے۔ یہ شہر صدیوں زیرِ زمین رہنے کے بعد اب پھر نکل آیا ہے۔ یہ بصرہ سے کوئی سو میل مغرب میں فرات کے کنارے نصیریہ کے آمنے سامنے واقع ہے۔

یاقوت حموی (معجم: ج۔۷) لکھتا ہے کہ:

"آپ کا مولد کوثی ربّی تھا"

ممکن ہے کہ یہ اُور ہی کا دوسرا نام ہو۔

یاقوت نے چار دیگر شہروں یعنی:۔

۱۔ برزہ[1] (معجم: ج۔۲ص۷۴)

۲۔ فذان[2]

۳۔ شہرآباد (بہ لبِ فرات۔ معجم۔ج۔۵) اور

۴۔ ورکاء (معجم: ج۔۸)

کو بھی مولدِ ابراہیم قرار دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایک آدمی کے چھ مولد نہیں ہو سکتے۔ اس لیے ہمیں تورات کے بیان کو ترجیح دینا پڑے گی۔ جس میں اللہ ابراہیم کو مخاطب کرتے ہوئے کہتا ہے:

"میں خداوند ہوں۔ جو تجھے کسدیوں (کالڈیہ والوں) کے اُور سے نکال لایا کہ تجھ کو یہ مُلک میراث میں دُوں۔" (پیدائش ۸/۱۵)

---

[1] بَرزہ: عراق کا ایک شہر۔

[2] شام میں حران کے قریب ایک گاؤں۔ (معجم: ج۔۶)

تاریخِ ولادتِ ابراہیمؑ

ابراہیم علیہ السلام کب پیدا ہوئے تھے؟ اس سوال کا جواب تلاش کرنے کے لیے علمائے یہود و نصاریٰ صدیوں سے مصروفِ تحقیق ہیں۔ لیکن آج تک وہ کسی متفقہ نتیجے پہ نہیں پہنچ سکے۔ ملاحظہ ہو یہ جدول:۔

واقعہ	یہود کی تحقیق	۱ کلیمن الیگزینڈرینس	۲ یوسیبیس	۳ بیڈ	۴ اشر	۵ ہیلز	۶ بینگل
طوفانِ نوح	۲۱۰۶ق م .	۳۴۷۵ق م	۲۹۵۹ق م	۳۵۴۴ق م	۲۳۴۹ق م	۳۱۵۳ق م	
ولادتِ ابراہیم	۱۸۱۳ ق م	۲۲۲۶ ق م	۲۰۱۶ ق م	۳۲۵۲ ق م	۱۹۹۶ ق م	۲۱۵۳ ق م	کمیشن
مصر سے اسرائیل کا خروج	۱۳۰۸ ق م	۱۵۹۳ ق م	۱۵۱۲ ق م	۱۴۹۹ ق م	۱۴۹۱ ق م	۱۶۴۸ ق م	ص
مسجد اقصیٰ کی تعمیر کا آغاز	۸۳۲ ق م	۱۰۸۷ ق م	۱۰۳۲ ق م	۱۰۰۹ ق م	۱۰۱۲ ق م	۱۰۱۴ ق م	۱۸۲

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں ہے کہ نئی کھدائیوں اور تازہ دریافت شدہ کتبوں کی وجہ سے واقعات کی تاریخیں بدل رہی ہیں۔ پہلے طوفانِ نوح کی تاریخ ۳۸۰۰ق م سمجھی جاتی تھی۔ اور اب ۲۳۴۸ق م ہے۔ پہلے ابراہیم کی تاریخ ولادت ۳۰۰۰ق م تھی۔ اور اب ۱۹۹۶ق م۔

(چیمبرز۔ ص ۴۸۷)

---

۱ Clemens Alexanderinus (۱۵۰-۲۱۵ء) یونان کا ایک عیسائی عالم دینیات اور محقق۔

۲ EUSEBIUS (۲۶۰-۳۴۰ء) ایشیائے صغیر کے ایک شہر قیساریہ کا بشپ۔ مورخ۔ محقق اور تاریخ کلیسا (از مسیح تا ۳۲۳ء) کا مصنف۔

۳ BEDE (۶۷۲-۷۳۵ء) شمالی انگلستان کے ایک شہر ویئر ماؤتھ کا رہنے والا اور "تاریخ کلیسائے انگلستان" کا مصنف۔

۴ USSHER JAMES (۱۵۸۱-۱۶۵۶ء) آئرلینڈ کا ایک محقق پادری۔

۵ HALES JOHN (۱۵۸۴-۱۶۵۶ء) انگلستان کے ایک شہر باتھ (برسٹل کے جنوب میں) کا ایک مذہبی عالم و محقق۔

۶ BENGAL JOHANN (۱۶۸۷-۱۷۵۳ء) جرمنی کا ایک فاضل جس نے یونانی انجیل کا ایک نسخہ بڑی محنت سے مدوّن کیا تھا۔

حال ہی میں ایک محققانہ کتاب ''عہد بائبل کی کہانی'' شائع ہوئی ہے۔اس میں درج ہے کہ آزر نے اُور سے حران کی طرف ۲۰۰۰ق م میں ہجرت کی تھی۔ (ص ۱۶)

اگر ہجرت کے وقت ابراہیم کی عمر چالیس کے قریب ہو۔ تو اس کی ولادت ۱۹۶۰ق م میں بنتی ہے۔ان تفاصیل سے واضح ہے۔ کہ ابراہیم کی تاریخ ولادت کی تعیین آسان نہیں۔ البتہ نئے محققین عموماً ۱۹۹۶ق م کو ترجیح دیتے ہیں۔

شجرۂ ابراہیم کی شہادت

تورات کی رُو سے حضرت ابراہیم کا شجرۂ نسب یہ ہے:۔

ابراہیم بن آزر بن ناحور بن سُروج۔ بن اَرغو بن فلج بن عبر بن شالخ بن ارفخشد بن سام بن نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ بن یارد بن مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم۔ (پیدائش۔ باب ۱۰۔۱۱)

ابراہیم اور آدم کے درمیان ۱۹ پشتیں تھیں۔ اگر ایک پشت اوسطاً پچاس سال میں ختم ہو۔ تو ۱۹ پشتوں کے لیے اندازاً ایک ہزار سال چاہیے۔اس حساب سے حضرت ابراہیمؑ کی ولادت ۳۰۰۰ق م میں بنتی ہے۔ جو لوگ حضرت ابراہیمؑ کو ۱۹۹۶ق م کی پیدائش ٹھہراتے ہیں۔ وہ آدمؑ و ابراہیمؑ کے درمیان ہر پشت کو سو سال کا قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کوئی مؤرخ اس سے اتفاق نہیں کر سکتا۔ اگر تورات کا شجرۂ نسب صحیح ہے تو پھر حضرت ابراہیمؑ کی ولادت اندازاً ۳۰۰۰ق م میں تسلیم کرنا پڑے گی۔

ابراہیمؑ کی ولادت

فرعون کی طرح نمرود کو بھی اس کے کاہنوں نے بتایا تھا کہ ایک بچہ بڑا ہو کر اسے تباہ کر دے گا۔ چنانچہ اس نے تمام بچوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ جب ابراہیم کی ولادت کا وقت قریب آیا۔ تو اس کی والدہ اُوشا ایک غار میں جا چھپی۔ اور ابراہیم کی ولادت وہیں ہوئی۔ یہ برسوں غار میں رہا۔ جب باہر آیا اور اسے ایک معبود کی ضرورت محسوس ہوئی۔ تو پہلے ایک ستارے اور پھر ماہ و خورشید کو خدا سمجھا۔ اور جب وہ ڈوب گئے۔ تو اس نے اعلان کیا کہ:۔

''خالقِ ارض و سماہی قابل پرستش ہے۔''

ازواجِ ابراہیمؑ

حضرت ابراہیم کی پہلی بیوی کا نام سارہ تھا۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کے بھائی حاران کی بیٹی۔ لوطؑ کی بہن اور ابراہیم کی بھتیجی تھی۔ شریعت ابراہیمی میں غالباً بھتیجی محرمات میں شامل نہ تھی۔ حاران کی دو بیٹیاں تھیں۔ اسکاہ (سارہ) اور ملخا۔ سارہ کی شادی ابراہیم سے ہوئی اور ملخا کی نحور (برادرِ ابراہیم) سے۔ (پیدائش ۱۱/۲۹)

جب برسوں تک سارہ کی کوئی اولاد نہ ہوئی۔ تو حضرت ابراہیمؑ نے سارہ کے اصرار پر اس کی مصری لونڈی

ہاجرہ سے شادی کر لی۔

''اور وہ حاملہ ہوئی .... اور اپنی بی بی (سارہ) کو حقیر سمجھنے لگی .... سارہ اس پر سختی کرنے لگی۔ یہ اس کے پاس سے بھاگ گئی۔ اور وہ خداوند کے فرشتے کو بیاباں میں پانی کے ایک چشمے کے پاس نظر آئی۔ لیکن فرشتے کے کہنے پر گھر میں واپس آ گئی۔'' (ملخص۔ پیدائش ۱۶/۴۔۱۵)

ویران وادی میں

اسماعیل کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر چھیاسی برس تھی۔ (پیدائش ۱۶/۱۶)

چودہ سال بعد سارہ کے بطن سے اسحاق پیدا ہوا۔ جب اسحاق قدرے بڑا ہوا۔ تو دونوں نے بات بات پر الجھنا شروع کر دیا۔ اس پر سارہ نے اصرار کیا۔ کہ ہاجرہ اس کے گھر سے چلی جائے۔ چنانچہ خدا سے اشارہ پا کر حضرت ابراہیمؑ اسے ایک ویران وادی میں لے گئے۔ وہاں ایک درخت کے نیچے انہیں چھوڑ کر خود واپس چلے گئے۔ جب ماں بیٹے کو پیاس نے ستایا۔ اور اسماعیلؑ اضطراب سے ایڑیاں رگڑنے لگے۔ تو ہاجرہ پانی کی تلاش میں صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑی۔ اللہ نے اس کی فریاد سنی۔

''اور اس نے پانی کا ایک کنواں دیکھا۔ اپنی مشک پانی سے بھری۔ اور بچے کو پانی پلایا۔ خدا اس لڑکے کے ساتھ تھا۔ وہ بڑا ہوا تو بیاباں میں رہنے لگا اور تیر انداز بنا۔ اور وہ فاران کے بیاباں میں رہتا تھا۔''

(پیدائش ۲۱/۱۹۔۲۰)

تورات کہتی ہے کہ ہاجرہ کا ٹھکانہ اور وہ کنواں بئرِ شیبہ Beer Sheba میں تھا۔

(پیدائش ۲۱/۱۴)

آیئے دیکھیں۔ کہ اس قول کی حقیقت کیا ہے۔ یہاں دو لفظ تحقیق طلب ہیں۔ فاران اور بئر شیبہ۔ شارحینِ تورات کہتے ہیں کہ:۔

فاران سے مراد دشتِ تیہہ (صحرائے سینا) ہے اور بئر شیبہ جنوبی فلسطین کا ایک شہر ہے۔

(ڈاب ص ۴۹۳)

لیکن وہ اس چیز کو بھول جاتے ہیں۔ کہ فاران جبال مکہ[1] کا نام بھی ہے اور خود مکہ کا بھی رہا شیبہ تو وہ بقول یاقوت حموی (معجم۔ ج۔۵ ص ۳۱۸) مکہ کا ایک پہاڑ تھا۔ اگر ہم یہ تسلیم کر لیں کہ ہاجرہ و اسماعیل کا قیام مکہ والے فاران میں اس مقام پر ہوا تھا۔ جہاں چاہ زمزم ہے تو اسلامی و عیسائی تاریخ کے دھارے مل جاتے ہیں۔ اور صحیح تحقیق کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ تاریخ اقوام میں تطبیق پیدا کی جائے۔

1۔ فاران: ہِیَ من اَسْماءِ مکۃ و قِیل ھو اِسمٌ لجبالِ مکۃ (یاقوت: معجم۔ ج ۴ ص ۲۲۳)

جب ۱۲۷ سال کی عمر میں حضرت سارہ کی وفات ہوگئی۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قطورا سے شادی کر لی۔ اس سے چھے بیٹے پیدا ہوئے:۔

۱۔ زمران ۲۔ یقشان ۳۔ مدان

۴۔ مدین ۵۔ اشباق اور ۶۔ سُوخ (پیدائش ۲۵/۱۔۳)

یاقوت لکھتا ہے کہ:۔

ہاجرہ مصر کے ایک شہر ام العرب میں پیدا ہوئی تھیں۔ (معجم۔ ج۔۱)

ایک اور جگہ کہا ہے کہ:۔

وہ یاق میں رہتی تھیں۔ (معجم۔ ج۔۸۔ "یاق")

ابراہیمؑ کے سفر

آزر اوسط درجے کا ایک تاجر اور چاند دیوتا کا پجاری تھا۔ جب اُور میں چاند کی پرستش ختم ہوگئی تو یہ چھ سو میل شمال کی طرف حران[1] میں چلا گیا۔ جہاں ماہ پرستی ابھی باقی تھی۔

"تارح (آزر) سے حاران، ابراہیمؑ اور نحور پیدا ہوئے تھے اور حاران سے لوطؑ پیدا ہوا۔ حاران کی وفات اُور ہی میں ہوگئی تھی ...... اس کے بعد تارح (آزر)، ابراہیمؑ۔ اس کی بیوی سارہ اور حاران کے بیٹے لوط کو لے کر حاران (حران) میں چلا گیا۔ اور وہیں رہنے لگا۔ جب اس کی عمر دو سو پانچ برس کی ہوئی۔ تو وہ حاران ہی میں وفات پا گیا۔" (ملخص۔ پیدائش ۱۱/ ۲۷۔۳۲)

یہاں یہ ذکر نامناسب نہ ہوگا کہ ابراہیمؑ کا چھوٹا بھائی نُحور اپنے وطن (اُور) ہی میں رہ گیا تھا۔ اس کے بارہ بیٹے تھے۔ جنہیں مؤرخ نے کوئی اہمیت نہیں دی اور وہ گمنامی کے اندھیروں میں ڈوب گئے۔

(ڈاب ص ۴۴۰)

بعد از آزر

آزر کی وفات کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر پچھتر سال تھی۔

انہیں اللہ نے حکم دیا کہ:۔

"باپ کے گھر سے نکل اور اس ملک میں جا۔ جو میں تجھے دکھاؤں گا۔ میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا۔ اور برکت دُوں گا۔" (پیدائش ۱۲/۱۔۲)

---

[1] حران کبھی شام میں شامل تھا۔ لیکن آج کل (۱۹۷۲ء) ٹرکی کی حدود میں ہے۔

چنانچہ ابراہیم علیہ السلام اپنی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط کو لے کر کنعان (فلسطین) کی طرف چل دیے۔ اور بحیرۂ گلیلی کے جنوب میں ایک پہاڑی مورہ کے دامن میں جا اترے۔ چونکہ فلسطین قحط کی گرفت میں تھا۔ اس لیے یہ مصر کو روانہ ہو گئے۔ چونکہ حضرت سارہ نہایت حسین خاتون تھی۔ اس لیے حضرت ابراہیمؑ نے اس سے کہا کہ اگر کوئی تم سے پوچھے کہ تم کون ہو۔ تو کہہ دینا کہ میں ابراہیم کی بہن ہوں۔ یہ اس لیے کہ فرعون حسین عورتوں کو چھین کر ان کے شوہروں کو قتل کر دیتا تھا۔ لیکن بھائیوں کو کچھ نہیں کہتا تھا۔ یہ واقعہ اسی طرح ہوا اور سارہ فرعون کے ہاں پہنچ گئی۔ فرعون نے ابراہیم کو بے اندازہ مال۔ مویشی دے کر خوشحال کر دیا۔ لیکن وہاں سارہ نے اصل بات بتا دی۔ اس پر فرعون سخت ناراض ہوا۔ اور حضرت ابراہیمؑ کو مصر سے نکال دیا۔ لیکن مال۔ مویشی سے تعرض نہ کیا۔

(پیدائش ۱۲/ ۱۹۔۲۰)

چنانچہ یہ لوگ منزل بہ منزل وسطی فلسطین میں بیت ایل[۱] اور آئی[۲] کے درمیان جا ٹھہرے۔ چونکہ ان کے ریوڑ بہت زیادہ تھے۔ اور وہاں گھاس کے ذخائر کم تھے۔ اس لیے ابراہیم اور لوطؑ نے ایک دوسرے سے الگ ہونے کا فیصلہ کیا۔

حضرت لوطؑ جارڈن کے سبزہ زاروں میں چلے گئے۔

اور حضرت ابراہیم حبرون کے پاس ایک مقام صمرے میں جا ٹھہرے۔

جارڈن کے لوگ شاہ ایلام[۳] کے باج گذار تھے۔ انہوں نے بغاوت کر دی اور جنگ چھڑ گئی انہیں شکست ہوئی۔ فاتح اپنے ہمراہ بے شمار مال۔ مویشی اور قیدی لے گئے۔ جن میں لوطؑ اور اس کا خاندان بھی شامل تھا۔

جب یہ خبر حضرت ابراہیم تک پہنچی تو وہ اپنے ۳۱۸ ملازموں (پیدائش ۱۴/ ۱۴) کو لے کر حملہ آوروں کے تعاقب میں گئے اور انہیں دمشق کے پاس جا لیا۔ ان پہ شبخون مارا۔ وہ گھبرا کر بھاگ نکلے۔ حضرت ابراہیم اپنے قیدیوں کو چھڑا لائے۔ اور انہیں دوبارہ جارڈن میں بھیج دیا۔

حضرت ابراہیمؑ کو کنعان میں رہتے دس سال ہو چکے تھے۔ اور آپ کی کوئی اولاد نہ تھی۔ اس پر سارہ و ابراہیم علیہ السلام دونوں دل گرفتہ رہتے تھے۔ آخر حضرت سارہ نے اصرار کیا کہ حضرت ابراہیمؑ اولاد کی خاطر اس کی کنیز ہاجرہ کو اپنے نکاح میں لے لیں۔

"آپ نے سارہ کی بات مان لی...... اور ہاجرہ حاملہ ہو گئی...... جب اسماعیل پیدا ہوا۔ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام چھیاسی برس کے تھے۔" (پیدائش۔۱۶)

---

۱ بیت ایل:۔ یروشلم سے ۱۲ میل شمال میں ایک شہر ہے۔

۲ آئی:۔ بیت ایل سے ۶/ ۵ میل مشرق میں واقع تھا۔

۳ عراق کے مشرق اور ایران کے مغرب میں ایک علاقہ۔

جب تیرہ برس بعد قوم لوطؑ کی بستیاں تباہ ہوگئیں۔تو ابراہیمؑ جنوب کی طرف چل دیے۔ جرار (غارہ کے جنوب میں ایک شہر) میں پہنچے۔تو وہاں کے بادشاہ ابی ملک نے سارہ کو دیکھ کر حضرت ابراہیم سے پوچھا کہ:

''یہ کون ہے؟''

آپ نے کہا:

''یہ میری بہن ہے۔''

چنانچہ شاہ نے اسے اپنے ہاں رکھ لیا۔لیکن ایک فرشتے نے بادشاہ کو خواب میں بتایا کہ یہ شوہر والی ہے۔اس کے قریب نہ جانا۔ (پیدائش ۲۰/ ۷۔۸)

بادشاہ نے تعمیل کی۔ سارہ کو واپس کر دیا۔اور ابراہیمؑ کو بے اندازہ دولت دے کر رخصت کر دیا۔ جب حضرت ابراہیم کی عمر سو برس ہوئی۔تو حضرت سارہ کے ہاں اسحاق پیدا ہوئے۔

(پیدائش ۵/۲۱)

جب بیٹا[۱] آٹھ۔دس سال کا ہوا تو اللہ نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ:

''تو اپنے بیٹے اسحاق کو لے کر موریاہ کے ملک میں جا اور وہاں ایک پہاڑ پر جو میں تجھے بتاؤں گا۔اسے سوختنی[۲] قربانی کے طور پر چڑھا۔ (پیدائش ۲۲/ ۱۔۳)

سرزمین موریاہ کہاں واقع تھی؟اس کے متعلق اختلاف ہے۔

ایک گروہ کے ہاں یہ وہی خطۂ زمین ہے۔جس میں جبل[۳] مورہ (یوروشلم سے ساٹھ میل شمال میں) واقع تھا۔اور دوسرے کے ہاں جبل موریا سے مراد وہ پہاڑی ہے جس پر حضرت سلیمانؑ نے مسجدِ اقصیٰ کی بنا ڈالی تھی۔

(ڈاب۔ص ۴۲۸)

اللہ نے اسحاق (یا اسماعیل) کو ذبح ہونے سے بچالیا۔اور پھر حضرت ابراہیمؑ کچھ مدت کے لیے بئر شیبہ میں جا ٹھہرے۔یہاں بئر شیبہ سے مراد غالباً مکّہ کا چاہ[۴] زمزم ہے۔وہاں پہنچ کر حضرت ابراہیمؑ نے حضرت اسماعیل کے

۱۔ ہمارے مفسرین ومحدثین کی متفقہ رائے یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ نے قربانی کے لیے اسماعیل کو پیش کیا تھا لیکن تورات کہتی ہے کہ وہ اسحاق تھا۔ رہا قرآن تو اس میں صرف اتنا ہی ہے کہ جب وہ بچہ چلنے پھرنے کے قابل ہُوا تو اللہ نے اُسے قربان کرنے کا حکم دے دیا۔ بچے کا نام مذکور نہیں۔

۲۔ اسلامی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کے قریب منیٰ میں اسماعیلؑ کی قربانی دی تھی۔

۳۔ جبل مورہ: اس نام کے دو پہاڑ تھے۔ایک یوروشلم سے ساٹھ میل شمال میں اور دوسرا کعبہ کے قریب جسے آج کل مُروہ کہتے ہیں۔

۴۔ اس کی تائید زبور کی ایک آیت سے ہوتی ہے:

''مبارک ہیں وہ جو وادیٔ مکّہ سے گزرتے وقت وہاں کنواں بناگئے۔'' (زبور ۸۴/۶)

ساتھ (جواس وقت تک ۲۵/ ۲۷ سال کے ہو چکے تھے) مل کر کعبہ کی تعمیر کی۔ پھر آپ حبرون کو لوٹ گئے۔ کچھ دیر بعد حضرت سارہ کی وفات ہوگئی اور حضرت ابراہیمؑ نے اسے حبرون کے ایک کھیت کے کنارے مکفیلہ کے غار میں دفن کر دیا۔ یہ قبرستان جہاں بعد میں خود ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاق علیہم السلام دفن ہوئے تھے۔ آج بھی موجود ہے۔ اور خلیل کہلاتا ہے۔ جب حضرت ابراہیمؑ ۱۷۵ برس کے ہوئے تو ان کی وفات ہوگئی اور انہیں حبرون میں سارہ کے پاس دفن کر دیا گیا۔ (ڈاب۔ص ۱۳)

یاقوت اور سوانحِ ابراہیمؑ

یاقوت حموی نے حضرت ابراہیمؑ کے متعلق کچھ نئی باتیں کہہ دی ہیں۔ مثلاً کہ:

دمشق کے قریب ایک مقام بیت لہیا میں آزر بُت تراشتے اور ابراہیم فروخت کرتے تھے۔ (معجم۔جلد دوم)

یہ بات بوجوہ غلط ہے۔

اول: جس ابراہیم کو کالدیہ میں بہ جرم بُت شکنی آگ میں پھینکا گیا تھا۔ وہ بعد میں بُت فروش کیسے بن سکتا ہے۔

دوم: کوئی تاریخی شہادت نہیں ملتی کہ آزر حران سے کہیں اور گئے ہوں۔

سوم: بائبل کی لغات میں بیت لہیا نام کا کوئی مقام نہیں ملتا۔ (معجم۔ج۔۳)

حلب کے متعلق یاقوت لکھتے ہیں کہ یہ حلب حلبا سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں دودھ دوہنا۔ چونکہ اس بستی میں حضرت ابراہیمؑ بکریوں کا دودھ دوہتے تھے۔ اس لیے اس کا نام حلب رکھ دیا گیا۔

سوال یہ ہے کہ کیا حلب میں حضرت ابراہیمؑ کے قیام کی کوئی تاریخی شہادت موجود ہے؟

مآخذ: ۱۔ قرآن حکیم ۲۔ بائبل ۳۔ معجم۔ج۔۶ ''فَدّان''

۴۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا ۵۔ پیپلز ص ۴۸۷ ۶۔ ڈاب ص ۴۴۰

۷۔ کتاب الہدیٰ۔ ۳۸۱

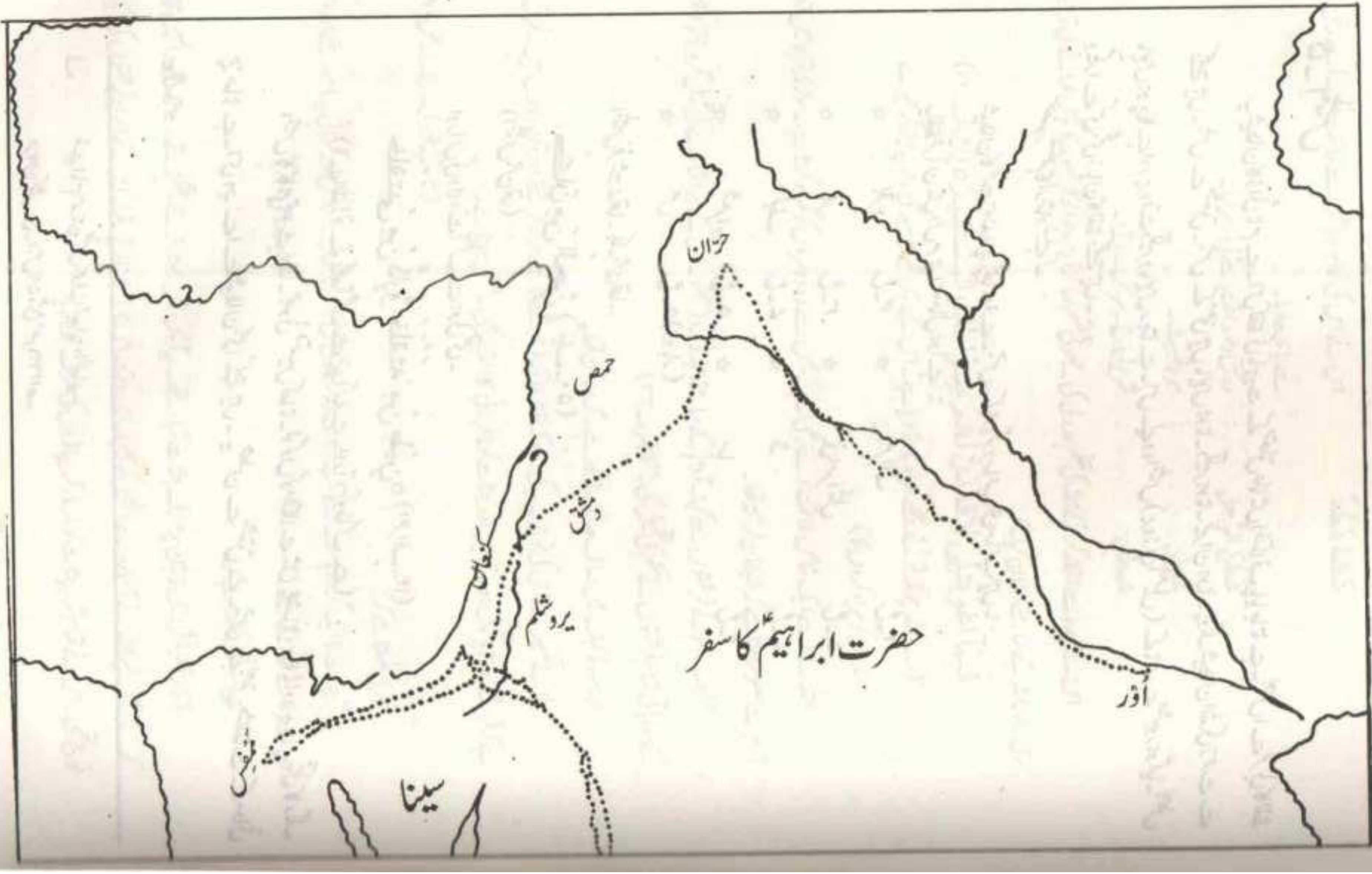
حضرت ابراہیمؑ کا سفر
اُور
حران
حمص
دمشق
کنعان
یروشلم
سینا

۵۔ اِبلیس

یہ شیطان کا ذاتی نام ہے۔ اس لفظ کی ماہیت کے متعلق علما میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اسے عربی کا لفظ سمجھتے ہیں۔ بلس سے مشتق۔ جس کے معنی ہیں مایوس ہونا۔ دلگیر ہونا۔ حیران ہونا۔ چونکہ شیطان اللہ کی رحمت سے مایوس ہو چکا ہے اور ہر وقت دلگیر و مایوس رہتا ہے۔ اس لیے وہ ابلیس (بروزنِ افعیل) کے نام سے مشہور ہو گیا۔ بعض دیگر اسے کسی عجمی زبان کا لفظ سمجھتے ہیں۔

حضور صلعم کا ارشاد[ل] ہے کہ:

شیطان کا تخت سمندر پر بچھا ہوا ہے۔ جس کے اردگرد سانپ ہی سانپ ہیں۔

یہ لفظ قرآن میں دس مرتبہ استعمال ہوا ہے:۔

☆	بقرہ	ع۔۴	☆	اعراف	ع۔۲
☆	حجر	ع۔۳	☆	بنی اسرائیل	ع۔۷
☆	کہف	ع۔۷	☆	طٰہٰ	ع۔۷
☆	شعراء	ع۔۵	☆	سبا	ع۔۲
☆	ص	ع۔۵ (دو بار)			

ابلیس فرشتہ نہ تھا۔ بلکہ جن تھا۔

كَانَ مِنَ الْجِنِّ (کہف۔۵۰)

(ابلیس جن تھا)

اور اس کی ولادت آگ سے ہوئی تھی۔

خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ (اعراف۔۱۲)

(اے اللہ! تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا ہے۔ اور آدم کو خاک سے)

ابلیس کا کام جھوٹ بولنا۔ جھوٹی قسمیں کھانا۔ لوگوں کو مشکلات میں پھنسانا، بہکانا اور بدی پر نیکی کا رنگ چڑھانا ہے۔ اسی وجہ سے اسے شیطان بھی کہتے ہیں۔ یہ شطن سے مشتق ہے۔ جس کے بعض مشتقات کے معانی یہ ہیں:۔

ل مُسندِ امام احمد بن حنبل بحوالۂ البدایۃ والنہایہ۔
از ابنِ کثیر۔ ج۔۱ ص ۵۹، طبع مصر ۱۳۴۸ھ۔

شَطْنَهٗ شَطْناً : اس نے اس کی ظاہر و باطن سے مخالفت کی۔ اُسے رسّی سے باندھ دیا۔

شَطَنَ الرَّجل : وہ حق وصداقت سے دُور ہو گیا۔

شَاطِن : مردِ خبیث۔

شیطان : شریرُوح۔ سرکش۔ باغی۔

اس نے سجدہ سے انکار کر کے اللہ کی حکم عدولی کی۔ جھوٹی قسم کھا کر آدم وحوا کو شجرِ ممنوعہ کا پھل کھانے کی ترغیب دی۔ اور اللہ کے سامنے اعلان کیا۔ کہ:

فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۝ (اعراف۔١٦)

(اے اللہ چونکہ تو نے مجھے گمراہ چھوڑ دیا ہے۔ اس لیے میں تیری سیدھی راہ پہ بیٹھ کر تیرے بندوں کو گمراہ کروں گا)

اللہ نے اسے ایک خاص طاقت دے رکھی ہے۔ جس سے وہ دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں قصۂ آدم سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان فرشتہ تھا۔

"جب ہم نے فرشتوں سے کہا۔ آدم کے سامنے سجدہ کرو (جھکو۔ اس کے ہر اشارے کی تعمیل کرو) تو ابلیس کے سوا باقی تمام فرشتوں نے حکم کی تعمیل کی۔" (بقرہ۔٣٤)

اور سورۂ کہف میں صاف صاف مذکور ہے۔ کہ وہ جن تھا۔

علمائے تفسیر نے اس کی توجیہہ یہ کی ہے کہ لفظ ملائکہ (فرشتے) سے مراد فرشتے اور جن دونوں ہیں۔ فرق یہ ہے کہ فرشتے سرتاپا تعمیل ہوتے ہیں اور جنات کو نافرمانی کا اختیار بھی حاصل ہوتا ہے۔

(تاریخ طبری۔ ج۔١۔ ص٨٠)

طبری لکھتا ہے کہ:

"جنات کا ایک گروہ یا سب کے سب جنّات (جنت کی جمع) کی باغبانی۔ آرائش اور نگرانی پہ مامور تھے اور اسی وجہ سے جِنّات کہلاتے تھے۔" (ایضاً۔ ص٨٠)

یہی مصنف لکھتا ہے کہ:

آغازِ آفرینش میں زمین پر صرف جنّات آباد تھے۔ یہ آپس میں ہمیشہ لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ انہیں قابو کرنے کے لیے اللہ نے آسمان سے ابلیس کو بھیجا۔ اس وقت اس کا نام عزازیل تھا۔ اس کے ہمراہ فرشتوں کی ایک فوج تھی۔ اس نے تمام شریر جنّات کو مار مار کر پہاڑوں کی طرف بھگا دیا۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ:

زمین پر خالص فرشتوں کی فوج آئی تھی۔ اور اس وقت ابلیس زمین پہ رہتا تھا۔ اور شرانگیزی کرتا تھا۔ چنانچہ فرشتے اُسے رسّیوں میں جکڑ کر آسمانوں میں لے گئے۔ اس وقت یہ نوجوان تھا۔ جب وہاں اس کے اطوار ٹھیک ہو گئے۔ تو اللہ نے اسے جنّات کا جج بنا کر زمین پر بھیج دیا۔ یہاں یہ ایک ہزار سال رہا۔ ان دنوں یہ الحارث اور الحکم کے نام سے معروف تھا۔ جب اللہ نے زمین پر ایک نئی مخلوق کو اپنا خلیفہ بنانا چاہا۔ تو اسے بھی آسمان پہ طلب کیا۔ اور آدم کو پیدا کرنے کے بعد سب کو اس کے سامنے سجدے کا حکم دیا۔ اس نے انکار کیا۔ تو نہ صرف ملعون و مردود بن گیا۔ بلکہ اس وقت سے ابلیس کہلانے لگا۔

مآخذ: ا۔ شاس ص ۱۴۵، ۲۔ ڈاس ص ۸۴، ۳۔ طبری ج۔ ا ص ۸۰۔۸۳، ۴۔ اعلام ص ۲۰، ۵۔ البدایۃ والنہایہ ص ۵۹

۶۔ ابنِ مریم

(دیکھیے۔ عیسیٰؑ)

۷۔ ابنِ نُوح

قرآن میں ہے۔ کہ:

جب طوفان نوح آیا۔ اور نوح علیہ السلام اپنے پیروؤں، گھر والوں، جانوروں، مویشیوں اور پرندوں کے ہمراہ کشتی میں سوار ہو گئے۔ تو ان کے ایک نافرمان بیٹے نے سوار ہونے سے انکار کر دیا۔

اس پر:۔

''نوح نے اپنے بیٹے کو، جو الگ کھڑا تھا، آواز دی کہ اے بیٹے! آؤ۔ ہمارے ساتھ سوار ہو جاؤ۔ اور نافرمانی نہ کرو۔ کہنے لگا۔ میں پہاڑ پہ چڑھ کر طوفان سے بچ جاؤں گا۔ فرمایا۔ آج اللہ کے عذاب سے وہی بچ سکتا ہے۔ جس پر وہ رحم کرے۔ اس کے بعد دونوں کے درمیان ایک لہر حائل ہوگئی اور وہ ڈوب گیا۔'' (ہود:۴۲۔۴۳)

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں کہ اس بیٹے کا نام کنعان تھا۔

لیکن تورات کہتی ہے کہ کنعان نوح کا پوتا اور حام کا بیٹا تھا۔

''حام کے چار بیٹے تھے۔ کوش۔ مصرائیم۔ فوط اور کنعان۔'' (پیدائش۔ ۶/۱۰)

کنعان طوفان کے بعد بھی زندہ رہا۔ اس کے ہاں گیارہ بیٹے ہوئے۔ یعنی:۔

صیدا۔ حت۔ یبُوسی وغیرہ

جو بحرِ شام کے ساحل پر لبنان سے غازہ تک پھیل گئے تھے۔ (پیدائش۔۱۰/۱۵۔۱۶)

تو پھر وہ سوال ہنوز حل طلب ہے کہ ڈوبنے والے کا نام کیا تھا۔اس کا ایک جواب تو یہ ہے۔ کہ نوح کے چار بیٹے فرض کیے جائیں۔جن میں سے ایک ڈوب گیا۔یا پوتے (کنعان بن حام) کو بھی بیٹوں میں شامل سمجھا جائے۔

ماخذ:۔ ا۔قرآن، ۲۔بائبل

۸۔اِبنَے آدم

(آدم کے دو بیٹے ہابیل وقابیل)

''اے رسول! انہیں آدم کے دو بیٹوں کی کہانی سناؤ۔دونوں نے قربانی پیش کی۔ایک کی قبول ہو گئی اور دوسرے (قابیل) کی مسترد۔اس نے اسے دھمکایا۔کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔اس نے کہا کہ اللہ صرف نیک لوگوں کی قربانیاں قبول کرتا ہے۔اگر تم مجھ پہ ہاتھ اٹھاؤ گے۔تو میں تم سے نہیں لڑوں گا۔کہ میں رب کائنات سے ڈرتا ہوں۔میرا منصوبہ یہ ہے۔کہ تم میرے قتل کا گناہ اپنے دیگر گناہوں میں شامل کر کے جہنم میں پہنچ جاؤ۔اور ظالموں کی جزا یہی ہے۔پس اس کا دل بھائی کو قتل کرنے کے لیے تیار ہو گیا۔بالآخر اسے مار ڈالا۔اور یوں وہ زیاں کار بن گیا۔ پھر اللہ نے اسے یہ سمجھانے کے لیے کہ لاش کو کہاں چھپائے۔ایک کوا بھیجا۔جس نے زمین کو کریدا (اور کوئی چیز وہاں دبا دی)۔قابیل کہنے لگا۔اے کاش کہ میں کوے جتنی عقل رکھتا۔تو بھائی کی لاش کو دبا دیتا۔اور یوں وہ اپنے کیے پہ پشیمان ہو گیا۔'' (مائدہ ۲۷۔۳۱)

تورات نے اس واقعہ کی چند اور تفاصیل بھی بتائی ہیں۔مثلاً:۔

''ہابیل بھیڑ بکری کا چرواہا تھا اور قائن (قابیل) کسان تھا......... قائن اپنے کھیت کے حاصل میں سے ہدیہ لایا اور ہابل اپنی پلوٹھی اور موٹی بھیڑ بکریوں سے......... جب وہ دونوں کھیت میں تھے۔تو یوں ہوا کہ قائن اپنے بھائی ہابل پہ اٹھا اور اسے مار ڈالا......... تب خداوند نے قائن سے کہا۔کہ اب تو زمین سے لعنتی ہوا......... تو زمین پر پریشان و آوارہ ہو گا......... سو قائن خداوند کے حضور سے نکل گیا۔اور عدن کی پورب طرف نُود کی سرزمین میں جا رہا۔'' (پیدائش:باب۔۴)

شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام (ص ۱۱۵) نے چند حوالوں سے لکھا ہے کہ:۔

حضرت آدم کی اولاد جوڑے جوڑے (بہن بھائیوں کا جوڑا) پیدا ہوتی تھی۔اور کوئی بھائی اپنے جوڑے کی بہن سے شادی نہیں کر سکتا تھا۔بلکہ وہ کسی ایسی بہن سے شادی کر سکتا تھا۔جو کسی اور بھائی کے ہمراہ پیدا ہوئی۔چونکہ قابیل کی بہن (توأم) ہابیل کی بہن سے زیادہ خوبصورت تھی۔اس لیے اس نے اپنی بہن سے شادی کرنا چاہی۔

جس میں ہابیل مزاحم ہوا۔ جب یہ جھگڑا بڑھ گیا۔ تو دونوں نے قربانی دینے کا فیصلہ کیا۔ چنانچہ آسمان سے ایک آگ اتری۔ وہ ہابیل کی قربانی کو تو جلا گئی۔ لیکن قابیل کے نذرانے کے نزدیک تک نہ گئی۔ اس پر قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا۔ اس وقت ہابیل کی عمر بائیس سال تھی۔ وہ بھائی کی لاش کو سال بھر پیٹھ پہ اٹھائے پھرا۔ اور سوچ نہ سکا۔ کہ اسے کہاں پھینکے۔ بالآخر اس نے ایک مقام پر دو کووں کو لڑتے دیکھا۔ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا۔ اور پھر زمین میں دبا دیا۔ چنانچہ قابیل نے بھی ہابیل کو دفن کر دیا۔

صحیح بخاری، صحیح مسلم اور بعض سنن میں حضور صلعم کی یہ حدیث درج ہے کہ:۔

جب بھی دنیا میں کوئی آدمی قتل کرتا ہے۔ تو اس کے گناہ کی سزا قابیل کو بھی ملتی ہے۔

یاقوت حموی معجم البلدان (ج ۔ ۷، "قاسیون") میں لکھتے ہیں کہ:

قابیل نے ہابیل کو دمشق کے قریب جبل قاسیون کے ایک غار میں قتل کیا تھا۔

ماخذ:۔ ۱۔ شاس:۔ ص ۱۱۵، ۲۔ لقر:۔ ص ۱۲، ۳۔ ڈاس:۔ ص ۲، ۴۔ معجم البلدان:۔ ج ۔ ۷

۹۔ اَبُو لَہَب

(نیز دیکھیے۔ حمالۃ الحطب)

ابولہب عبدالعزّیٰ بن عبدالمطّلب حضور صلعم کا چچا تھا جس کا اونچا قد، بھاری جسم اور اس قدر مشتعل مزاج کہ لوگ اسے بولہب (شعلوں کا باپ) کہتے تھے۔

"ڈکشنری آف اسلام" (ص ۸) میں درج ہے کہ:

یہ لقب اسے خود حضور صلعم یا وحی نے دیا تھا۔

تمام تفاسیر، نیز بخاری میں یہ واقعہ دیا ہوا ہے۔ کہ جب یہ آیت:۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ ۙ (شعراء:۲۱۴)

(اپنے قریبی رشتہ داروں کو اللہ کے عذاب سے ڈراؤ)

نازل ہوئی۔ تو آپ نے کوہ صفا پہ چڑھ کر بلند آواز سے قریش کی تمام شاخوں کو بلایا۔ جب یہ لوگ جمع ہو گئے۔ تو فرمایا:

اِنِّیْ نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَیْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ.

(کہ آنے والے شدید عذاب سے ڈرو)

اس پر عبدالعزیٰ نے کہا:

تَبًّالَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ. اَلِهٰذَا جَمَعْتَنَا.

(تم پر دن بھر پھٹکار برسے۔ کیا تم نے اس بات کے لیے ہمیں جمع کیا تھا؟)

اس واقعہ کے معاً بعد یہ سورۃ نازل ہوئی:۔

تَبَّتْ يَدَآ اَبِيْ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝ مَآ اَغْنٰى عَنْهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝ سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ۝

(ابولہب[1] کے دونوں ہاتھ بے کار ہو گئے اور وہ خود بھی تباہ ہوا۔ اسے اس کی دولت تباہی سے نہ بچا سکی۔ وہ بہت جلد اپنی فتنہ پسند بیوی سمیت بھڑکتی ہوئی آگ میں جلے گا۔ اور کھجور کی چھال کی رسی اس کی بیوی کی گردن میں ہوگی۔)

''حَمَّالَةَ الْحَطَبِ'' کے لفظی معنی ہیں ''ایندھن اٹھانے والا'' مراد مُفسِد۔ غماز، اور لگائی بجھائی کرنے والا۔ پنجابی زبان کا ایک محاورہ ''تیلی لگانا'' بھی انہی معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ چونکہ ابولہب کی بیوی جنگل سے خاردار شاخیں پیٹھ پہ اٹھالاتی اور حضور صلعم کی راہ میں بچھا دیتی تھی۔ اس لیے اس محاورے کا استعمال لفظاً بھی صحیح ہے۔

اس آیہ کے تحت تفسیر جلالین کے حاشیہ (کمالین[2] ص ۵۰۶) پر حضرت ابن عباسؓ کے حوالے سے منقول ہے کہ:

ابولہب کی بیوی جہنم میں بھی ایندھن اٹھانے کے کام پہ مامور ہے۔

جب ہجری کے دوسرے سال قریش معرکۂ بدر کے لیے تیار ہوئے۔ تو اس مہم میں بولہب خود شامل نہ ہوا۔ (کہتے ہیں کہ ڈر گیا تھا۔ یا بیمار تھا) بلکہ اپنے غلام عاصی[3] بن ہشام کو اپنی طرف سے بھیجا۔ جب اسے معرکۂ بدر کا انجام معلوم ہوا۔ تو غیظ وغضب سے کھولنے لگا۔ پہلے تو خبر رساں کی پٹائی کی۔ پھر بیمار ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ اس پر چیچک کا حملہ ہوا تھا۔ سات دن بعد مر گیا۔ اس کی لاش اس حد تک مسخ ہو چکی تھی کہ اس کے بیٹے بھی اسے چھونے سے ڈرتے تھے۔ کئی روز تک وہ گلتی سڑتی رہی اور بالآخر اسے کرائے کے چند حبشیوں نے دفن کیا۔

---

[1] قرآن کا انداز یہ ہے کہ بعض اوقات کسی ایسے واقعہ کے لیے جس کا ظہور مستقبل میں یقینی ہو افعالِ ماضی استعمال کرتا ہے۔ مثلاً قیامت کے متعلق:

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ. يٰا هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ جَمَعْنٰكُمْ

[2] حاشیہ نگار سلام اللہ دہلوی (۱۸۱۹ء) تھے (زاہد الحسینی۔ تذکرۃ المفسرین ص ۱۶۲)

[3] عاصی ایک آزاد آدمی تھا۔ ایک روز ابولہب سے جُوا کھیلا۔ ساری جائیداد (اپنے آپ سمیت) ہار دی۔ اور ابولہب نے اسے اپنا غلام بنالیا۔ (شاس: ص ۱۱)

اس کا فرزند عتبہ حضور صلعم کا داماد تھا۔ جب حضور صلعم نے نبوت کا اعلان کیا۔ تو اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی۔ اور عیسائیت قبول کر لی۔ کچھ عرصہ بعد یہ شام کی طرف جا رہا تھا کہ راستے میں ایک شیر نے اسے چیر پھاڑ ڈالا۔

ایک روایت کے مطابق یہ آٹھویں سال ہجری میں مسلمان ہو گیا تھا۔ اور ۷۰۰ء میں وفات پائی تھی۔ لیکن حقیقت غالباً یہی ہے۔ کہ اسلام لانے کا شرف عتبہ کے بھائی کو حاصل ہوا تھا۔ نہ کہ عتبہ کو۔

مآخذ: ۱۔ شاس۔ ص ۱۱، ۲۔ کمالین۔ ص ۵۰۶، ۳۔ تذکرۃ المفسرین۔ ص ۱۶۲

۱۰۔ اَبَوَیۡهِ (اپنے والدین کو)

مراد:۔ حضرت یوسفؑ کے والدین ہیں۔

جب یوسفؑ کے بھائی مصر میں چوتھی مرتبہ گئے۔ تو ان کے ہمراہ حضرت یعقوبؑ اور ان کی ایک زوجہ بھی تھی۔ حضرت یوسفؑ کی اپنی والدہ راحیل کی وفات اس وقت ہوئی تھی۔ جب حضرت یعقوبؑ حران کو چھوڑ کر حبرون کی طرف جا رہے تھے۔ (دیکھیے ۱۹۹۔ ''یوسف'')

حضرت یوسفؑ نے اپنے والدین کو تخت پہ بٹھایا۔ بھائیوں کو ارد گرد کھڑا کیا۔ اور پھر سب حضرت یوسفؑ کے سامنے تعظیماً جھک گئے:۔

وَرَفَعَ اَبَوَیۡهِ عَلَی الۡعَرۡشِ وَخَرُّوۡا لَهٗ سُجَّدًا۔ (یوسف۔۱۰۰)

(یوسف نے اپنے والدین کو تخت پہ بٹھایا۔ اور تمام (گیارہ بھائی۔ ماں اور باپ) یوسف کے سامنے سجدے میں گر گئے)

اور ساتھ ہی حضرت یوسفؑ پکار اٹھے کہ:

''اے محترم باپ! یہ ہے میرے خواب (کہ گیارہ ستارے۔ ایک چاند۔ اور ایک سورج میرے سامنے سجدہ کر رہے ہیں۔) کی تعبیر۔''

حضرت یوسفؑ کے والد کا نام یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم تھا۔ اور والدہ کا راحیل۔ یہ لابن بن بیتوئیل بن نحور بن آزر کی بیٹی تھی۔ اور حضرت یعقوبؑ کی حقیقی ماموں زاد۔ حضرت یعقوبؑ کی والدہ کا نام ربقہ تھا۔ یہ لابن کی بہن اور بیتوایل کی بیٹی تھی۔ لابن حران میں رہتا تھا۔ جب حضرت یعقوبؑ بھی پھرتے پھراتے حران میں جا نکلے تو شہر کے باہر ایک کنوئیں پر:

''راحیل اپنے باپ کی بھیڑوں کے ساتھ آئی ...... جب یعقوب نے اپنے ماموں لابن کی

بٹی راحیل اور اس کے ریوڑ کو دیکھا۔ تو...... یعقوب نے لابن کے گلّے کو پانی پلایا...... اور کہا کہ میں تیرے باپ کی برادری میں ربقہ کا فرزند ہوں۔ وہ دوڑی اور اپنے باپ کو اطلاع دی۔" (پیدائش۔۲۹/۹۔۲۰)

اس کہانی کا باقی حصہ یوں ہے۔ کہ:

لابن نے حضرت یعقوب کو اپنے گھر میں رکھ لیا۔ اور کہا کہ اگر تم سات برس تک میرا ریوڑ چراؤ گے۔ تو تمہیں راحیل دے دوں گا۔ جب سات سال گزر گئے۔ تو لابن نے پہلے اُسے اپنی بڑی لڑکی لیاہ دی۔ اور ایک ہفتہ بعد راحیل بھی حوالے کر دی۔ لیاہ سے چھ بچے پیدا ہوئے:

۱۔ روبن ۲۔ شمعون ۳۔ لاوی

۴۔ یہوداہ ۵۔ اشکار اور ۶۔ زبلون

راحیل سے دو:۔

۱۔ یوسف اور ۲۔ بن یامین

راحیل کی کنیز (اور یعقوب کی منکوحہ) بلہاہ سے دو، یعنی:۔

۱۔ دان اور ۲۔ نفتالی

لیاہ کی کنیز زلفہ بھی یعقوبؑ کے نکاح میں تھی۔ اس سے بھی دو بچے پیدا ہوئے:۔

۱۔ جدّ اور ۲۔ آشر

تو یہ تھے حضرت یعقوب علیہ السلام کے وہ بارہ فرزند جن سے بنو اسرائیل کے بارہ قبیلے بنے اور وہ اتنے بڑھے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام انہیں مصر سے لے کر نکلے۔ تو ان کی تعداد چھ لاکھ سے زیادہ ہو چکی تھی۔ (گنتی:۱/۴۶)

مآخذ: ۱۔ قرآن حکیم، ۲۔ بائبل

۱۱۔ احبار و رُہبان

سورۂ توبہ میں ہے:

اِتَّخَذُوٓا اَحْبَارَهُمْ وَ رُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ.

(توبہ:۳۱)

(اہل کتاب نے اللہ کو چھوڑ کر اپنے مذہبی رہنماؤں کو خدا بنا لیا ہے)

لے اُس زمانے میں یہ دستور تھا کہ پہلے بڑی لڑکی کی شادی ہوتی تھی، اور بیک وقت دو بہنوں سے بھی نکاح جائز تھا۔ اسی لیے لابنؔ نے پہلے بڑی لڑکی کی شادی کی اور بعد ازاں چھوٹی کی۔ اور دونوں بیک وقت حضرت یعقوبؑ کے نکاح میں رہیں۔

احبار جمع ہے حبر کی۔ جس کے معنی ہیں:۔ یہود کا مذہبی رہ نما۔

اور رُہبان راہب کی جمع ہے۔

جس کی تشریح صاحب المنجد نے یوں کی ہے:۔

اَلرَّاهِبُ مَنِ اعْتَزَلَ عَنِ النَّاسِ اِلٰی دَیْرٍ طَلَباً لِّلْعِبَادَةِ۔

(راہب وہ ہے۔ جو عبادت کے لیے دنیا کو چھوڑ کر کسی معبد میں گوشہ نشین ہو جائے)

آتش پرستوں اور عیسائیوں کے رہنما راہب کہلاتے تھے۔

مآخذ: منتہی الارب و منجد

۱۲۔ اُحُد

گو قرآن میں اُحد کا ذکر لفظاً نہیں ہوا۔ لیکن سورۂ عمران کی آیات ۱۳۹۔۱۵۴ میں جس جنگ کا ذکر ہے۔ وہ ہجری کے تیسرے سال اُحد ہی میں ہوئی تھی۔ آغاز میں مسلمانوں کو فتح ہوئی اور قریش بھاگ نکلے۔ لیکن جب صحابہ کی وہ ٹولی جو جبل الرُّماۃ پر متعین تھی۔ مالِ غنیمت کی خاطر نیچے اتر آئی۔ تو خالد بن ولید نے اس مقام پر قبضہ کر لیا۔ اور مسلمانوں کو شکست ہوگئی۔ اس میں ۷۵ مسلمان شہید ہوئے۔ اور ۷۰ زخمی۔ (بخاری)

افواج کی کیفیت یہ تھی۔ کہ قریش کی تعداد تین سے پانچ ہزار تک تھی۔ ان میں سات سو زرہ پوش اور دو سو گھڑ سوار تھے۔

اسلامی فوج میں صرف سات سو جانباز تھے۔ ان میں ایک سو زرہ پوش اور صرف دو یا تین گھڑ سوار تھے۔

یہ پہاڑ مسجد نبوی سے ساڑھے تین میل شمال میں شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔ اس کی لمبائی تین میل اور چوڑائی زیادہ سے زیادہ ڈیڑھ فرلانگ ہوگی۔ شمالی دامن میں ٹھوس چٹانیں دیوار کی طرح استادہ ہیں اور بیچ میں کوئی راستہ موجود نہیں۔

حضور صلعم نے میدان اُحد میں پہنچ کر شرقی حصے میں پڑاؤ جمایا۔ تا کہ اگلی صبح جب جنگ شروع ہو۔ تو سورج ان کی پشت پر ہو۔ پہاڑ کی ایک چوٹی پر حضور ﷺ نے پچاس تیر اندازوں کو مقرر کیا۔ (اور اسی نسبت سے یہ چوٹی جبل الرماۃ کہلانے لگی) تا کہ دشمن عقب سے نہ آ سکے۔

جب مسلمان مالِ غنیمت پہ پل پڑے۔ تو کفار نے سنبھالا لے کر ایک زبردست حملہ کیا۔ ایک پتھر حضور صلعم کے روئے انور پر جا لگا۔ آپ ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے۔ اور سامنے کے دانت شہید ہو گئے۔ جب قریش سب کچھ سمیٹ کر واپس چلے گئے۔ تو حضور ﷺ کو صحابہ نے ایک غار میں لٹا دیا۔ جو اُحد کے شمال مشرقی حصے میں ذرا بلندی

پہ واقع تھی۔ اُحد کے میدان میں حضرت حمزہؓ اور دیگر شہداء کی قبریں آج بھی موجود ہیں۔ وہ گڑھا بھی، جس میں سرورِ کائنات ﷺ زخمی ہو کر گرے تھے۔ اور وہ غار بھی جس میں آپ ﷺ نے آرام فرمایا تھا۔

مآخذ: ۱۔ دائرہ معارفِ اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ ج۔۲ ص ۳۱، ۲۔ قرآنِ حکیم

۱۳۔ اَحقاف

اَحْقَاف۔ یہ حِقْف کی جمع ہے۔

معنی:۔ ریت کے لمبے اور ٹیڑھے ٹیلے۔

یہ ان ٹیلوں کا نام تھا۔ جو حضر موت۔ عُمان اور صحرائے رُبع الخالی کے مابین واقع تھی۔ قومِ عاد انہی ٹیلوں میں رہتی تھی اور حضرت ہود علیہ السلام کا وطن بھی یہی تھا۔

شیخ عبدالوہاب نجار، قصص الانبیاء میں لکھتے ہیں۔ کہ:۔

> حضر موت کے ایک صاحبِ ثروت سید عبداللہ بن احمد بن یحییٰ علوی جو میرے ملنے والوں میں سے تھے۔ مساکن عاد کی تلاش میں نکلے۔ ان کے ہمراہ اربابِ علم کی ایک جماعت بھی تھی ...... انہوں نے ایک مقام پہ کھدائی کی۔ تو وہاں سے سنگِ مرمر کے کچھ برتن برآمد ہوئے۔ جن پر خطِ مسماری میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ یہ لوگ قلتِ سرمایہ کی وجہ سے کام کو جاری نہ رکھ سکے اور واپس آ گئے۔

مآخذ: ۱۔ معجم البلدان۔ حموی۔ ج۔ اول، ۲۔ لقر۔ ج۔ ا ص ۳۷

۱۴۔ اَحمد ﷺ

(نیز دیکھیے **محمد ﷺ**)

سورۂ الصف کی چھٹی آیت میں حضرت مسیحؑ کی یہ بشارت ملتی ہے:۔

مُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ يَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَدُ

(میرے بعد ایک ایسا رسول آئے گا۔ جس کا نام احمد ہوگا)

آں حضرت صلعم کا ایک نام احمد بھی تھا۔ گو موجود چار انجیلوں (مرقس۔ متی۔ لُوقا۔ یُوحنا) میں بظاہر ایسی کوئی بشارت موجود نہیں۔ لیکن ہمارے مفسّرین انجیل یوحنا کے فارقلیط (ستودہ۔ قابلِ تعریف) سے احمد ہی مراد لیتے ہیں۔ آرامی زبان میں اس کا ترجمہ مُنْحَمنّا ہے۔ جو صوتی لحاظ سے محمد ﷺ کے قریب ہے۔ انجیل یوحنا کی بعض بشارات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔

مسیح کا ارشاد ہے:

''لیکن جب وہ مددگار آئے گا۔ جسے میں باپ کی طرف سے تمہارے پاس بھیجوں گا۔ تو وہ میری گواہی دے گا۔'' (یوحنا: ۱۵/۲۷)

''میرا جانا تمہارے لیے فائدہ مند ہے۔ کیونکہ اگر میں نہ جاؤں تو وہ مددگار تمہارے پاس نہیں آئے گا۔'' (ایضاً: ۱۶/۷)

اناجیل میں کسی آنے والے مددگار۔ ابن آدم اور روح صداقت کے متعلق متعدد بشارات ملتی ہیں۔ جن کی تشریح مسلم اور مسیحی علماء اپنے اپنے عقائد کے مطابق کرتے ہیں۔

لیکن بیسویں صدی کے آغاز میں ایک اور انجیل برآمد ہوئی ہے۔ جو انجیل برنابا کے نام سے مشہور ہے۔ برنابا بھی حواریوں میں سے ایک تھا۔ اس میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق واضح بشارات موجود ہیں۔ جن میں آپ ﷺ کو احمد کہا گیا ہے۔

یہ لفظ، حمد سے مشتق ہے۔ اور حمید یا حامد کا اسم تفضیل ہے۔

پہلی صورت میں اس کے معنی ہوں گے:۔

''بہت زیادہ قابلِ تعریف''

اور دوسری صورت میں:۔

''خدا کی بہت تعریف کرنے والا''

یہ یاد رہے کہ:

احمد حضور صلعم کا صفاتی نہیں۔ بلکہ ذاتی نام ہے۔

مآخذ: ۱۔ دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی۔ ج۔۲ ص ۴۶، ۲۔ انجیل یوحنا۔ باب ۱۴۔۱۷، ۳۔ أعلام۔ ص ۲۹،

۱۵۔ اَخَا عَادٍ

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ

(احقاف۔۲۱)

(عاد کے بھائی کا ذکر کرو۔ جس نے اپنی قوم کو احقاف میں ڈرایا تھا)

مراد:۔ حضرت ہود علیہ السلام۔

دیکھیے ۔۱۹۲۔ ''ہودؑ''

۱۶۔ اُخْتُكَ

سورۂ طٰہٰ میں ہے کہ:

جب حضرت موسیٰ کی والدہ نے موسیٰ کو ٹوکرے میں ڈال کر سپرد دریا کر دیا۔ تو اس کی بہن ٹوکرے کے ساتھ چل پڑی۔ جب اسے فرعون کی بیوی یا بیٹی نے کھول کر دیکھا۔ اور اندر ایک پیارا بچہ پایا۔ تو وہ اسے گھر لے گئی۔ اب مصیبت یہ بن گئی۔ کہ بچہ کسی کا دودھ نہ پیتا۔ اتنے میں موسیٰ کی بہن محل میں پہنچ گئی۔

اِذْ تَمْشِيْٓ اُخْتُكَ فَتَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰٓى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ؕ

(طٰہٰ۔۴۰)

(اے موسیٰ! وہ وقت یاد کرو۔ جب تمہاری بہن چلتے چلتے فرعون کے محل میں پہنچ گئی۔ اور بچے کو (بھوک سے روتا دیکھ کر) کہنے لگی۔ کہا میں تمہیں ایک ایسی عورت کا پتہ دوں۔ جو اس بچے کو سنبھال سکے۔ اس طرح ہم نے تمہیں تمہاری ماں کے پاس لوٹا دیا۔ تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس کا غم دور ہو جائے)

تورات میں ہے کہ اس کا نام مریم تھا۔ (خروج ۱۵/۲۰) یہ حضرت موسیٰ سے پندرہ سال بڑی تھی۔ اس کے شوہر کا نام حُر تھا۔ (ڈاب: ص۴۱۹)

''ہارون کی بہن مریم نبیہ نے دف ہاتھ میں لیا اور سب عورتیں دف لیے ناچتی ہوئی اس کے پیچھے چلیں اور مریم ان کے گانے کے جواب میں یوں گاتی تھی۔ کہ خداوند کی حمد وثنا کرو۔ کہ وہ جلال کے ساتھ فتح مند ہوا ہے۔ اور اس نے گھوڑے کو سوار سمیت سمندر میں ڈال دیا ہے۔'' (خروج: ۱۵/۲۰۔۲۱)

ایک مرتبہ حضرت مریم کو اللہ نے سزا بھی دی۔ ہوا یوں کہ:۔

''موسیٰ نے ایک کوشی (حبشہ کی) عورت سے شادی کر لی۔ اس پر مریم اور ہارون موسیٰ کی بد

گوئی کرنے لگے.....اس پر مریم کوڑھ سے برف کی مانند سپید ہوگئی۔"

(گنتی:۱۲/۱۔۱۰)

تب حضرت ہارون وموسیٰ دونوں نے گڑگڑا گڑگڑا کر اللہ سے دعا کی۔اور سات دن کے بعد مریم کو شفا ہو گئی۔

(گنتی۔۱۲/۱۵)

مریم کی وفات قیام تیمہ (۳۷۔سال) کے آخری مہینوں میں ہوئی تھی۔اور وہ قادس میں دفن ہوئی۔

(گنتی:۲۰/۱)

مآخذ:۔ ۱۔ڈاب۔ص۴۱۹، ۲۔قرآن حکیم، ۳۔بائبل،

۱۷۔اُخت ہارون (مریم والدہ عیسیٰؑ)

جب حضرت مریم حضرت عیسیٰؑ کو اٹھا کر بستی میں واپس آئیں۔تو لوگوں نے اسے طعنوں سے چھید ڈالا۔ کوئی کیسے تسلیم کرتا کہ ایک دوشیزہ کے بطن سے حضرت عیسیٰؑ کی ولادت معجزانہ ہوئی تھی۔

طعنوں میں سے ایک یہ تھا:۔

يَٰٓأُخْتَ هَٰرُونَ مَا كَانَ أَبُوكِ ٱمْرَأَ سَوْءٍ وَمَا كَانَتْ أُمُّكِ بَغِيًّا ۖ (مریم:۲۸)

(اے ہارون کی بہن! نہ تو تمہارا باپ برا تھا۔اور نہ تمہاری ماں بدکار تھی)

گو تورات۔انجیل اور دیگر تواریخ میں مریم کی بہن بھائیوں کا کوئی ذکر نہیں ملتا۔تاہم ممکن ہے کہ مریم کے کسی بھائی کا نام ہارون ہو، یا اللہ نے تقدس کی وجہ سے مریم کو ہارونؑ کی بہن کہہ دیا ہو۔لوگ عموماً کسی شاہ زور کو رستم کا بھائی اور سخی کو حاتم کا بھائی یا بیٹا کہہ دیتے ہیں۔عربوں کے محاورے میں اخ کے معنی فرزند بھی ہیں۔یا اخا تمیم اور یا اخا ہاشم کے معنی ہوں گے۔تمیم وہاشم کے فرزند۔

اور اخت ہارون کا مفہوم ہوگا: ہارونؑ کی بیٹی۔

محققین اس بات پر متفق ہیں۔کہ:۔

مریم ہارون علیہ السلام کی پشت سے تھی۔

شاس (ص ۳۲۹) میں اس کا شجرۂ نسب یوں دیا ہوا ہے:۔

فَخُوذ

حَنَّہ (مریم کی والدہ اور عمران کی زوجہ)
مریم
عیسیٰ

یِشْبَعْ (اِشْبَعْ) (حضرت زکریاؑ کی زوجہ)
یحییٰ

''زکریاؑ کی بیوی ہارون کی اولاد سے تھی۔ اور اس کا نام یشبع تھا۔'' (لوقا: ۱/۵)

حیرت ہے۔ کہ شوہر[1] مریم یوسف کے نسب نامہ میں۔ جو انجیل متی کے آغاز میں دیا ہوا ہے۔ ہارون کا نام موجود نہیں۔ حالانکہ یوسف، مریم کا چچازاد تھا۔

بائبل کی ڈکشنری (ص ۴۵۶۔ ''میری'') میں اس کا نسب نامہ یوں دیا ہوا ہے:۔

متّان

یعقوب
یوسف (شوہر مریم)

ہیلی
مریم
عیسیٰ

مریم کے والد کا نام انجیل میں ہیلی اور قرآن میں عمران ہے۔ یہ اختلاف بعض دیگر ناموں میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً:۔ بائبل کے تارح، جیکب، جتھر و اور جان کو قرآن نے آزر۔ یعقوب۔ شعیب اور یحییٰ کہا ہے۔ اور یہی صورت عمران و ہیلی کی ہے۔

نیز دیکھیے: ۱۷۴ا۔ ''مریم''

مآخذ: ۱۔شاس ص ۳۲۹، ۲۔باڈ۔ص ۴۵۶، ۳۔متی۔۱/۸، ۴۔لوقا۔۱/۸،
۵۔قرآن مقدس، ۶۔اعلام۔ص ۳۲،

---

[1] انجیل میں درج ہے ''جب مریم کی منگنی یوسف سے ہوگئی تو اُن کے اکٹھا ہونے سے پہلے وہ رُوح القدس کی قدرت سے حاملہ ہوگئی۔ (متی: ۱/۱۸)

١٨۔ اِخوانُ یوسف

(دیکھیے: ٦٨۔ ''بنواسرائیل'')

١٩۔ اِدریسؑ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِدْرِيسَ ز إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَّبِيًّا ۝ لا

(مریم: ٥٦)

(کتاب میں ادریس کا ذکر کیجئے۔ وہ ایک راستباز نبی تھا)

بیضاوی لکھتا ہے کہ حضرت ادریسؑ حضرت نوح کے آباء میں سے تھے۔ (بحوالہٗ ڈاس: ص ١٩٢)

ڈاب (ص ١٧٧) میں ہے کہ یہ آدمؑ کی پشت میں سے ساتویں تھے۔ بائبل کے مطابق آپ کا نام حنوک تھا۔ شجرہ یہ ہے:۔

حنوک (ادریس) بن یارد۔ بن مہلائل بن قینان بن اِنوس بن شیث بن آدم۔

یہ حضرت نُوح کا پڑدادا تھا۔ نوح بن لمک بن متوسلح بن اِدریس (یا حنوک)۔

(دیکھیے۔ پیدائش ٥/٢١۔٢٩)

آپ تحریر (خطاطی)۔ نجوم۔ حساب۔ تاریخ۔ طب اور جامہ دوزی کے مُوجد تھے۔

(شاس: ص ١٥٨)

آپ کی عمر ٣٦٥ برس تھی۔ اور یونانی آپ کو ہُرمُز یا ہرمیس کہتے تھے۔

(ایضاً: ص ١٥٩)

صحیفہٗ ادریس

آپ کو ایک صحیفہ بھی ملا تھا۔ جو حبشہ میں آج بھی موجود ہے۔ اور جس کے ایک ترجمہ (بزبانِ حبشہ) کے تین مخطوطے، انگلستان کے ایک محقق مسٹر بروس، ١٧٧٣ء میں، انگلستان لے گئے تھے۔ یہ ترجمہ چوتھی صدی عیسوی کے اواخر میں کسی یونانی صحیفے سے ہوا تھا۔ لیکن یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ یونانی صحیفہ اصل تھا۔ یا کسی عبرانی کتاب کا ترجمہ۔

(ڈاب: ص ١٧٧۔١٧٨)

صحیحین میں ہے کہ: جب حضورﷺ معراج پہ گئے۔ تو آسمانِ چہارم پر حضرت ادریسؑ سے بھی ملے تھے۔

(بحوالہٗ القر۔ ج۔ ا ص ٥٣)

قفطی [ا] کی توضیح

حضرت ادریس کا یونانی نام ارمیس، ہرمیس یا طرمیس (عطارد) تھا۔ اور عبرانی خنوخ یا اخنوخ۔ آپ کے استاد کا نام اغثاذیمون تھا۔ یہ بھی نبی تھے۔ اور ہرمسِ دوم کے نام سے مشہور۔ اور حضرت ادریس اورہرمسِ سوم کہلاتے تھے۔

اورین کے معنی ہیں: نیک بخت

علماء کے ایک گروہ کا خیال یہ ہے کہ ادریس بابل [۲] میں پیدا ہوئے تھے۔ اور وہیں بڑے ہوئے۔ آپ کو اپنے ایک جدِ امجد شیث بن آدم کا علم دیا گیا تھا۔

علامہ شہرستانی (۱۱۷۳ء) فرماتے ہیں۔ کہ شیث ہی اغثاذیمون تھا۔ جب حضرت ادریس عمرِ نبوت کو پہنچے۔ تو اللہ نے آپ کو آدم وشیث کی شریعت الہاماً عطا کی۔ لیکن قوم نہ مانی اور آپ بابل کو چھوڑ کر مصر میں نیل کے کنارے جا آباد ہوئے۔ آپ کے ساتھ آپ کے کچھ پیرو بھی تھے۔ آپ کی وجہ سے وہ مقام یا وادی بابلیون کے نام سے معروف ہوگئی۔ آپ کے پیرووں نے جگہ جگہ بستیاں آباد کر لیں۔ جن کی تعداد ۱۸۸ تھی۔

آپ نہ صرف حکمت کے موجد تھے۔ بلکہ یہ چیز آپ کو وحیاً سکھائی گئی تھی۔ جب آپ کے پیرو دور دراز علاقوں میں پھیل گئے۔ تو آپ نے نظم ونسق کی خاطر ان پر چند بادشاہ مقرر کیے۔ ان میں سے چار کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ ایلاؤس

۲۔ زُوس

۳۔ اِسقلبیُوس۔ اور

۴۔ زوس امون یا ایلاؤس امون یا بسیلوخس (حکمائے عالم: ص ۱۸)

ادریسؑ کا حلیہ

اونچا قد۔ حسین چہرہ۔ کشادہ جبیں۔ گھنی ڈاڑھی۔ فراخ کندھے۔ چوڑا سینہ۔ سیاہ اور روشن آنکھیں۔ رفتار وگفتار میں متانت۔ ہر وقت سوچ میں محو۔ اور دورانِ کلام انگشت شہادت کو ہلاتے رہتے تھے۔ آپ کی خاتم پر یہ الفاظ کندہ تھے:۔

[ا] قِفطی: جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف بن ابراہیم بن عبدالواحد الشیبانی القفطی (۵۶۸ھ-۶۴۶ھ) صعید مصر کے ایک شہر قفط میں پیدا ہوا تھا۔ مورخ۔ فلسفی اور سیاست دان۔ یاقوت حموی نے معجم الادباء (ج: ۵ ص ۴۸۴) میں اس کی چودہ تصانیف کے نام دیے ہیں۔ ان میں سے مشہور ترین تاریخ الحکماء ہے جس کا اردو ترجمہ حکمائے عالم کے عنوان سے میں نے کیا تھا۔ نیز تاریخ الیمن، تاریخ السلجوقیہ وغیرہ۔

[۲] سُریانی زبان میں نہر کو بابل کہتے ہیں چونکہ بابل دو نہروں یعنی دجلہ وفرات میں گھرا ہوا تھا۔ اس لیے بابل کے نام سے مشہور ہوگیا۔

''کامرانی ایمان وصبر کا نتیجہ ہے۔''

آپ کے کمر بند پہ مرقوم تھا:۔

''مذہبی زندگی کی تکمیل جواں مردی کی انتہا ہے۔''

ایک اور کمر بند پہ لکھا تھا:۔

''اللہ کے ہاں سب سے بڑی سفارش نیک اعمال ہیں۔''

اقوالِ ادریسؑ

۱۔ اللہ کا شکر یہ ادا کرنا سہل ہے۔اور لوگوں کا مشکل۔

۲۔ جھوٹے کو قسم نہ دو۔ورنہ اس کے گناہ میں برابر کے شریک سمجھے جاؤ گے۔

۳۔ علم وحکمت سے دل زندہ ہوتے ہیں۔ ۴۔ قناعت کو چھوڑنے والا کبھی دولت مند نہیں بن سکتا۔

ادریسؑ طوفانِ نوح سے پہلے گزرے تھے۔ابو معشر بلخی (۳۰۰ھ کے قریب زندہ) لکھتا ہے۔کہ طوفانِ نوح کی خبر ادریسؑ ہی نے دی تھی۔اور عبادت گاہیں بھی آپ ہی نے بنوائی تھیں۔آپ نے ایسے نقاش خانے تعمیر کرائے تھے۔جن میں تمام صنعتوں کی تشریح تصاویر سے کی گئی تھی تا کہ طوفان سے مٹ نہ جائیں۔آپ کی عمر بیاسی سال تھی۔

مآخذ:۔ ۱۔حکمائے عالم۔ص ۱۸۔۲۵، ۲۔لقر۔ج۔ا ص ۵۳، ۳۔ڈاس۔ص ۱۹۲، ۴۔شاس۔ص ۱۵۸، ۵۔قرآن حکیم، ۶۔بائبل،

۲۰۔اُدنیٰ الارض

سورۂ روم کی ابتدائی آیات میں قیصر وکسریٰ کی ایک جنگ کا ذکر ہے۔جو کئی سال تک جاری رہی۔اور ۶۱۵ء یا ۶۱۷ء میں روم کی شکست پہ ختم ہوئی۔یہ جنگ ''ادنی الارض'' میں ہوئی تھی۔

ادنی کے معنی ہیں:''قریب ترین''

اورارض کے معنی ہیں:''زمین''

صاحب کمالین اس کی تشریح یوں کرتے ہیں:

اَلْمُرَادُ بِالْاَرْضِ اَرْضِ الرُّوْمِ وَ قَرَّبَهٗ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی عُدُوِّهِمْ فَارِسٍ وَالْمُرَادُ بِهٖ جَزِیْرَةُ ابْنِ عُمَرِ وَ قِیْلَ الْمُرَادُ قَرَّبَهٗ بِالنِّسْبَةِ اِلٰی اَرْضِ الْعَرَبِ بَیْنَ اَذْرَعَاتٍ وَّ بُصْرٰی۔

(حاشیہ جلالین ص ۳۳۹)

(''ارض'' سے مراد ارض روم ہے۔اور ''ادنیٰ'' سے مراد وہ علاقہ ہے۔جو ایران کے قریب تھا۔یعنی جزیرہ ابن عمر۔ایک اور رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ علاقہ ہے۔جو عرب کے قریب تھا۔مثلاً:۔اذرعات (شام کا ایک شہر) اور بُصریٰ (شام) کا درمیانی خطہ)

جزیرۂ ابن عمر موصل کے جنوب میں دجلہ وفرات کے درمیانی دوآبے کا نام ہے۔

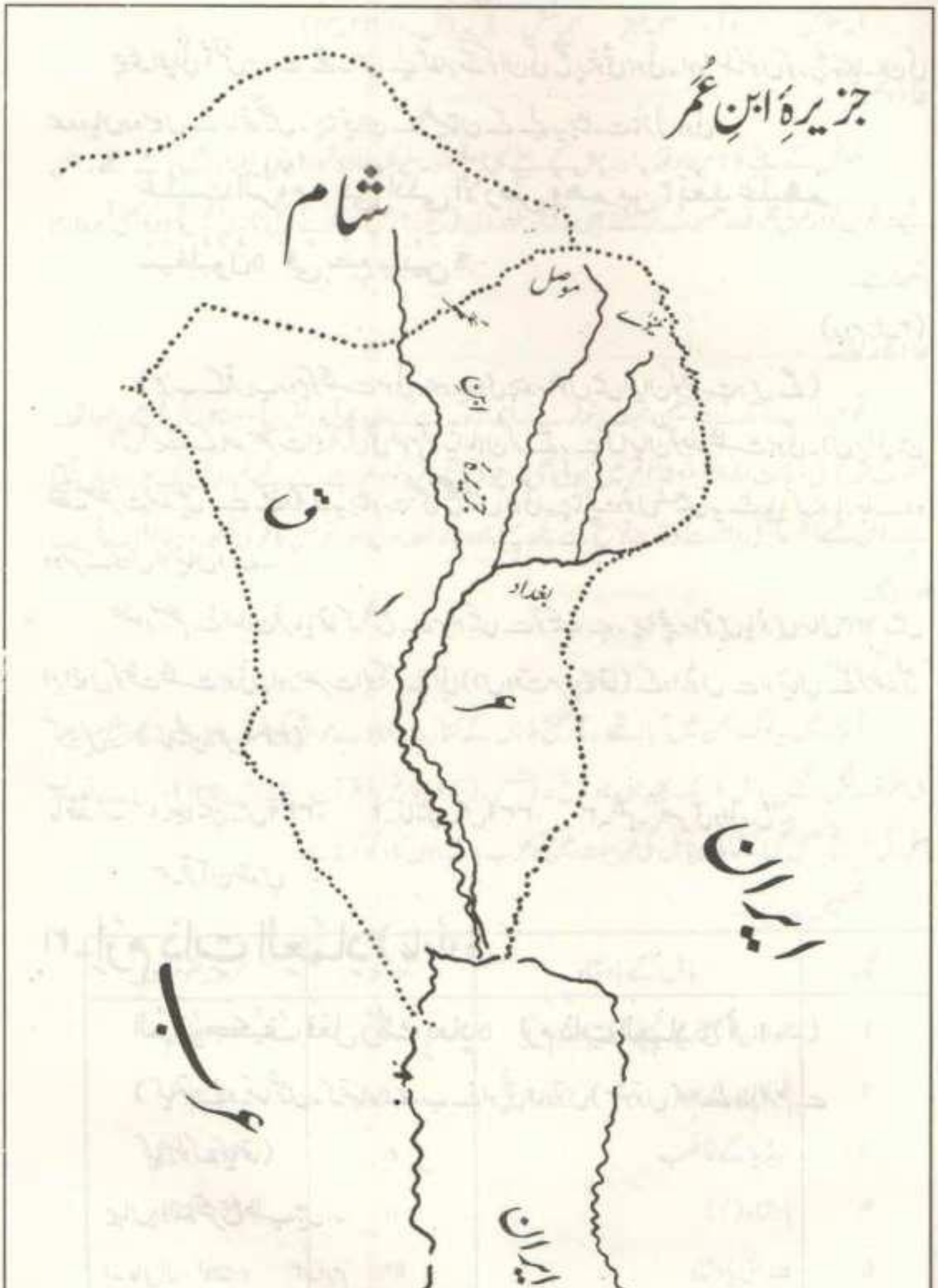
جزیرۂ ابنِ عُمر
شام
موصل
بغداد
ایران
ایران
خلیج

چونکہ ایرانی آتش پرست تھے۔اس لیے کفارِ مکّہ کو ان کی فتح پر خوشی ہوئی۔اور مسلمانوں کو رنج پہنچا۔ان کی ہمدردیاں رومیوں کے ساتھ تھیں۔چنانچہ ان کے اطمینان کے لیے یہ بشارت نازل ہوئی:۔

غُلِبَتِ الرُّوْمُ ۝ فِیْٓ اَدْنَی الْاَرْضِ وَھُمْ مِّنْۢ بَعْدِ غَلَبِھِمْ سَیَغْلِبُوْنَ ۝ فِیْ بِضْعِ سِنِیْنَ ۝

(روم:۲۔۳)

(عرب کے قریب روم کو شکست ہوئی۔اور یہ رومی چند سالوں میں ایران کو شکست دیں گے)

اس آیت کے بعد حضرت ابوبکرؓ گلی گلی گھوم کر یہ اعلان کرتے رہے کہ ایران کو جلد شکست ہوگی۔اس پر اُبی بن خلف حضرت صدیقؓ سے کہنے لگا کہ یہ بشارت کبھی صحیح نہیں ہوگی۔چنانچہ دونوں[1] میں یہ طے پایا کہ جو ہار جائے وہ دوسرے کو دس اونٹنیاں دے۔

حضور صلعم نے اعلان فرمایا تھا کہ بضع سے مراد تین سے نو تک ہے۔چنانچہ ساتویں یا نویں سال ۶۲۴ء میں ایرانیوں کو سخت شکست ہوئی۔اور حضرت ابوبکرؓ نے اُبی (اس وقت مر چکا تھا) کے وارثوں سے اونٹنیاں لے کر صدقہ کر دیں۔ (کمالین:ص ۳۳۹)

مآخذ:۔ ا۔جلالین۔ص ۳۳۹، ۲۔کمالین۔ص ۳۳۹، ۳۔معجم۔''بُصریٰ واذرع''، ۴۔قرآن مقدس

۲۱۔اِرَمِ ذاتِ العِمادِ (عادِ اُولیٰ)

اَلَمْ تَرَ کَیْفَ فَعَلَ رَبُّکَ بِعَادٍ ۝ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ۝ (فجر:۶۔۷)

(کیا تم نے دیکھا نہیں۔کہ تمہارے رب نے اونچی عمارتوں (ستونوں) والے عادِ اِرم سے کیا سلوک کیا تھا)

یہاں دو لفظ تشریح طلب ہیں:۔

ا۔عاد اور ۲۔اِرم

اِرَم

سام کا بیٹا اور حضرت نوح کا پوتا تھا۔اس کے چار بیٹے تھے:۔

---

[1] یہ شرط حُرمتِ قمار سے پہلے کی ہے۔

۱۔عُوْض ۲۔حُول ۳۔جیثر ۴۔مَش (پیدائش۔۱۰/۲۳۔۲۴)

عادوثمود

عُوض کے بیٹے کا نام عاد تھا۔اور جیثر کے بیٹے کا نام ثمود۔ چونکہ عادوثمود دونوں ارم کے پوتے تھے۔اس لیے دونوں کوارم کی طرف منسوب کر سکتے ہیں۔ابن خلدون (ج۔۲،ص ۷) نے اپنی تاریخ میں ثمود کو بھی ثمود ارم لکھا ہے۔

عادکازمانہ

قوم عاد کے زمانے کی تعیین بہت دشوار ہے۔اندازہ یہ ہے کہ اس کا ظہور تقریباً ۲۵۰۰ سال قم میں ہوا تھا۔ حضرت نوحؑ کی وفات اندازاً ۳۵۰۰ قم میں ہوئی تھی۔ چونکہ ایک فرد کو قوم بننے کے لیے کم از کم ایک ہزار سال لگتا ہے۔اس لیے اگر عاد کی ولادت وفات نوح سے کچھ پہلے اور کچھ بعد ہوئی ہو۔تو اس کا قومی ظہور ۲۵۰۰ قم کے قریب ہوا ہوگا۔

مساکن عاد

آغاز میں یہ لوگ یمن میں آباد تھے۔پھر خلیج فارس کے کنارے کنارے عراق کی طرف بڑھے۔پھر شام و مصر کی طرف نکل گئے۔ بابل کا ایک کلدانی مؤرخ بُروشس (بحوالۂ ارض القرآن: ج۔ا ص ۱۳۵) جس نے قدیم بابل کی تاریخ لکھی تھی۔شاہان بابل کی فہرست میں نوعرب بادشاہوں کا ذکر کرتا ہے۔

تفصیل یہ ہے:۔

شمار	بابل کے بادشاہ	تعداد	عرصۂ حکومت
۱	طوفان نوح سے پہلے کے بادشاہ	۱۰	نامعلوم
۲	طوفان کے بعد	۸۶ ۔	نامعلوم
۳	میڈیا کے غاصب	۸	۲۲۴ سال
۴	بادشاہ (؟)	۱۱	۲۴۸ سال
۵	کلدانی بادشاہ	۴۹	۴۵۸ سال
۶	عرب (غالباً عاد)	۹	۲۲۵ سال

آر۔ڈبلیو۔ارجرس نے بیسویں صدی کے آغاز میں؛ شوروبابل کی تاریخ لکھی تھی۔اس میں اس نے سموآبی سے لے کر سُموستانا تک گیارہ بادشاہوں کا ذکر کیا ہے۔جنہیں وہ سامی النسل (شاید عاد) قرار دیتا ہے۔ (ارض

القرآن: ج۔ اص ۱۴۲)۔ ان میں مشہور اور اہم ترین حمورابی تھا۔ یہ حضرت ابراہیمؑ کا ہم عصر تھا۔ تورات کا اموارفیل دراصل حمورابی ہی تھا۔ یہ بہت بڑا مقنن تھا۔ اس کے قوانین بابل کے ایک مینار پہ کندہ تھے۔ اور یہ اتنے عمدہ تھے۔ کہ بعض محققین، تورات کے دس احکام کو انہی کا عکس یا چربہ سمجھنے لگے۔

راجرس کے مطابق شاہان بابل کی ایک فہرست یہ ہے:۔

شمار	بادشاہ	مدت حکومت	از	تا
۱	سموآبی	۱۵ سال	۲۴۵۴	۲۴۴۰ قم
۲	سمولیلو	۳۵ سال	۲۴۴۰	۲۴۰۵ قم
۳	ذابو	۱۴ سال	۲۴۰۵	۲۳۹۱ قم
۴	اپلِسن	۱۸ سال	۲۳۹۱	۲۳۷۳ قم
۵	سِن مبلیط	۳۰ سال	۲۳۷۳	۲۳۴۳ قم
۶	حمورابی	۵۵ سال	۲۳۴۳	۲۲۸۸ قم
۷	سموالونا	۵۳ سال	۲۲۸۸	۲۲۳۵ قم
۸	ابی۔شوع	۸ سال	۲۲۳۵	۲۲۲۷ قم
۹	عمی۔ستانا	۲۴ سال	۲۲۲۷	۲۲۰۳ قم
۱۰	عمی۔صادقا	۲۱ سال	۲۲۰۳	۲۱۸۲ قم
۱۱	سمو۔ستانا	۳۱ سال	۲۱۸۲	۲۱۵۱ قم

(ارض القرآن: ج۔ اص ۱۴۳)

جب حضرت موسیٰؑ اسرائیل کے ساتھ طور کے قریب ایک مقام رفیڈیم میں پہنچے۔ تو عمالقہ نے ان پر حملہ کر دیا۔ لیکن شکست کھائی۔ بعد میں انہوں نے کنعانیوں کے ساتھ مل کر دوبارہ حملہ کیا۔ (گنتی: ۱۴/ ۴۵) اور فتح حاصل کی۔ یہ ایک دفعہ حضرت داؤدؑ (۱۷۔ ایا ۹۶۰ قم) سے بھی الجھ پڑے تھے اور ایسے پٹے کہ پھر نہ اٹھ سکے۔

(سیموئیل: ۲۷/ ۳۰)

یہ قبائل (عمالقہ) عملیق بن لوز بن سام بن نوح کی اولاد تھے۔ لوذ ارم کا بھائی اور عاد کے باپ عوض کا چچا تھا۔ دونوں سام کی پشت سے تھے۔ یہ خلیج فارس کے ساحل سے اٹھ کر صحرائے سینا میں گئے تھے۔ ممکن ہے کہ یہ پہلے عاد ہی کہلاتے ہوں۔ اور صحرائے سینا میں پہنچ کر ان کا نام بدل گیا ہو۔

ابن خلدون لکھتا ہے۔ (بحوالۂ ارض القرآن: ج۔ا ص ۱۴۷) کہ کسی وقت مصر کے ایک فرعون نے عمالقہ سے فوجی امداد مانگی تھی۔ وہ آئے اور مصر پہ قابض ہو گئے۔

ابن قُتیبہ کہتے ہیں:۔

فَمِنْهُمُ الْعَمَالِيقَ اُمَمٌ تَفَرَّقُوا فِى الْبُلْدَانِ وَ مِنْهُمْ فَرَاعِنَةُ مِصْرَ۔ (کتاب المعارف: ص ۱۰)

(ان قبائل میں عمالیق بھی تھے۔ یہ لوگ مختلف ممالک میں پھیل گئے تھے۔ اور مصر کے فراعین بھی انہی میں سے تھے)

ابن خلدون عاد و عمالقہ کا اس طرح ذکر کرتا ہے۔ گویا دونوں کا باہم اتحاد تھا۔ اور دونوں مل کر بابل اور مصر پہ حملہ آور ہوئے تھے۔

اِنَّ قَوْمِ عَادٍ وَ الْعَمَالِقَهُ مَلِكُوا الْعَرَاقِ۔

(بحوالۂ ارض القرآن: ج۔ا ص ۱۳۳)

(عاد اور عمالقہ عراق کے مالک ہو گئے تھے)

مانی تُھو اسکندریہ کا ایک مؤرخ ہے۔ جس نے ۲۶۰ ق م میں مصر کی ایک تاریخ لکھی تھی۔ اس میں وہ لکھتا ہے کہ مصر کے بادشاہ طیماؤس کے زمانے میں مشرق کی طرف سے چند شریر لوگ مصر میں گھس آئے اور انہوں نے ہمارے ملک پہ قبضہ کر لیا۔ ان کے چند بادشاہوں کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ سلاطیس۔ عرصۂ حکومت ۳۰ سال
۲۔ بیؤن۔ عرصۂ حکومت ۴۴ سال
۳۔ ابوفیس۔ عرصۂ حکومت ۳۶ سال
۴۔ اسیس نے ۴۹ سال حکومت کی

یہ عرب تھے۔ جو ۱۵۱ برس تک مصر پہ قابض رہے۔ (ارض: ج۔ا ص ۱۴۹)

بعض روایات عرب میں پہلے فاتح مصر کا نام شدّاد ملتا ہے۔ جو یمن سے مصر میں گیا تھا۔ سلاطیس اور شدّاد ہم معنی الفاظ ہیں۔ اس لیے ممکن ہے کہ سلاطیس ہی شدّاد ہو۔

مؤرخ یعقوبی لکھتا ہے:

ثُمَّ مَلَكِ بَعْدَهُ مَلَكِ آخَرِ مِنَ الْعَمَالِقَةِ يُقَالُ لَهُ الرَّيَّانُ بْنُ الْوَلِيْدَ وَ هُوَ فِرْعَوْنُ يُوْسُفَ ...... ثُمَّ مَلَكِ فِرْعَوْنُ مُوْسٰى۔

(ایضاً: ص ۱۵۳)

(اس کے بعد عمالقہ کا ایک اور بادشاہ تخت نشین ہوا۔ جس کا نام ریان بن ولید تھا اور یہ تھا

یوسفؑ کا فرعون.........اور پھر فرعون موسیٰ کا زمانہ آیا)

جارج رالنسن، جو اوکسفرڈ میں تاریخ کا پروفیسر تھا اور مصر کی تاریخ قدیم کا مصنف۔ لکھتا ہے:۔

''مصر پانچ سلطنتوں مین بٹ کر کمزور ہوگیا تھا۔ اس لیے ایک طاقتور دشمن ۲۰۸۰ق م میں شمال مشرق کی طرف سے آیا اور مصر پہ چھا گیا...... یہ حملہ آور چرواہے تھے۔ جو شام یا عرب کے صحرانورد تھے۔'' (ایضاً:ص ۱۵۶)

مصر کے ایک فاضل علامہ رفاعہ بیگ فہاوی نے آج سے سو سال پہلے مصر کی ایک تاریخ انوار توفیق الجلیل کے نام سے لکھی تھی۔ جو ۱۲۸۵ھ میں شائع ہوئی۔ اس میں وہ لکھتے ہیں کہ عمالقہ، عرب سامیہ اور مصر کے چرواہے بادشاہ ایک ہی تھے۔ (ایضاً۔ص ۱۵۷)

عاد اور قرآن

عاد ایک عظیم قوم تھی۔ جو یمن سے بابل اور بابل سے مصر تک چھا گئی تھی۔ کتنے ہی فرعون تھے جو عاد ارم سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ممکن ہے کہ ان میں سے بعض اہرام کے بانی بھی ہوں۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ ○ اِرَمَ ذَاتِ الْعِمَادِ ○ (فجر:۶۔۷)

(کیا تم نے دیکھا نہیں۔ کہ تمہارے رب نے اونچی عمارات والے عاد ارم سے کیا سلوک کیا تھا)

اونچی عمارات سے غالباً اہرام مراد ہیں۔

یاقوت معجم میں لکھتا ہے کہ:

''عاد کے ایک بادشاہ شدّاد نے صنعاء اور حضر موت کے درمیان ایک شہر بنوایا تھا۔ جس کی عظیم عمارات میں سنگِ مرمر کے بے شمار ستون، چشمے اور باغ تھے۔ اس کا نام ارم تھا۔ جب یہ شہر تیار ہو چکا۔ تو شدّاد اپنے تمام امراء و وزراء کے ساتھ اسے دیکھنے کے لیے گیا۔ ناگہاں گھٹا چھا گئی۔ اور بادل اس زور سے کڑکا۔ کہ سب ہلاک ہوگئے۔''

(معجم: ج۔۱۔ ارم)

سیّد سلیمان اس روایت کو فرضی قرار دیتے ہیں۔ (ارض: ج۔ا ص ۱۶۵)

مساکن عاد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ط اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ. (احقاف:۲۱)

(عاد کے بھائی (ہودؑ) کا ذکر چھیڑو۔ جس نے قوم کو ریگستان میں ڈرایا تھا)

اس ریگستان سے عموماً وہ صحرا مراد لیا جاتا ہے۔ جو عمان۔ نجد۔ حضرموت اور نجران کے درمیان واقع ہے۔

آیۂ ذیل سے پتہ چلتا ہے۔ کہ عاد کا زمانہ قوم نوح کے معاً بعد تھا:۔

وَاذْكُرُوٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ۔ (اعراف:۶۹)

(یاد کرو۔ کہ اللہ نے قوم نوح کی تباہی کے بعد تمہیں ان کا جانشین بنا دیا تھا)

عادِ اولیٰ

ہمارے مؤرخین نے عاد کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ عادِ اولیٰ۔ جس کا زمانہ اندازاً ۲۵۰۰ سے ۱۵۰۰ ق م تک تھا۔ اس کے بعد ثمود کا دور آیا۔ جو حضرت مسیح سے چھ سو یا سات سو سال پہلے ختم ہوا تھا۔ (شاس: ص ۵۹۲)

ثمود کو عاد ثانیہ بھی کہتے ہیں۔ یہ اندازے یقینی نہیں۔ بلکہ محض قیاسی ہیں۔ جو ضعیف سے تاریخی شواہد کی بناء پر قائم کیے گئے ہیں۔ عاد کی یہ تقسیم (اولیٰ و ثانیہ) قرآن میں بھی ملتی ہے۔

وَاَنَّهٗٓ اَهْلَكَ عَادَانِ الْاُوْلٰى ۙ وَثَمُوْدَا۟ فَمَآ اَبْقٰى ۙ (نجم: ۵۰۔۵۱)

(اللہ نے عادِ اولیٰ کو تباہ کیا۔ اور ثمود کو بھی باقی نہ چھوڑا)

کچھ اور تفاصیل ۹۷۔ "ثمود" کے تحت دیکھیے۔

مآخذ:۔ ۱۔ ارض القرآن۔ ج۔ ۱، ص ۱۲۹۔۱۶۸، ۲۔ کتاب الہدیٰ۔ ص ۳۱۲۔۳۴۵،

۳۔ ابن خلدون۔ ج۔ ۲، ص ۷، ۴۔ ابن قتیبہ۔ کتاب المعارف۔ ص ۱۰،

۵۔ رفاعہ بیگ طہاوی۔ انوار توفیق الجلیل، ۶۔ معجم۔ ج۔ ۱ "ارم"،

۷۔ شاس۔ ص ۵۹۲، ۸۔ قرآن مقدس،

۲۲۔ ازواج النبی (نساء النبی)

حضور صلعم ایک تاریخی شخصیت تھے۔ آپؐ کے ہر قول و عمل کو ہزاروں راویوں نے نقل کیا ہے۔ لیکن آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کے متعلق روایات میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔ کوئی ان کی تعداد گیارہ، کوئی تیرہ، کوئی پندرہ اور کوئی زیادہ بتاتا ہے۔ آپ ﷺ کی بارہ ازواج ایسی ہیں، جن کا ذکر اکثر سیرت نگاروں نے کیا ہے۔ ان کے کوائف درج ذیل ہیں:۔

شمار	نام	بیوہ یا باکرہ یا مطلقہ	پہلا شوہر	پہلے شوہر سے اولاد	حضورؐ سے کب نکاح ہوا	اولادِ رسولؐ	وفات
۱	خدیجہ بنت خُویلد بن اسد بن عبدالعزیٰ بن قصی		۱۔ابو ہالہ ۲۔عتیق بن عائذ المخزومی	ہند اور ہالہ ہند	۵۹۵ء اس وقت خدیجہ کی عمر ۴۰ سال تھی اور حضور ﷺ کی ۲۵ سال	فاطمہ۔ زینب۔ رقیہ۔ اُمّ کلثوم۔ قاسم۔ طیّب۔ طاہر اور عبداللہ	۱۱ رمضان ۱۰ نبوی ۶۲۰ء
۲	سودہ بنتِ زمعہ بن قیس بن عبدِ شمس	بیوہ	سکران بن عمرو	عبدالرحمٰن	۱۰ نبوی	-	۵۴ھ
۳	عائشہ بنتِ ابی بکر الصدیق	باکرہ	-	-	۱۰ نبوی اور رخصت ۲ھ میں	-	۵۷ھ
۴	حفصہ بنت عمر بن خطاب	بیوہ	خُنَیس بن حذافہ السہمی	-	۲ھ	-	۴۵ھ
۵	زینب بنتِ خُزیمہ بن حرث بن عبداللہ	بیوہ	پہلے یہ طفیل بن حرث کے نکاح میں تھی۔ اس نے طلاق دے دی تو اس کے بھائی عبیدہ بن حرث سے نکاح کرلیا۔ یہ بدر میں شہید ہوگیا	-	۳ھ	-	۴ھ
۶	اُمّ سَلمہ ہند بنتِ اَبی اُمیّہ سُہیل بن مغیرہ	بیوہ	ابو سلمہ بن عبدالاسد	زینب سلمہ۔ عمر اور درّہ	۴ھ	-	۵۹ھ یا ۶۲ھ

۷	زینب بنت جَحش بن زیاب بن یَعمر۔ حضور کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی	مطلقہ اسے حضور ﷺ کے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ نے طلاق دی تھی	زید بن حارثہ	علی وامامہ	۵ھ	-	۲۰ھ
۸	جُویریہ بنتِ حارث بن اَبی ضَرار	غزوۂ بنو المصطلق میں قید ہو کر آئی تھیں	مسافع بن صفوان یا صفوان بن ملِک	-	۶ھ	-	۵۶ھ
۹	رَیحانہ بنتِ زید بن عمرو بن جنافہ	اسیر جنگ	حَکم۔ بنو قُریظہ کا ایک یہودی	-	۶ھ	-	۱۰ھ
۱۰	اُمّ حُبیبہ۔ رملہ بنتِ ابی سُفیان بن حرب	مطلقہ	عبیداللہ بن جحش یہ حبشہ کی ہجرت میں عیسائی ہو گیا تھا۔ لیکن بیوی مُسلمہ ہی رہی	حُبیبہ	۷ھ	-	۴۴ھ
۱۱	صفیہ بنت حُیی بن اَخطب	غزوۂ خیبر میں قیدی	کنانہ بن ربیع یہ غزوۂ خیبر میں قتل ہو گیا تھا	-	۷ھ	-	۳۶ھ

۱۲	میمونہ بنت حرث بُجیر	بیوہ	ابُورَہم بن عبدالعزیٰ	-	۷ھ	-	۳۶ھ یا ۳۸ھ

سیرت نگاروں نے ازواج کی دو اور اقسام کا بھی ذکر کیا ہے۔

اول: وہ جن سے حضورﷺ کا نکاح تو ہوا تھا۔لیکن وہ حرم نبوی میں آباد نہ ہو سکیں۔ان میں سے بعض کی تو رخصتی ہی نہ ہوئی۔بعض دیگر حرمِ نبوی میں تو پہنچیں۔لیکن کسی جسمانی عیب کی وجہ سے حضور صلعم نے انہیں واپس کر دیا۔ایک آدھ ایسی بھی تھی۔جو حضور صلعم کے گھر میں پہنچ کر واپس جانے کے لیے مضطرب ہوگئی اور آپﷺ نے اسے اجازت دے دی۔

اس سلسلے میں سیرت نگاروں نے بارہ عورتوں کا نام لیا ہے۔یعنی:۔

۱۔ فاطمہ بنتِ ضحاک الکلابیہ۔ ۲۔ اسماء بنت النعمان الجونیہ۔

۳۔ قُتیلہ بنت قیس۔ ۴۔ لیلیٰ بنت الخطیم۔

۵۔ سنا بنتِ سفیان۔ ۶۔ امیمہ بنت شراحیل۔

۷۔ مُلیکہ بن کعب اللیثی ۸۔ اُم شُریک الازدیہ

۹۔ شراف بنت الخلیفہ۔ ۱۰۔ خولہ بنت ہذیل۔

۱۱۔ عمرہ بنت معاویہ الکندی۔ ۱۲۔ غِفاریہ۔

دوم:۔وہ خواتین جنہیں یا تو حضورﷺ نے نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔یا انہوں نے حضورﷺ کی زوجیت میں آنے کی خواہش کی تھی۔لیکن نکاح نہ ہو سکا۔مثلاً:۔

☆ اُمّ ہانی بنتِ ابی طالب۔

☆ ضُباعہ بنتِ عامر۔

☆ صفیہ بنتِ بشامہ۔

☆ جمرہ بنتِ الحارث۔

☆ سودۃ القرشیہ۔

اس سلسلے کی بیشتر روایات غیر یقینی اور اختلافی ہیں۔

مآخذ:۔ تقاع۔ص۹۔۱۴

۲۳۔ اسحاقؑ

جب حضرت ہاجرہ کے ہاں اسماعیل کی ولادت ہوئی تو حضرت سارہ ملول سی رہنے لگی۔ اس کی عمر نوے برس کے قریب ہو چکی تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی ننانوے۔ کہ ایک دن تین فرشتے انسانی صورت میں ان کے ہاں آئے اور دو باتیں کہہ کر چلے گئے:۔

اول: کہ سارہ کے ہاں ایک فرزند پیدا ہوگا۔

دوم: کہ قوم لوط تباہ ہو جائے گی۔

دونوں پیشگوئیاں حرف بہ حرف پوری ہوئیں۔ پہلی ۹۔۱۰ ماہ بعد۔ اور دوسری دو دو چار دن کے اندر۔ حضرت اسحاق کی ولادت ۲۲۳۵ ق م میں ہوئی تھی۔ یہ حبرون میں کاشت کاری کیا کرتے تھے۔ جب ۳۷ سال کے ہوئے تو حضرت سارہ کا انتقال ہو گیا۔ اس وقت سارہ کی عمر ۱۲۷ برس تھی۔ تین برس بعد حضرت اسحاق کی ربقہ سے شادی ہو گئی۔ یہ بیتوایل ارامی کی بیٹی اور لابن کی بہن تھی۔ (پیدائش: ۲۵/۲۰)

اس کا شجرہ یہ ہے:۔

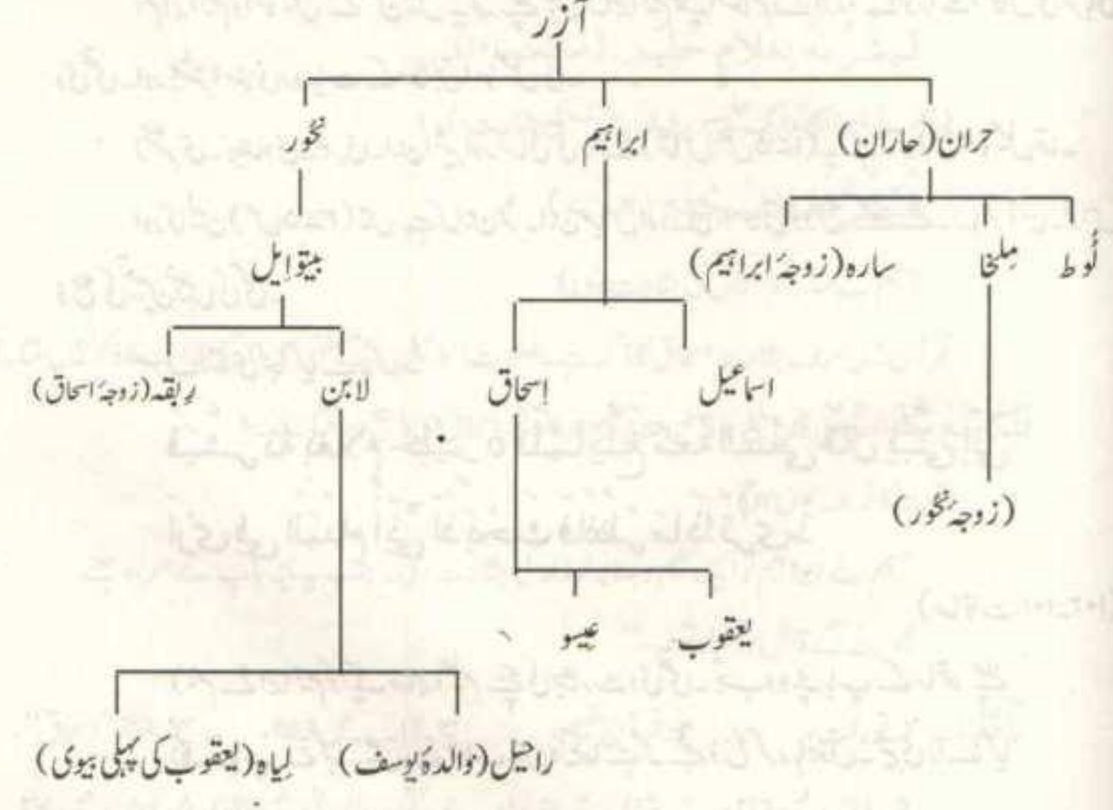

شادی کے بیسویں سال آپ کے ہاں دو تو ام بچے پیدا ہوئے۔ یعقوب اور عیسُو۔ لفظ یعقوب کے معنی ہیں: ایڑی کو پکڑنے والا۔

بائبل میں ہے۔ کہ جب یعقوب پیدا ہوئے۔ تو اس کا ایک ہاتھ اپنے بھائی عیسو کی ایڑی پر تھا۔

(پیدائش: ۲۵/ ۲۵۔۲۶)

جب یہ عمر کے پچھترویں برس کو پہنچے۔ تو حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہو گیا۔ اور دونوں بھائیوں (اسحاقؑ و اسماعیلؑ) نے انہیں مکفیلہ کے غار (حبرون) میں دفن کر دیا۔

جلد ہی ملک میں قحط پڑ گیا اور حضرت اسحاقؑ جرار (غازہ کے جنوب میں ایک ساحلی قصبہ) کو چل دیے۔ وہاں کے بادشاہ ابی ملک نے انہیں مال و دولت سے نوازا۔ وہاں سے نکل کر یہ بیئر شیبہ میں جا ٹھہرے۔ ۱۸۰ برس کی عمر میں (۲۰۷۵ ق م) ان کی وفات ہو گئی اور یعقوب و عیسو نے انہیں اپنے دادا حضرت ابراہیمؑ کے پہلو میں دفن کر دیا۔

(ڈاب: ص ۲۵۹)

ذبیح کون تھا؟

ہم ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کے ضمن میں یہ کہہ چکے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام نے ازروئے تورات اسحاق کی قربانی دی تھی۔ اور بیشتر اسلامی روایات کے مطابق اسماعیل کی۔

زمخشری۔ بیضاوی۔ طبری۔ ابن اثیر اور کسائی کی رائے (شاس: ص ۱۷۵) یہ ہے۔ کہ ذبیح اسماعیل تھا۔

اور کمالین (ص ۳۷۵) میں ہے کہ ابن عمرؓ۔ ابن عباسؓ اور حسنؓ، اسحاق کو ذبیح سمجھتے تھے۔ رہا قرآن۔ تو اس ذبیح کی تعیین نہیں کی گئی۔

صرف اتنا ہی کہا گیا ہے۔ کہ:۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ○ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ط

(صافات: ۱۰۱۔۱۰۲)

(ہم نے ابراہیم کو ایک صابر و حلیم بچے کی بشارت دی تھی۔ جب وہ بچہ باپ کے ساتھ چلنے لگا۔ تو باپ نے کہا۔ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ تیری رائے کیا ہے؟)

سوال یہ ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو کس بچے کی بشارت دی گئی تھی۔ قرآن واضح طور پر حضرت اسحاق کا نام لیتا ہے۔

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ۔ (ہود:۷۱)

(ہم نے زوجۂ ابراہیمؑ کو اسحاق کی بشارت دی)

اور یہ بشارت دینے والے وہ فرشتے تھے۔ جو پہلے ابراہیم علیہ السلام کے ہاں گئے تھے اور بعد میں حضرت لوطؑ کے پاس۔

تورات میں حضرت اسماعیل کے متعلق بھی ایک جزوی سی بشارت ملتی ہے۔ کہ جب حضرت ہاجرہ حاملہ ہو گئی۔ اور حضرت سارہ نے اسے گھر سے نکال دیا۔ تو وہ بیاباں میں بھٹکنے لگی۔ اس وقت ایک فرشتے نے اسے کہا۔ کہ تو حاملہ ہے۔ تیرے بیٹا ہوگا۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ (پیدائش:۱۶/۱۱۔۱۲)

لیکن دونوں بشارتوں میں بڑا فرق ہے۔ حضرت اسحٰق کی ولادت معجزانہ تھی۔ اور اس کی بشارت ایسے والدین کو دی گئی تھی۔ جن میں سے ماں نوے سال کی بانجھ بڑھیا تھی اور والد سو برس کے بوڑھے۔

دوسری طرف حضرت ہاجرہ حاملہ تھی۔ اسے فرشتے نے صرف اتنا ہی بتایا تھا کہ تیرے بطن سے دختر نہیں بلکہ فرزند پیدا ہوگا۔ اس کا نام اسماعیل رکھنا۔ پھر یہ جزوی بشارت بیاباں میں صرف حضرت ہاجرہ کو دی گئی تھی۔ اور حضرت اسحاق کی بشارت دونوں کو۔

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ۔ (صافات:۱۰۱)

(ہم نے ابراہیم کو ایک حلیم و بردبار بیٹے[۱] کی بشارت دی)

فَبَشَّرْنٰهَا بِاِسْحٰقَ۔ (ہود:۷۱)

(ہم نے سارہ کو اسحاق کی بشارت دی)

قرآن میں صرف بشارت اسحاق کا ذکر ہے۔ حضرت اسماعیل کے متعلق کسی واضح بشارت کا ذکر نہیں ملتا۔ اگر فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ میں بَلَغَ کا فاعل غلام حلیم ہو۔ تو پھر اسحاق ہی ذبیح ہوسکتا ہے۔

آیت کا ترجمہ یوں ہوگا:

''ہم نے ابراہیم کو ایک حلیم و صابر فرزند کی بشارت دی۔ جب یہ بچہ باپ کے ہمراہ چلنے پھرنے کے قابل ہوگیا۔ تو......''

مآخذ:۔ ۱۔تورات، ۲۔قرآن حکیم، ۳۔ڈاب۔ص۲۵۹، ۴۔پیپلز''اسحاق''، ۵۔ڈاس۔ص۲۱۶، ۶۔شاس۔ص۱۷۵، ۷۔کتاب الہدیٰ۔ص۴۹۲، ۸۔اعلام۔ص۳۷

---

۱ مفسرین کی ایک بہت بڑی تعداد کی رائے یہ ہے کہ ''غلامِ حلیم'' سے مراد حضرت اسماعیل تھے۔

۲۴۔اسرائیل

اسرائیل کے لفظی معنی ہیں: ''خدا کا سپاہی اور پہلوان''

بات یوں ہوئی کہ جب حضرت یعقوبؑ اپنے ماموں اور خسر لابن سے رخصت ہو کر کنعان کی طرف روانہ ہوئے تو راہ میں ایک منزل پر ایک فرشتہ ان کے خیمے میں گھس آیا۔ اور صبح تک ان سے کشتی کرتا رہا۔ لیکن غالب نہ آ سکا۔ صبح کے وقت ''فرشتے نے پوچھا۔ کہ آپ کا نام کیا ہے۔ آپ نے جواب دیا۔ کہ یعقوب۔ کہا کہ اب سے آپ کا نام اسرائیل ہوگا۔ کیونکہ تو نے خدا اور آدمیوں کے ساتھ زور آزمائی کی اور غالب رہا۔'' (پیدائش: ۲۸/۳۳)

یہ بعد میں اسرائیل کے بارہ قبائل کا قومی نام بن گیا۔ اور اس سلطنت کا بھی۔ جو شمالی فلسطین میں (باستثنائے یہوداہ) قائم ہوئی تھی۔

سلطنتِ اسرائیل

حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک فرزند یہوداہ کی سلطنت بحیرۂ مردار اور بحیرۂ روم کے درمیان تھی۔ اور باقی دس قبائل کی شمالی فلسطین میں۔

جب حضرت سلیمانؑ (۹۳۵ یا ۹۷۵ ق م) کے ایام رحلت قریب آئے۔ تو آپ نے اپنے دور کے ایک پیغمبر اخی لجاہ کو بلایا۔ اور کہا کہ قبائل اسرائیل کو باہمی تصادم سے بچانے کے لیے سلطنت کو تقسیم کر دیجئے۔

اس نے یہوداہ کو جنوبی صوبے دے دیے۔ اور باقی دس، یعنی:۔

۱۔روبن ۲۔شمعون ۳۔نفتالی ۴۔زبلوں ۵۔اشکار

۶۔دان ۷۔جد ۸۔اشر ۹۔ابنائے یوسف (افرائیم و منسی) ۱۰۔بن یامین کو شمالی۔

رہے بنو لادی تو ان کا کام درس و تبلیغ تھا اور انہیں سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

اسرائیل کی سلطنت بیروت سے یوروشلم کے شمال تک تھی۔ اور نیچے بئیر شیبہ تک یہوداہ کی۔

اسرائیل کی آبادی چالیس لاکھ کے قریب تھی۔ (ڈاب: ص ۲۶۴)

آغاز میں اس کا دار الحکومت شچم (اس کا موجودہ نام نابلس) تھا۔ پھر طرزہ (نابلس کے شمال میں ایک سرسبز قصبہ) قرار پایا۔ اور عمری (۸۹۷ ق م) نے سماریہ کو منتخب کیا۔ یہ سلطنت ۲ ۹۷۵ ق م سے ۷۲۱ ق م تک (۲۵۴ سال) زندہ رہی۔ (ڈاب: ۲۶۴)

سلاطین اسرائیل کی تعداد تیس تھی۔ اور یہوادہ کی انتالیس۔

کمپینین (ص ۱۸۳) نے اسرائیل کے انیس اور یہوداہ کے بیس بادشاہوں کے نام دیے ہیں۔ ساتھ سنین جلوس و وفات کا ذکر بھی کیا ہے۔ لیکن یہ تاریخیں یقینی نہیں ہیں۔ صرف اتنا ہی کہہ سکتے ہیں۔ کہ قریب الصحت ہیں۔

---

۱ سلیمان کے زمانے میں ایک پیغمبر جس کا ذکر ۱۔سلاطین ۳۱-۳۹/۱۱۱ اور ۶-۱۶/۱۴ میں آیا ہے۔ (ڈاب: ص ۲۴)

۲ یا ۹۵۳ سے ۶۹۹ تک۔ (کمپینین: ۱۸۳)

سلاطینِ اسرائیل

(ان جداول میں کمپینین (ص ۱۸۳) کی تواریخ دی گئی ہیں)

انگریزی خط میں	نام	سال	شمار
JERO BOAM	جیروبام	۹۷۵ یا ۹۵۳ ق م	۱
NADAB	نداب	۹۲۷ ق م	۲
BAASHA	باشا	۹۲۵ ق م	۳
ELAH	ایلہ	۹۰۱ ق م	۴
ZIMRI	زمری	۸۹۹ ق م	۵
OMRI	عمری	۹۸۷ ق م	۶
AHAB	احاب	۸۷۵ ق م	۷
AHAZIA	احازیہ	۸۵۳ ق م	۸
JEHO RAM	جہورام	۸۵۱ ق م	۹
JEHU	جیہو	۸۴۳ ق م	۱۰
JEHO HAZ	جیہوحاز	ـ ق م	۱۱
JEHOASH	جہوش	۷۹۹ ق م	۱۲
JEROBOAM.II	جیروبام۔دوم	۷۹۰ ق م	۱۳
ZECHARIAH	زکریا	۷۴۹ ق م	۱۴
SHALLUM	شَلُوم	۷۴۸ ق م	۱۵
MENAHEM	مناہیم	۷۴۸ ق م	۱۶
PEKAHIAH	پیکاحیہ	۷۳۷ ق م	۱۷
PEKAH	پیکاہ	۷۳۵ ق م	۱۸
HOSHEA	ہوشیہ	۷۳۳ ق م	۱۹

اس سلسلے کا خاتمہ ۷۲۱ ق م میں ہوا۔

(کمپینین ۔ص ۱۸۳)

سلاطینِ یہوداہ

جس کے ۳۹ بادشاہوں نے ۹۷۵ قم سے ۵۸۷ قم تک حکومت کی۔

نام بادشاہ		سال	شمار
REHO BOAM	رحوبم	۹۷۵ قم	۱
ABI JAM	ابی جم	۹۵۷ قم	۲
ASA	آسا	۹۵۵ قم	۳
JEHOSHAPHAT	جہوش فط	۹۱۴ قم	۴
JORAM	جورام	۸۹۳ قم	۵
AHAZIAH	احاذیہ	۸۸۵ قم	۶
ATHALIAH	اثالیہ	۸۸۴ قم	۷
JOASH	جوش	۸۷۸ قم	۸
AMAZIAH	امازیہ	۸۴۱ قم	۹
AZARIAH	ازاریہ	۸۱۱ قم	۱۰
JOTHAM	جوتھم	۷۵۸ قم	۱۱
AHAZ	احاز	۷۴۲ قم	۱۲
HAZEKIAH	حزقیاہ	۷۲۶ قم	۱۳
DO	ایضاً	۷۲۱ قم	۱۴
MANASSEH	منسّیہ	۶۹۷ قم	۱۵
AMON	امون	۶۴۲ قم	۱۶
JOSIAH	جوسیاہ	۶۴۰ قم	۱۷

JEHOAHAZ	جیہوحاز	۶۰۹ قم	۱۸
JEHOIACHIN	جیہوچن	۵۹۸ قم	۱۹
ZEDEKIAH	زدیکیاہ	۵۹۸ قم	۲۰

۵۸۷ قم میں بابل کا بادشاہ بخت نصر یوروشلم پہ قابض ہوگیا اور یہ سلطنت ختم ہوگئی۔

قرآن میں بنو اسرائیل کا ذکر تو بار بار آیا ہے۔لیکن اسرائیل کا ذکر صرف ایک بار ہوا ہے:۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسۡرَآئِيۡلُ عَلٰى نَفۡسِهٖ. (عمران:۹۳)

(بنو اسرائیل کے لیے تمام کھانے حلال تھے۔سوائے ان اشیاء کے جو اسرائیل (یعقوب) نے خود اپنے آپ پہ حرام کر لی تھیں)

عام مفسّرین کا خیال یہ ہے کہ حضرت یعقوب عرق النساء (ٹانگ کا درد) میں مبتلا ہو گئے تھے۔اور آپ نے تمام بادی اشیاء (مثلاً اونٹ کا گوشت۔دودھ وغیرہ) ترک کر دی تھیں۔

تورات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔مذکور ہے کہ:

ایک رات ایک فرشتہ حضرت یعقوب کے خیمے میں گھس آیا۔اور یہ دونوں زور آزمائی کرنے لگے۔یہ سلسلہ صبح تک جاری رہا۔اور فرشتہ غالب نہ آسکا۔جانے سے پہلے فرشتے نے یعقوب کی ران کو اندر کی طرف سے چھوا۔اور اس کی نس چڑھ گئی۔" (پیدائش:۳۲/۲۵)

باقی تفاصیل ۶۸۔"بنو اسرائیل"

اور ۱۹۶۔"یعقوب" کے تحت دیکھیے۔

ماخذ:۔ ۱۔قرآن مقدس، ۲۔بائبل، ۳۔ڈاب:۔ص ۲۴، ۲۶۴، ۴۔کمپینین:۔ص ۱۸۳،

۲۵۔اسماعیلؑ

آپ حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت ابراہیمؑ کے پہلے فرزند تھے۔جن کی ولادت ۲۲۴۸ قم میں ہوئی تھی۔اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر ۸۶ برس تھی۔ (پیدائش:۱۶/۱۵۔۱۶)

یہ جرون کے قریب مَمرے کے میدان میں پیدا ہوئے۔جب یہ تیرہ سال کے تھے،تو حضرت سارہ کے گھر میں اسحاق کی ولادت ہوئی۔جب اڑھائی برس کے بعد اس کا دودھ چھڑایا گیا تو حضرت ابراہیمؑ نے اپنے احباب و اقارب کو ایک پُرتکلف ضیافت پر بلایا۔تقریب کے دوران حضرت اسماعیل نے حضرت اسحاق کا تمسخر اڑایا۔جو سارہ

کو ناگوار گزرا اور اس نے حضرت ابراہیمؑ سے کہا کہ اسے اس کی ماں سمیت فوراً گھر سے نکال دو۔ حضرت ابراہیمؑ سوچ ہی رہے تھے۔ کہ خدا نے ان سے کہا:

"جو کچھ سارہ تجھ سے کہتی ہے۔ اس کی بات مان لے۔ کیوں کہ اسحاق سے تیری نسل کا نام چلے گا۔ اور اس لونڈی (ہاجرہ) کے بیٹے سے بھی میں ایک قوم پیدا کروں گا۔"

(پیدائش: ۲۱/۱۲۔۱۳)

دوسرے دن صبح سویرے حضرت ابراہیمؑ نے پانی کی ایک مشک اور روٹی ہاجرہ کو دی اور اسے رخصت کر دیا۔ سو وہ چلی گئی۔ اور بیر شیبہ[۲] کے بیابان میں آوارہ پھرنے لگی۔ جب مشک کا پانی ختم ہو گیا۔ تو اس نے بچے کو ایک جھاڑی کے نیچے ڈال دیا۔ اور خود رونے لگی۔ اس پر ایک فرشتے نے ہاجرہ کو آواز دی۔ کہ خدا اس لڑکے کو ایک بڑی قوم بنائے گا۔ آنکھیں کھول۔ اور پانی کا کنواں دیکھ۔ (پیدائش: ۲۱/۱۹۔۲۰)

جب حضرت اسماعیل بڑا ہوا۔ تو ہاجرہ نے اس کی شادی ایک مصری عورت سے کرا دی۔

(پیدائش: ۱۱/۹۔۲۱)

اسلامی تاریخ کے مطابق اس کی شادی بنو جرہم (جو کعبہ کے قریب ہی آباد تھے) کی ایک لڑکی سے ہوئی تھی۔ جسے حضرت ابراہیمؑ نے ناپسند کیا۔ اور حضرت اسماعیل نے اسے طلاق دے دی۔ دوسری شادی بھی ایک جرہمی لڑکی سے ہوئی تھی۔ جسے ابراہیمؑ نے پسند فرمایا۔

(شاس: ص ۱۷۹)

اس لڑکی سے ایک لڑکی اور بارہ بچے پیدا ہوئے۔ جن کی اولاد عرب میں ادھر ادھر پھیل گئی۔ ۱۰۵۰ ق م میں بنو اسماعیل عراق و شام تک پہنچ چکے تھے۔

مؤرخین عرب نے سکان عرب کو تین گروہوں میں بانٹ رکھا ہے:۔

اول: عرب بائدہ۔ یعنی وہ اقوام و قبائل عرب، جو مٹ چکے ہیں۔ مثلاً:

☆ عاد ☆ ثمود ☆ طسم

☆ جدیس ☆ جرہم ☆ عمالقہ وغیرہ

دوم: بنو قحطان۔ جو جنوبی عرب (یمن وغیرہ) میں آباد تھے۔ مثلاً:

☆ حمیر ☆ کہلان اور ان کی اولاد۔

قحطان نوح کی پشت سے پانچواں فرزند اور حضرت ابراہیمؑ کے پانچویں جد کا بھائی تھا۔

۱۔ اسلامی روایات کے مطابق حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ و اسماعیل کے ہمراہ مکہ کی ویران وادی تک گئے تھے۔

۲۔ شیبہ مکہ کے ایک پہاڑ کا نام بھی تھا۔ (معجم: "شیبہ")

شجرہ یہ ہے:۔

نُوح
|
سام
|
ارفخشد
|
سلخ
|
عبر

قحطان	فلج
	رعو
	سُروج
	نحور
	تارح (آزر)
	ابراہیم

سوم: وہ عرب جو اسماعیل کی اولاد تھے۔ مثلاً:

☆ معد ☆ نزار ☆ مضر

☆ ربیعہ ☆ قیس عیلان ☆ وائل

☆ تغلب ☆ بکر ☆ اسد

☆ قریش وغیرہ

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:۔ ڈاکٹر حمید اللہ کی الوثائق السیاسیہ۔

اور ڈاکٹر زُبید احمد کی ادب العرب۔

تورات میں حضرت اسماعیلؑ اور آپ کی اولاد کا ذکر بہت کم آیا ہے۔ اس میں پہلے اس کی ولادت کا ذکر ہے۔ پھر ہاجرہ کا گھر سے نکلنا۔ بعد ازاں فاران کے بیاباں میں اسماعیل کی تیر اندازی۔ پھر شادی اور آخر میں حضرت ابراہیمؑ کو دفن کرنے کا تذکرہ وبس۔

''تب ابراہیم نے دَم چھوڑ دیا...... اور اپنے لوگوں سے جاملا۔ اور اس کے بیٹوں اسحاق اور اسماعیل نے مکفیلہ کے غار میں...... اسے دفن کیا۔'' (پیدائش: ۲۵/۹۔۱۰)

حضرت اسماعیل علیہ السلام کی وفات (۲۱۱۱ق م) ۱۳۷ برس کی عمر میں ہوئی۔ اور اپنی والدہ کے ساتھ حطیم میں دفن ہوئے۔

ماخذ:۔ ۱۔تاریخ مکہ۔ص ۴۳ ۲۔شاس۔ص ۱۷۸ ۳۔کتاب الہدیٰ۔ص ۴۶۶
۴۔تورات۔(پیدائش) ۵۔قرآن شریف ۶۔ادب العرب۔ص ۱۵۔۲۰
۷۔ارض القرآن۔ج او۲ ۸۔ڈاب۔ص ۲۶۲

۲۶۔اَسمائے حُسنیٰ

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا۔ (اعراف: ۱۸۰)

(اللہ کو اس کے اچھے ناموں سے پکارا کرو)

فلسفیان یونان کا بنیادی عقیدہ یہ تھا۔ کہ اللہ صرف عقل اوّل کا خالق ہے۔ اور کائنات پر عقلِ عاشر کی حکومت ہے۔ تمام اشیائے کائنات کی خالق، رازق، مُحیی مُمیت اور دیگر سب کچھ یہی ہے۔ یہ عقیدہ زیادہ دیر تک نہ چل سکا۔

اول: اس لیے کہ فلسفیوں کی یہ آواز عوام تک نہ پہنچی اور قبولیت عامہ حاصل نہ کر سکی۔

دوم: اس لیے کہ فلسفۂ یونان کے پیرو بھی اس عقیدہ کی صحت پہ ایمان نہیں رکھتے تھے۔ ذہنی تعیش کے لیے تو یہ عقیدہ خوب تھا۔ لیکن جب کوئی شخص مرض یا مصیبت میں پھنس جاتا۔ تو اسے پورا اطمینان اللہ کو پکارنے ہی سے حاصل ہوتا تھا۔

انسان مرض۔ قرض۔ قید۔ غم اور دیگر مشکلات میں ایک ایسے اللہ کو آواز دیتا ہے۔ جو عدل۔ رحم۔ رزّاقی۔ قدرت۔ حکمت اور دیگر اوصاف سے متصف ہو۔ وہ بیمار ہو تو خدائے شافی کو پکارتا ہے۔ اور مظلومی میں خدائے رحیم وعادل کو آواز دیتا ہے۔ یہ تمام صفاتی نام اَسمائے حُسنیٰ کہلاتے ہیں۔

ان کی بڑی بڑی قسمیں دو ہیں:۔

جلالی: مثلاً۔ جبار۔ قہار۔ مُمیت وغیرہ

اور جمالی: جیسے۔ رحیم۔ کریم۔ حلیم وغیرہ

ان اسماء کی تعداد میں اختلاف ہے۔ کسی نے ان کی تعداد ۹۹، کسی نے ۱۰۰، کسی نے ۱۰۶، اور کسی نے ۱۳۶ بتائی ہے۔ لیکن متفق علیہ صرف ننانوے نام ہیں۔ چونکہ اللہ اسم ذات ہے۔ اس لیے وہ ان صفاتی ناموں میں شامل نہیں ہے۔

ہمارے علماء واولیاء نے کہا ہے۔ کہ جس قسم کی ضرورت پیش آئے۔ ویسا ہی اللہ کا نام ڈھونڈیے۔ اور اس کا ورد کیجئے۔

علم کی تلاش ہو۔ تو خدائے علیم کو،

رزق کے لیے۔ رزّاق کو،

بصیرت وحکمت کے لیے علیم وحکیم کو بلائیے۔

مجھے ایک عالم وزاہد نے حضرت امام جعفر صادق کا یہ نسخہ بتایا تھا کہ ابجد کے حساب سے کسی نام کے اعداد نکالیے۔ پھر اللہ کے ناموں میں سے ایک۔ دو۔ تین یا چار ایسے نام تلاش کیجئے۔ جن کا میزان اعداد وہی ہو۔ تو ان کا ورد بے حد مفید ہوگا۔ مثلاً:۔

اگر کسی نام کے اعداد ۱۵۶ ہوں تو **یا قیوم** (۱۵۶) کا۔

۷۸ ہوں تو **یا حکیم** کا۔

اور ۲۳۴ ہوں تو دونوں کا ورد کرے۔

میرا اور میرے بے شمار احباب کا تجربہ یہ ہے کہ یہ ورد سکونِ قلب، صحت، اور آسودگی کے لیے نہایت موثر ہے۔

مآخذ:۔ ۱۔ دماپ۔ ج ۲، ص ۱۰۷، ۲۔ قرآنِ حکیم

۲۷۔ اَصحابُ الاُخدُودِ

اُخدُود کے لفظی معنی ہیں:۔ لمبا گڑھا یا خندق۔ اس کی جمع ہے اخادید۔

کہتے ہیں کہ یمن کا ایک حمیری بادشاہ ذُونُواس یہودی بن گیا۔ اس کے خلاف حبشہ کے عیسائی بادشاہ نجاشی نے سازش شروع کردی۔ جس میں نجران[1] کے عیسائی بھی شامل ہو گئے۔ اس پر ذُونواس نے نجران پہ حملہ کر دیا۔ اور وہاں کے باشندوں کو یہودیت یا موت میں سے ایک کا اختیار دیا۔ انہوں نے موت کو ترجیح دی۔ چنانچہ ذُونُواس نے لمبی لمبی خندقیں کھدوا کر ان میں آگ جلائی اور سب کو زندہ جلا دیا۔ ان کی تعداد بیس ہزار کے قریب تھی۔

یہ واقعہ ۵۲۳ء میں پیش آیا تھا۔

قُتِلَ اَصۡحٰبُ الۡاُخۡدُوۡدِ ۙ النَّارِ ذَاتِ الۡوَقُوۡدِ ۙ اِذۡ هُمۡ عَلَيۡهَا قُعُوۡدٌ ۙ وَّهُمۡ عَلٰى مَا يَفۡعَلُوۡنَ بِالۡمُؤۡمِنِيۡنَ شُهُوۡدٌ ؕ

(بروج: ۴۔۷)

---

[1] یمن کے شمال میں ایک اہم شہر جو آج بھی موجود ہے۔

(کھائیاں کھود کر ان میں ایندھن بھرنے اور آگ بھڑکانے والوں پہ لعنت۔ یہ لوگ ان گڑھوں کے پاس بیٹھ کر اہل ایمان کے تڑپنے اور جلنے کا تماشہ دیکھتے رہے)

مآخذ:۔ ۱۔القر۔ج۔۱،ص۱۱۱، ۲۔معجم۔ج۔۱ ''اُخدُود''

۲۸۔اَصحَابُ الاَعرَافِ

اعراف عُرف کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں: بلند جگہ۔

اس سے مراد جنّت و جہنم کے درمیان ایک مقام ہے۔ وہاں ایسے لوگ جائیں گے۔ جن کے اعمال نیک و بد برابر ہوں گے۔

شیعہ مفسرین کا خیال یہ ہے کہ:۔

رجال اَعراف سے مراد:۔ علی۔ عباس۔ جعفر اور حمزہ رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس مقام بلند پہ کھڑے ہو کر اپنے پیروؤں اور مخالفوں کا انجام دیکھیں گے۔ بعض مفسرین کے ہاں اعراف مجذوبوں۔ دیوانوں اور ان غیر مسلم بچوں کے لیے ہے۔ جو بچپن ہی میں مر گئے ہوں۔

وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ يَّعْرِفُوْنَ كُلًّا ۢ بِسِيْمٰهُمْ ۚ وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ ۣ لَمْ يَدْخُلُوْهَا وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ ○ (اعراف:۴۶)

(بہشت و دوزخ کے درمیان ایک مقام بلند پر کچھ ایسے لوگ ملیں گے۔ جو ہر شخص کو اس کی صورت سے پہچان لیں گے (کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی)۔ اور اہل جنت کو پکار کر کہیں گے۔ کہ تم پر سلام ہو۔ گو یہ لوگ بہشت سے باہر ہوں گے۔ لیکن وہاں پہنچنے کی پوری امید رکھتے ہوں گے)

مآخذ:۔ ۱۔القر۔ج۔۱،ص۱۱۴، ۲۔ڈاس۔ص۲۰

۲۹۔اصحابُ الایکۃِ

لفظ اَیکہ کے معنی ہیں:۔ گھنا جنگل۔

یہ جنگل یا تو مدین میں تھا۔ اور یا اس کے قریب ہی کہیں۔ یاقوت حموی (معجم البلدان۔ج۔اول) کے ہاں یہ تبوک کا دوسرا نام ہے۔

اکثر مفسرین کا خیال یہ ہے کہ اہلِ ایکہ و مدین الگ الگ امتیں تھیں۔ جن کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے۔ فرق یہ کہ از رُوئے نسب اہل مدین ان کے بھائی تھے۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا۔ (اعراف:۸۵)

(اہل مدین کی طرف ان کے بھائی شعیب کو بھیجا)

اور بن کے لوگ کسی اور نسب سے تعلق رکھتے تھے۔

حضرت ابن عباس فرماتے ہیں (تفسیر ابن عباس) کہ ایکہ سے مراد ایک جنگل ہے۔ جو بحیرہ قلزم کے ساحل پر مدین سے کئی فرسخ تک جنوب میں پھیلا ہوا تھا۔

عبدالرشید نعمانی (لقر۔ج۔اول،ص۱۲۲) عرب کے بعض قدیم کتب جغرافیہ کی سند سے لکھتے ہیں۔ کہ پرانے زمانے میں یمن سے مدین تک قافلوں کی ایک شاہراہ تھی۔ جو ساحل قلزم سے ہوتی ہوئی تیماء و تبوک سے گزر کر شام کی طرف جاتی تھی۔ اس شاہراہ پر تبوک کے نزدیک ایک جنگل تھا۔ جس کے باشندوں کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔ اس شاہراہ کو اللہ نے امام مبین کہا ہے۔

وَإِنَّهُمَا لَبِإِمَامٍ مُّبِينٍ۔ (حجر:۷۹)

(قوم لوط اور اہل اَیکہ کی بستیاں بڑے راستے پہ واقع تھیں)

مآخذ:۔ ا۔لقر۔ج۔ا،ص۱۲۲، ۲۔معجم البلدان۔ج۔ا"ایکہ"، ۳۔جلالین۔الحجر، ۴۔قرآن حکیم،

۳۰۔اصحاب الحجر

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحَابُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِينَ ۙ وَآتَيْنَاهُمْ آيَاتِنَا فَكَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ۙ وَكَانُوا يَنْحِتُونَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا آمِنِينَ ۝ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِينَ ۙ (حجر:۸۰۔۸۳)

(حجر والوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا اور ہمارے دیے ہوئے احکام سے رُوگردانی کی۔ یہ لوگ پرامن زندگی کے لیے پہاڑوں کو کاٹ کر گھر بناتے تھے۔ ایک صبح کڑک نے انہیں آ لیا اور وہ ہلاک ہو گئے)

تیماء کے جنوب میں وادی القریٰ سے ایک یوم کی مسافت پہ ایک شہر حجر کہلاتا تھا۔ جو ثمود کا مرکزی شہر تھا۔ یہ

مدّت سے ناپید ہو چکا ہے۔ اور اب اس کے قریب ہی ایک شہر ابھر آیا ہے۔ جو مدائن صالح کہلاتا ہے۔ اس کے مغرب میں ایک پہاڑ اثالث کے نام سے مشہور ہے۔ جس میں ایک یورپی سیاح M.Doughty نے ۱۸۷۶ء میں کچھ کتبے اور چند قبروں کے نشانات دیکھے تھے۔ اسی میں وہ غار بھی ہے۔ جس سے حضرت صالحؑ کی ناقہ نکلی تھی اور جسے اہل حجر (ثمود) نے مار ڈالا تھا۔ اس زمانے میں امراء و سلاطین اپنی فوقیت جتانے کے لیے کسی جانور کو آزاد چھوڑ دیتے تھے کہ وہ جہاں چاہے کھائے پیئے۔ اسی مقصد کے لیے حضرت صالحؑ نے بھی ایک ناقہ چھوڑ دی تھی۔ لیکن آپ کی قوم نے اسے مار ڈالا۔ اور خود تباہ ہو گئے۔

جب نویں سال ہجری میں حضور صلعم تبوک سے روانہ ہوئے تو آپ سرزمین حجر سے بھی گزرے۔ اس وقت وہاں چند کنوئیں بھی تھے۔

صحابہ نے وہاں دم لینا چاہا۔

لیکن حضورؐ نے فرمایا کہ:

اس مقام پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ اس لیے آگے چلو۔

بعض مفسّرین نے:

وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ۔

(اور ثمود جو وادی میں پتھر کاٹتے تھے)

میں واد سے وادی القریٰ مراد لیا ہے۔

مآخذ: ۱۔شاس۔ص ۱۳۸، ۲۔ڈاس۔ص ۱۷۴، ۳۔لقر۔ص ۱۲۵، ۴۔معجم البلدان۔ج۔۳، ص ۲۲۰،

۳۱۔ اَصْحَابُ الرَّسّ

یہ نام قرآن میں دو بار آیا ہے:

كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوْحٍ وَّاَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُوْدُ (ق:۱۲)

(اہل مکہ سے پہلے قوم نوح، اصحاب رس اور ثمود اپنے انبیاء کو جھٹلا چکے ہیں)

وَعَادًا وَّثَمُوْدَا۟ وَاَصْحٰبَ الرَّسِّ. (فرقان:۳۸)

(ہم عاد، ثمود اور اصحاب رس کو تباہ کر چکے ہیں)

رَسّ کے لفظی معنی ہیں:۔ تپ۔ بخار۔ کنواں۔ زمین میں کوئی چیز چھپانا۔ نیز ثمود کا ایک

کنواں۔ جس میں انہوں نے اپنے ایک نبی کو بند کر دیا تھا۔ اور وہ اندر ہی مر گئے تھے۔

(منتہی الارب۔ ج۔۱، "رَس")

یاقوت کے ہاں (معجم۔ ج۔۳، ص ۱۹۸) رَس، ارمینیہ یا اذر بیجان کی ایک وادی تھی۔ جس میں سینکڑوں بستیاں تھیں، اور یہ لوگ ایک رسول کی تکذیب کی وجہ سے تباہ ہو گئے تھے۔

ایک اور رائے یہ ہے کہ رَس ایک دریا کا نام تھا۔ جو اس وادی سے بہتا تھا۔ یہ لوگ ایک زلزلے سے ہلاک ہوئے تھے۔ اور دو پہاڑوں یعنی:۔ حارث اور حُویرث کے نیچے دب گئے تھے۔

امام فخر الرازی تفسیر کبیر (ج۔۶، ص ۳۳۸) میں لکھتے ہیں کہ:

"اصحاب الرس کی تعیین مشکل ہے۔ ہمیں اتنا ہی معلوم ہے۔ کہ یہ ایک قوم تھی جو تباہ ہو گئی۔"

جلالین (ص ۳۰۴) میں درج ہے۔ کہ:

"رَس" ایک کنوئیں کا نام ہے۔ ان کنوئیں والوں کی طرف حضرت شعیبؑ مبعوث ہوئے تھے۔ انہوں نے ان کی بات نہ مانی۔ ایک روز ان کے اکابر کنوئیں کے گرد بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ کنواں پھٹ گیا۔ اور یہ سب ملبے کے نیچے دب کر ہلاک ہو گئے۔

مولانا یعقوب حسن مدراسی نے کتاب الہدیٰ میں رَس پہ تفصیلی بحث کی ہے۔ جس کا ملخص یہ۔ کہ الرس یمامہ کا ایک غار تھا۔ جس کے اردگرد بہت سے کنوئیں تھے۔

مؤرخ مسعودی کا بیان ہے کہ اصحاب الرس یمن کے رہنے والے تھے اور حضرت اسماعیل کی اولاد تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے مراد وہ رِسّہ ہو۔ جہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہمراہ گزرے تھے:

"یہ لوگ دشتِ سینا سے چل کر پہلے قبرات، پھر حصیرات، پھر رتمہ، پھر رمون، پھر لبنہ اور پھر **رِسّہ** میں پہنچے تھے۔"

(گنتی: ۳۳/۱۶۔۲۲)

دُر منثور میں حضرت ابن عباس کا یہ قول درج ہے کہ الرس ثمود کا ایک گاؤں تھا۔ جو حضرت صالحؑ کے زمانے میں تباہ ہوا تھا۔ (کتاب الہدیٰ: ج۔۲، ص ۵۱۸)

ان مختلف اقوال سے ایک ہی نتیجہ نکلتا ہے کہ اصحاب الرس کی تعیین مشکل ہے۔

مآخذ:۔ ۱۔ منتہی الارب۔ ج۔۱ "رس"، ۲۔ فخر الرازی: تفسیر کبیر۔ ج۔۶، ص ۳۳۸،
۳۔ معجم۔ ج ۳، ص ۱۹۸، ۴۔ کتاب الہدیٰ۔ ج ۲، ص ۵۱۸، ۵۔ بائبل،

۳۲۔ اَصحٰبَ السَّبتِ

''سبت'' قدیم بابلی زبان کا لفظ ہے۔ جو دراصل سا۔ (دِل)، بَتھ۔ (آرام) تھا۔ قدیم بابل میں ساتواں دن چھٹی کا ہوتا تھا۔

تورات میں مذکور ہے کہ:۔

اللہ نے چھ دن میں کائنات کو مکمل کیا اور:

''ساتویں دن فراغت پائی۔ خدا نے اس دن کو مبارک کیا۔ اور مقدس ٹھہرایا۔''

(پیدائش:۲/۱۔۳)

''ساتویں دن تیرے خدا کا سبت ہے۔ اس میں کچھ کام نہ کر۔'' (خروج:۲۰/۱۰)

اس روز بابل کے بادشاہ گوشت نہیں کھاتے تھے۔ نہ کپڑے بدلتے تھے۔ قربانی، سواری اور شکار کی بھی چھٹی مناتے تھے۔ یہاں تک کہ نبی اور کاہن تبلیغ و کہانت کا کام بھی چھوڑ دیتے تھے۔

قرآن میں ہے۔ کہ:

بنی اسرائیل کی ایک بستی نے سبت کے تقدس کو پامال کیا اور اللہ نے ان کی صورتیں مسخ کر دیں۔

وَلَقَدۡ عَلِمۡتُمُ الَّذِيۡنَ اعۡتَدَوۡا مِنۡكُمۡ فِى السَّبۡتِ فَقُلۡنَا لَهُمۡ كُوۡنُوۡا قِرَدَةً خٰسِـِٔيۡنَ ۚ (بقرہ:۶۵)

(تم ان لوگوں کو جانتے ہی ہو۔ جنہوں نے سبت کا احترام نہیں کیا تھا۔ اور ہم نے انہیں ذلیل بندر بنا دیا)

سورۂ اعراف میں ہے:۔

''ذرا ان سے اس بستی کا حال تو پوچھو۔ جو ساحل پہ واقع تھی۔ اور جو سَبت کی پرواہ نہیں کرتی تھی۔ اللہ کی شان۔ کہ سَبت کے دن مچھلیاں سطح پر آ جاتی تھیں۔ اور باقی ایام میں غائب ہو جاتی تھیں۔'' (اعراف:۱۶۳)

یہ بستی کہاں تھی؟

اس کے متعلق صاحب جلالین لکھتے ہیں:۔

وَهِيَ اَيۡلَه (اس کا نام ایلہ تھا)

اور حاشیہ میں ہے:

قَرْيَةٌ بَيْنَ مَدْيَنَ وَ الطُّوْرِ (جلالین: ص ۱۴۱)

(ایلہ ایک بستی ہے۔ مدین اور طور کے درمیان)

مولانا نعمانی نے بعض حوالوں سے لکھا ہے۔ کہ:

یہ بستی خلیج عقبہ پہ واقع تھی۔ (القر: ص ۱۳۳)

اور مولانا دریابادی کی رائے یہ ہے۔ کہ اَیلہ کا موجودہ نام عقبہ ہے اور یہ آج کل خلیجِ عقبہ کی ایک بندرگاہ ہے۔ (اعلام: ص ۴۹)

ماخذ:۔ ۱۔ بائبل، ۲۔ قرآنِ مقدس، ۳۔ جلالین۔ ص ۱۴۱، ۴۔ القر۔ ص ۱۳۳، ۵۔ اعلام۔ ص ۴۹،

۳۴۔ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ

اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ سے مراد وہ کشتی والے ہیں۔ جو طوفان نوح سے بچنے کے لیے حضرت نوح کے ہمراہ ان کی کشتی میں سوار ہو گئے تھے۔

فَاَنْجَيْنٰهُ وَ اَصْحٰبَ السَّفِيْنَةِ وَ جَعَلْنٰهَآ اٰيَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ○ (عنکبوت: ۱۵)

(ہم نے نوح اور دیگر اہل سفینہ کو بچالیا۔ اور کشتی کو دنیا والوں کے لیے ایک نشان بنا دیا)

کشتی میں کون تھے؟

اس سلسلے میں قرآن کہتا ہے:۔

قُلْنَا احْمِلْ فِيْهَا مِنْ كُلٍّ زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ وَ اَهْلَكَ اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَيْهِ الْقَوْلُ وَ مَنْ اٰمَنَ ط (ہود: ۴۰)

(ہم نے نوح سے کہا۔ کہ کشتی میں ہر جاندار (یعنی طیور و حیوانات) کے دو دو جوڑے، اپنے گھر کے آدمی، سوائے ان کے جن کی تباہی کا فیصلہ ہو چکا ہے اور ایمان والے سوار کر لو)

تورات میں ہے:

"تو اور تیرے بیٹے۔ تیری بیوی اور تیرے بیٹوں کی بیویاں تیرے ساتھ ہوں گی۔ جانوروں میں سے ہر جنس کے دو دو اپنے ساتھ کشتی میں لے کہ وہ بچ رہیں۔ خواہ وہ نر ہوں یا مادہ۔ پرندوں، چرندوں اور رینگنے والوں میں سے ہر جنس کے دو دو اپنے ساتھ رکھ..... میں زمین پر

چالیس دن اور چالیس رات پانی برساؤں گا...... جب طوفان آیا۔ تو نوح کی عمر چھ سو برس تھی۔"

نیز دیکھیے:۔

۱۸۶۔ "نوح"

ماخذ:۔ ۱۔ بائبل، ۲۔ قرآن مقدس،

۳۴۔ اصحابُ الفیل (ابرَھہ)

اصحاب الفیل کے لفظی معنی ہیں: ہاتھیوں والے۔ مراد ابرَہہ اور اس کی فوج۔

ابرہہ حبشہ کی طرف سے یمن کا وائسرائے تھا۔ یہ یمن کی حمیری ریاست کو ختم کرنے کے بعد خود مختار سا ہو گیا۔ یہ مذہباً عیسائی تھا۔ اس نے اپنے دار الحکومت صنعاء میں قلیس نامی (شاید کلیسا اسی کا بگاڑ ہو) ایک نہایت خوبصورت گرجا بنوایا۔ اسے فانوسوں، قالینوں، قیمتی پردوں، اور رنگ و روغن سے خوب سجایا۔ اور پھر عربوں کو اس کے طواف کی دعوت دی۔

کہتے ہیں کہ ایک منچلا عرب رات کو اس گرجے میں داخل ہوا۔ اور قضائے حاجت کے بعد چپکے سے سرک گیا۔ جب یہ خبر ابرہہ تک پہنچی۔ تو اس نے عربوں کے معبد یعنی کعبہ کو گرانے کے لیے ایک فوج تیار کی۔ جس میں چند ہاتھی بھی تھے۔

جب یہ لشکر مکّہ کے قریب ایک مقام صفاح میں فروکش ہوا۔ تو کعبہ کے متولی عبدالمطلب (حضورؐ کے دادا)، ابرہہ کے پاس گئے۔ اور کہا کہ:

"آپ کی فوج نے میرے اونٹ پکڑ لیے ہیں۔ وہ واپس کیجئے۔"

ابرہہ نے طنزاً کہا:

"حیرت ہے کہ تمہیں اونٹوں کی تو فکر ہے۔ لیکن کعبہ کی کوئی فکر نہیں۔"

فرمایا۔ کہ:

"میں صرف اونٹوں کا مالک ہوں۔ رہا کعبہ۔ تو اس کا بھی ایک مالک ہے۔ وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔"

ابرہہ نے اونٹ لوٹا دیے۔ اور فوج کو تیار ہونے کا حکم دے دیا۔

عبدالمطلب ایک پہاڑ کے دامن میں کھڑے ہو کر منظر دیکھنے لگے۔ جب یہ فوج مکّہ کے قریب پہنچی۔ تو سمندر کی طرف سے فوج در فوج بڑے بڑے پرندے چونچوں اور پنجوں میں کنکر لیے آ پہنچے۔ انہوں نے اُس بلندی سے یہ کنکر ٹپکائے کہ ہاتھیوں، گھوڑوں، اونٹوں، اور آدمیوں کو چیر کر نکل گئے۔

قانونِ اُفتادیہ ہے۔ کہ اگر ہم بلندی سے کوئی کنکر وغیرہ، نیچے پھینکیں۔ تو پہلے سیکنڈ میں اس کی رفتار ۳۲ فٹ ہوگی۔ دوسرے میں ۶۴، اور تیسرے میں ۹۶۔ یعنی ہر سیکنڈ کے بعد اس کی رفتار میں ۳۲ فٹ کا اضافہ ہوتا جائے گا۔ اگر ان پرندوں کے کنکر زمین تک دو منٹ میں پہنچے ہوں۔ تو ہر کنکر کی رفتار زمین کے قریب ۳۸۴۰ فٹ فی سیکنڈ ہوگی اور یہ یقیناً جسم کو چیر کر نکل جائے گا۔

حضورؐ کی ولادت اسی ہاتھی والے سال (عام الفیل) میں اس واقعہ سے چالیس یوم بعد ہوئی تھی۔ آپ ابھی مکّہ ہی میں تھے۔ کہ سورۂ الفیل نازل ہوئی۔ یعنی آپ کی ولادت سے کوئی ۴۵/ ۵۰ برس بعد۔ اس وقت بعض ایسے لوگ موجود تھے۔ جنہوں نے اصحاب الفیل کی تباہی اپنی آنکھوں سے دیکھی تھی۔

ابن اسحاق نے سیرۃ میں اور واقدی نے المغازی (بحوالہ لقر۔ ج۔ ا، ص ۱۳۴) میں حضرت عائشہؓ کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے اپنی بہن اسماء سمیت ایک دفعہ مکّہ میں ایک اندھے اور لنجے بھکاری کو دیکھا۔ جو ابرہہ کے خاص ہاتھی محمود کا فیلبان رہا تھا۔

مآخذ:۔ ا۔ ڈاس۔ ص ۲۴، ۲۔ کانس۔ ص ۱۶، ۳۔ لقر۔ ج۔ ا، ص ۱۳۴، ۴۔ قرآنِ حکیم،

۳۵۔ اَصْحَابُ الْقَرْیَہ (بستی والے)

اس بستی کا ذکر سورۂ یٰسین کی تیرھویں آیت میں یوں ہوا ہے:۔

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۝ اِذْ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمُ اثْنَيْنِ فَكَذَّبُوْهُمَا فَعَزَّزْنَا بِثَالِثٍ

(اے رسول! انہیں بستی والوں کی کہانی سناؤ۔ کہ جب ان کے پاس اللہ کے رسول پہنچے (تو کیا ہوا) ہم نے ان کی طرف پہلے دو رسول بھیجے۔ جنہیں انہوں نے جھٹلا دیا۔ اور پھر تیسرا بھیجا)

صاحب جلالین (ص ۳۶۶) لکھتے ہیں۔ کہ بستی سے مراد انطا کیہ[1] ہے۔ اور رسولوں سے مراد یحییٰؑ، یونسؑ اور عیسیٰ علیہم السلام ہیں۔ ابن عباس کی رائے یہ ہے کہ رسولوں کے نام صادق، صدوق اور شلوم تھے۔ قتادہ لکھتا ہے کہ یہ تین حواری تھے۔ شمعون، یوحنا اور بولص (پولس)

کتاب اعمال سے پتہ چلتا ہے کہ پطرس (شمعون) اور یوحنا تبلیغ کی خاطر فلسطین کے شمالی صوبے سماریہ (سامریہ) میں گئے تھے۔ ممکن[2] ہے کہ وہ شمال میں انطا کیہ تک بھی جا پہنچے ہوں۔ (اعمال: ۸/ ۱۴) برنابا بھی ایک حواری تھا۔ جسے یوروشلم کے شعبۂ تبلیغ نے انطا کیہ بھیجا تھا۔ (اعمال: ۱۱/ ۲۲)

---

[1] انطا کیہ ایک سبز و حسین شہر ہے۔ بحرِ شام کے ساحل پر، ترکی کی سرحد کے قریب۔ یہ یونانی بادشاہوں اور قیصروں کا سرمائی دارالحکومت رہا۔ اس کی بنیاد ۳۰۰ ق م میں پڑی تھی۔ (ڈاب: ص ۴۱)

[2] چند سطور بعد ان کے انطا کیہ جانے کا بھی ذکر ہے۔

"انہی دنوں چند نبی یروشلم سے انطاکیہ پہنچے تھے۔ان میں سے ایک نام اگابوس تھا۔"

(ایضاً۔۱۱/۲۷۔۲۸)

ایک اور حوالہ ملاحظہ ہو:۔

"انطاکیہ کے کلیسا میں کئی نبی اور معلّم تھے۔یعنی برنابا، شمعون، لُوکیس، منائیم اور شاؤل۔"

(ایضاً۔۱۳/۱۔۳)

ذرا آگے مذکور ہے:۔

"پھر پولس اور اس کے ساتھی پافس[1] (Paphos) سے جہاز میں سوار ہو کر پرگہ[2] (Perga) میں آئے۔اور اس مقام سے یوحنا ان کو چھوڑ کر یروشلم چلا گیا۔وہاں سے یہ پسیدیا[3] (Pisidia) کے انطاکیہ میں پہنچے۔" (ایضاً۔۱۳/۱۳۔۱۴)

ان حوالوں سے ظاہر ہے کہ حضرت مسیح کے کئی شاگرد اور مبلغ بار بار انطاکیہ گئے تھے۔اگر آیۂ زیر بحث سے مراد عیسائی رسول اور مبلغ ہوں۔تو پھر یہ معلوم کرنا۔کہ وہ کون کون تھے؟ مشکل ہے۔

ماخذ:۔ ۱۔اعمال۔باب ۱۱، ۱۳   ۲۔ڈاب۔ص ۴۹۱، ۵۱۷، ۵۳۹،   ۳۔جلالین۔ص ۳۶۶، ۴۔اعلام۔ص ۵۱،

۳۶۔اَصْحَابُ الْکَہْفِ

اَصْحٰبُ الْکَھْفِ وَالرَّقِیْمِ۔(غار اور رقیم والے)

ابن خُرّ دادبہ کتاب المسالک والممالک (ص ۱۰۶۔۱۱۰) میں لکھتا ہے کہ:

رقیم اس غار کا نام تھا۔جس میں اصحاب کہف پناہ گزین ہوئے تھے۔بعض اسے وہ تحریر (رقم) سمجھتے ہیں۔جس میں ان کی کہانی لکھی گئی تھی۔یہ تحریر کتبے کی صورت میں ان کے مزاروں کے قریب نصب تھی۔بعض کہتے ہیں کہ یہ ان کے کتے کا نام تھا[4] (شاس:ص ۴۵)

یہ اصحاب غار کون تھے؟

کہاں تھے؟

---

[1] پافس: قبرص کے غربی ساحل پہ ایک شہر

[2] پرگہ:۔ایشیائے صغیر کے جنوبی ساحل پہ ایک علاقے پمفیلیا کا ایک شہر (ایضاً ص ۵۱۷)

[3] جنوبی ٹرکی کا وہ علاقہ جس میں کبھی انطاکیہ بھی شامل تھا۔(ایضاً ص ۵۳۹)

[4] مولانا مودودی کا خیال یہ ہے کہ رقیم ایک بستی تھی۔ایلہ (عقبہ) اور فلسطین کے درمیان۔(تفہیم القرآن۔ج ۳۔ص ۱۱)

اور غار میں کیوں داخل ہوئے تھے؟

اس پر ہر مُفسّر اور مؤرخ نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔ یورپ کا ایک مؤرخ گبن اپنی کتاب ''تاریخ زوالِ روما'' کے تینتیسویں (۳۳ ویں) باب میں ''سات سونے والے'' (Seven Sleepers) کے عنوان کے تحت لکھتا ہے۔ (بحوالہ تفہیم۔ ج ۳، ص ۱۲) کہ:

> یہ لوگ ایک ظالم رومی بادشاہ ''ڈی سکیس'' (عربوں کے ہاں دقیانوس یا دقیوس) جو ۲۴۹ء سے ۲۵۱ء تک حکمران رہا۔ کے ڈر سے جنوب مغربی ایشیائے صغیر کے ایک شہر افی سس (تفاسیر میں اِفسس، افسوس، اُفسس) کے ایک غار میں جا چھپے تھے۔ یہ بادشاہ عیسائیوں کا دشمن تھا۔ اور اسی بناء پر یہ لوگ روپوش ہو گئے تھے۔ یہ وہاں جا کر سو گئے۔ اور کوئی دو سال بعد تھیوڈ ایسس (۴۰۸۔۴۵۰) کے زمانے میں بیدار ہوئے۔ جاگتے ہی انہوں نے اپنے ایک ساتھی جملیخس (Jamblichus) (عربوں کے ہاں ملیخا) کو بازار سے کھانا لانے کے لیے بھیجا.....الخ۔

مولانا لکھتے ہیں (تفہیم۔ج۔۳، ص۱۹) کہ:

> ۱۸۳۴ء میں ایک پادری T. A. Rundeu نے ''اکتشافاتِ ایشیائے صغیر'' عنوان سے اپنے مشاہدات شائع کیے۔ جس میں شہر اُفسس کے پاس ایک ایسی پہاڑی کا ذکر کیا ہے۔ جس میں حضرت مریم اور سات لڑکوں کے مقبروں کے آثار ملتے ہیں۔

(تفہیم۔ج۔۳، ص۱۲)

کہانی مختصراً یوں ہے کہ:

> روم کے ایک شہر میں چند نوجوانوں نے بت پرستی چھوڑ کر عیسائیت قبول کر لی۔ اس پر ان کے ملحد بادشاہ (دقیوس) کی آتش غضب بھڑکی اور یہ لوگ ایک غار میں جا گھسے۔ بادشاہ بھی وہاں جا پہنچا۔ اور غار کے منہ پر ایک دیوار بنوا دی۔ تا کہ وہ لوگ اندر ہی مر جائیں۔ کئی سو سال بعد کسی گڈریے نے اپنے ریوڑ کو طوفان سے بچانے کے لیے یہ دیوار گرا دی اور کچھ مدت کے بعد غار والے لوگ جاگ اٹھے۔ (شاس: ص ۴۵)

ان کا زمانہ خواب کتنا تھا؟

گبن اور دیگر یورپی مؤرخین تقریباً دو سو برس بتاتے ہیں۔

لیکن قرآن میں ہے:۔

وَلَبِثُوا فِي كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِينَ وَازْدَادُوا تِسْعًا ٥ قُلِ

اللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا لَبِثُوْا ج (کہف:۲۵۔۲۶)

(وہ لوگ غار میں تین سو نو برس رہے۔اور کہہ دو کہ صرف اللہ ہی ان کی مدت قیام کو جانتا ہے)

ان دو آیات میں ربط پیدا کرنے کے لیے بیشتر مفسرین نے "ولبثوا" کو ان لوگوں کا قول قرار دیا ہے۔جو اصحاب کہف کی تعداد کے متعلق اختلاف رکھتے تھے۔ان میں سے ایک گروہ کا خیال یہ تھا۔کہ:

ان کا زمانہ قیام ۳۰۹ سال تھا۔لیکن اللہ نے اس کی تائید نہیں کی۔

اور اتنا ہی کہنے پہ اکتفا کیا۔کہ:

"ان کی مدت قیام سے صرف اللہ واقف ہے۔"

شاہ دقیانوس (یا دقیوس) غربی رومہ[۱] کا چوبیسواں بادشاہ تھا۔جو ۲۴۹ء سے ۲۵۱ء تک برسرِ اقتدار رہا۔اگر ان کا قیام واقعی ۳۰۹ برس تھا۔تو پھر وہ حضور صلعم کی ولادت سے بائیس برس پہلے جسٹی نین اول (۵۲۷۔۵۶۵ء) کے عہد میں جاگے ہوں گے۔اور متبادل صورت یہ ہے۔کہ دقیوس سے سو سال پہلے انیٹونیس (۱۳۸۔۱۶۱ء) کے زمانے میں سوئے ہوں۔

حضور صلعم کی زندگی میں مختلف صحابہ نے قرآن جمع کیا تھا۔ان میں کہیں کہیں اعراب یا قرأت کا اختلاف پیدا ہو گیا تھا۔جسے حضرت ابوبکرؓ نے ایک معیاری نسخہ تیار کرانے کے بعد ختم کر دیا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود (ایک مقتدر صحابی) کے قرآن میں **لَبِثُوْا فِیْ کَھْفِھِمْ** سے پہلے قالُوا کا لفظ بھی تھا۔بات صاف ہو گئی۔کہ ۳۰۹ سال کا اندازہ انسانی تھا۔نہ کہ خدائی۔ (لقر:ص ۱۴۶)

مولانا ابوالکلام آزاد نے بھی اصحاب کہف پہ ایک مفصل مقالہ لکھا تھا۔جسے ادبستان لاہور نے دو اور مقالات یعنی ذوالقرنین اور یاجوج۔ماجوج کے ساتھ کتابی صورت میں شائع کیا ہے۔اس میں رقیم کے متعلق لکھتے ہیں کہ:۔

"رقیم وہی لفظ ہے۔جسے تورات میں راقیم کہا گیا ہے۔" (اصحاب کہف:ص ۱۳)

تورات میں یہ لفظ چار مرتبہ استعمال ہوا ہے:۔

۱۔حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک کا نام منسّی تھا اور ایک یہوداہ۔

ان کی اولاد میں ایک ایک رقیم بھی تھا:۔

---

[۱] قیاصرہ کی غربی شاخ کا دارالخلافہ رومہ (اٹلی) تھا۔اس کے بادشاہوں کا سلسلہ سیزر (۴۴ ق م) سے شروع ہوا تھا۔سیزر سے پہلے رومہ میں چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جو کبھی کبھی متحد ہو جاتی تھیں۔سیزر پہلا بادشاہ تھا اور رُیولس (۴۷۶ء) آخری۔ان بادشاہوں کی تعداد ۵۰ تھی۔۳۳۰ء میں یہ سلطنت تقسیم ہو گئی اور قسطنطین اوّل (۳۰۵-۳۳۷) نے ۳۳۰ء میں قسطنطنیہ کو پایۂ تخت بنا لیا۔تھیوڈسس دوم اسی شاخ کا گیارہواں بادشاہ تھا۔

☆ رقیم بن فرس بن بکیر بن منسی۔ (ا۔تاریخ ۷/۱۶)

اور ☆ رقیم بن کالب بن حصرون بن یہوداہ۔ (ا۔تاریخ ۲/۴۳۔۴۴)

۲۔مدین کے ایک بادشاہ کا نام بھی رقیم تھا۔ (گنتی:۳۱/۸)

۳۔نیز ایک شہر کا، جو بن یامین کے حصے میں آیا تھا۔یہ یوروشلم کے مغرب میں تھا۔

(یشوع:۱۸/۲۷)

ہوسکتا ہے کہ رقیم سے مراد یہی شہر ہو۔لیکن اس امکان کی تائید نہ کسی دیگر تحریر سے ہوتی ہے اور نہ کھدائیوں سے۔دوسری طرف اِفسس کے متعلق کافی شہادتیں موجود ہیں۔اس لیے اغلب یہی ہے کہ یہ غار اِفسس ہی میں تھا۔

ان کی تین سو سالہ نیند کے متعلق مولانا آزاد کا خیال یہ ہے کہ:

کثرت عبادت سے بعض اوقات استغراق، سرخوشی، محویت اور فنا کی ایسی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔کہ انسان جسم کے تقاضوں (خورد و نوش) کو پورا کیے بغیر بھی برسوں بلکہ صدیوں زندہ رہ سکتا ہے۔

دوسری جنگ عظیم میں برما کے ایک پہاڑی غار سے ایک ایسا بھکشو برآمد ہوا تھا۔جو ایک سل پہ آسن جما کر بیٹھا[1] ہوا تھا۔اور اس کے سارے بال سل پہ بکھرے پڑے تھے۔وہ جب ہوش میں آیا تو اس نے بتایا کہ وہ چار سو برس سے محویت میں ہے۔

اسی طرح کا ایک واقعہ ڈاکٹر الیگزینڈر کاف نے اپنی کتاب Invisible In Fluance میں لکھا ہے۔کہ:

جب وہ تبت میں پہنچا۔تو وہاں دلائی لامہ نے اسے ایک ایسا بھکشو دکھایا جو کئی صدیوں سے ایک تابوت میں بند تھا اور پھر بھی زندہ تھا۔

(تفصیل کے لیے دیکھیے میری کتاب:''من کی دنیا'')

۱۹۴۵ء میں مدراس کا ایک جوگی یہاں کیمبلپور میں آیا۔اور اس نے اعلان کیا۔کہ وہ دریا کی تہ، اور کسی بند قبر میں برسوں زندہ رہ سکتا ہے۔چنانچہ آزمائش کی خاطر اسے آٹھ فٹ گہری قبر میں گاڑ دیا گیا۔اور ٹھیک چوبیس گھنٹے کے بعد نکالا گیا۔ڈاکٹر نے اسے دیکھ کر اس کی موت کا اعلان کر دیا۔لیکن صرف دو منٹ بعد اس نے ''ہری اوم'' کا نعرہ لگا کر دنیا کو حیران کر دیا۔میں اس واقعہ کا عینی شاہد ہوں۔

یاقوت حموی (۶۲۶ھ) معجم البلدان (ج ۴، ص ۲۷۴) میں لکھتے ہیں کہ:

اصحاب کہف کا غار روم کے ایک شہر اِفسس میں تھا۔یہ سات آدمی تھے جو اس غار میں صدیوں لیٹے رہے۔ایک دفعہ خلیفہ واثق عباسی (۲۲۷۔۲۳۲ھ) نے محمد بن موسیٰ خوارزمی

---

[1] میرا راوی ایک فوجی افسر ہے جو برما میں لڑ چکا تھا۔

منجم کو غار (کہف) کی تلاش میں بھیجا۔ وہ پھرتے پھراتے روم کے ایک پہاڑ بلدُ الرُّوم پہ جا نکلا۔ وہاں ایک غار کے منہ پر ایک مکان بنا ہوا تھا۔ جس میں ایک محافظ بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے مدد چاہی تو وہ مجھے غار میں لے گیا۔ وہاں ایک عجیب منظر دیکھا کہ تیرہ صحیح و سالم لاشیں قطار میں رکھی تھیں۔

محافظ نے بتایا۔ کہ ان میں سے سات اصحاب کہف کی ہیں اور باقی بعد میں تبرکاً وہاں رکھ دی گئی ہیں۔ ان کے روشن چہرے کھلے تھے۔ اور اجسام چادروں سے ڈھکے ہوئے۔

محافظ نے مزید بتایا۔ کہ ان کے بال اور ناخن بڑھ جاتے ہیں۔ جنہیں گاہے ماہے کاٹنا پڑتا ہے۔ (معجم۔ ج ۴، ص ۲۷۴)

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آغازِ خلافت میں حضرت عبادہ بن الصامت کو دعوتِ اسلام کے لیے شاہ روم کی طرف بھیجا۔ اس سفر میں عبادہ نے بھی اس غار کو دیکھا تھا۔ (ایضاً)

ان کے نام یہ تھے:۔

☆مکسلمینا ☆مشلینا ☆مرطونس ☆یملیخا

☆دبریُوس ☆سرابیُون اور افس تطیوس

ان کے کتے کا نام قطمیر تھا۔ شاہ وقت کا دقیانوس اور غار کا رقیم۔ یہ غار روم میں عموریہ وانیقیہ کے درمیان تھا۔

مآخذ:۔ ۱۔ معجم۔ ج ۴، ص ۲۷۴، ۲۔ شاس۔ ص ۴۵، ۳۔ ڈاس۔ ص ۲۴،
۴۔ لقر۔ ص ۱۴۶، ۵۔ اصحاب کہف۔ ص ۷، ۳۲،
۶۔ تفہیم۔ ج ۳، ص ۱۰، ۱۲، ۷۔ زوالِ رومہ۔ باب ۳۳،
۸۔ قرآنِ مقدس، ۹۔ بائبل،

۳۷۔ اَعراب

قرآن حکیم میں یہ لفظ دس دفعہ استعمال ہوا ہے۔ اس کے معنی ہیں:۔ صحرائی۔ صحرا نشیں۔ یعنی وہ دیہاتی عرب جو صحراؤں میں خیمے تان کر رہتے تھے۔

لفظ "عربی" کے معنی ہیں:۔ ایسا شخص جس کی زبان عربی ہو۔ خواہ وہ شہری ہو یا دیہاتی۔

اور "اَعراب" سے مراد فقط صحرا نشیں ہیں۔ اس لفظ کی ہیئت جمع کی سی ہے۔ لیکن اس کا واحد نہیں ہوتا۔

مآخذ:۔ ۱۔ مُنتھی الارب۔ "اعراب"

۳۸۔ اَلاَعْمٰی

روایت ہے۔ کہ ایک دن حضور صلعم بعض اشرافِ قریش سے مصروف گفتگو تھے۔ لیکن ابویعلیٰ حضرت انسؓ سے راوی ہیں۔ کہ حضور ﷺ کی محفل میں اس وقت صرف اُبّی بن خلف تھے۔

اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ کہ تین آدمی تھے:

۱۔عتبہ ۲۔ابوجہل اور ۳۔عباسؓ

ابن المنذر کی روایت ہے۔ کہ عتبہ کے ہمراہ شیبہ اور اُمیّہ بھی تھے۔ اوپر سے ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن مکتوم آگئے اور بلند آواز سے کہنے لگے۔ کہ اے رسول:۔

عَلِّمْنِیْ مِمَّا عَلَّمَكَ اللّٰهُ۔ (حدیث)

(مجھے بھی وہ سکھاؤ۔ جو تمہیں اللہ نے سکھایا ہے)

حضورؐ اس بے وقت مداخلت سے برہم ہوگئے۔ تیوری چڑھالی اور منہ پھیرلیا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(جلالین وکمالین: ص۴۸۸)

عَبَسَ وَتَوَلّٰۤی ۝ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ۝ وَمَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰۤی ۝ (عبس:۱)

(رسول کے پاس ایک اندھا آیا۔ اور اس نے چیں بجبیں ہوکر منہ پھرلیا۔ تمہیں کیا خبر۔ کہ شاید وہ مزید سنور جاتا)

مولانا عبدالماجد دریابادی اعلامُ القرآن (ص۵۴) میں لکھتے ہیں کہ:

نابینا کا اصل نام عمرو بن قیس بن زائدہ تھا۔ اور ابن مکتوم ان کی کنیت تھی، یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ماموں زاد بھائی تھے اور کچھ عرصہ کے لیے حضور صلعم کے مؤذن بھی رہے تھے۔

مآخذ:۔ ۱۔جلالین وحاشیہ: ص۴۸۸، ۲۔اَعلام: ص۵۴

۳۹۔ اَلَّذِیْٓ اٰتَیْنٰهُ اٰیٰتِنَا

یہ ایک آیت کا حصہ ہے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

"وہ شخص جسے ہم نے اپنی آیات دی تھیں۔"

پوری آیت یوں ہے:۔

"اے رسول! تم انہیں اس شخص کا حال سناؤ جسے ہم نے اپنی آیات دی تھیں اور وہ ان سے منحرف ہوگیا۔ چنانچہ شیطان نے اس کا پیچھا کیا۔ اور وہ بھٹک گیا۔" (اعراف:۱۷۵)

یہ شخص کون تھا۔ اور کس زمانے میں تھا؟ اس کا یقینی علم ہمیں حاصل نہیں۔ مفسرین میں سے بیشتر نے اس سے بلعم باعور مراد لیا ہے۔ جو موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں مدین کا ایک کاہن تھا۔ جو عراق کے ایک قصبے پتھار سے وہاں گیا تھا۔ متقی اور خدا ترس۔

صاحب جلالین لکھتے ہیں:۔

وَهُوَ بَعْلَمُ بِنْ بَاعُوْرَا مِنْ عَلَمَآءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ سُئِلَ اَنْ یَدْعُوْا عَلٰی مُوْسٰی وَمَنْ مَّعَهٗ وَاُهْدِیَ اِلَیْهِ شَیْءٌ فَدَعَا فَانْقَلَبَ عَلَیْهِ وَانْدَلَعَ لِسَانُهٗ عَلٰی صَدْرِهٖ۔ (جلالین: ص۱۴۲)

(کہ اس کا نام بلعم بن باعورا تھا۔ یہ بنو اسرائیل کا ایک عالم تھا۔ جس سے کہا گیا۔ کہ موسیٰ اور بنو اسرائیل کے لیے بددعا کرو۔ اس سلسلے میں اسے تحائف بھی دیے گئے۔ چنانچہ اس نے بددعا کی۔ وہ الٹی پڑ گئی اور اس کی زبان اس کے سینے پہ لٹک پڑی)

بلعم بعور کا پورا قصہ بائبل کی ان کتابوں میں دیکھیے:۔

گنتی: باب ۲۲۔۲۴، ۳۱/۱۶

استثنا: ۲۳/۴۔۵

اور یشوع: ۱۳/۲۲، ۲۴/۹۔۱۰

مختصراً یہ کہ:

جب موسیٰ علیہ السلام سات لاکھ اسرائیلیوں کے ہمراہ موآب[1] کے میدانوں میں پہنچے۔ اور وہاں کے بادشاہ بلق کو خطرہ محسوس ہوا کہ اسرائیلی اور ان کے ریوڑ سب کچھ چٹ کر جائیں گے۔ تو اس نے بلعم کے پاس اپنے خاص آدمی تحائف دے کر بھیجے اور التماس کی۔ کہ آؤ اور قوم موسیٰ کے لیے بددعا کرو۔ بلعم نہ مانا۔ بلق نے دوبارہ آدمی بھیجے اور وہ اسے بزاری وزر لے ہی آئے۔ موآب میں آ کر بلعم نے کہا۔ کہ خدا کا غضب صرف بدکاروں پہ نازل ہوتا ہے۔ اس لیے تم اپنی عورتوں کو ذرا آزادی دے دو۔ تا کہ اسرائیلیوں میں گناہ کی ترغیب پیدا ہو۔ چنانچہ اس مشورے پر عمل ہوا اور:۔

---

[1] موآب اُس وقت بحیرۂ مُردار کے مشرقی ساحل پہ ایک ریاست تھی جس کے بادشاہ کا نام بلق تھا۔

''اور لوگوں نے موآبیوں کی بیٹیوں سے زنا کیا...... تب خداوند کا قہر بنی اسرائیل پہ بھڑ کا اور خداوند نے موسیٰ سے کہا۔ کہ قوم کے سرداروں کو پکڑ۔ اور انہیں سورج کے سامنے لٹکا دے۔''

(گنتی: ۲۵/۱۔۵)

ان میں وبا بھی پھوٹ پڑی۔ جس سے بیس ہزار اسرائیلی ہلاک ہو گئے۔

(ایضاً ۲۵/۹)

بالآخر جب موسیٰ علیہ السلام نے اہل مدین پر حملہ کیا۔ تو بلعم نے مقابلہ کیا۔ اور مارا گیا۔

مآخذ:۔ ۱۔ ذاب۔ ص۱۷، ۲۔ بائبل، ۳۔ جلالین۔ ص۱۴۲، ۴۔ اعلام۔ ص۵۸،

۵۔ قرآنِ حکیم،

۴۰۔ اَلَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ (واقعۂ افک)

یہ ایک لمبی آیت کا ٹکڑا ہے۔ بات یوں ہوئی۔ کہ:۔

حضور صلعم ۵ھ میں غزوۂ بنو المصطلق (یا غزوۂ مُریسیع[۱]) سے واپس آ رہے تھے۔ کہ ایک منزل پر حضرت عائشہؓ کا ہار گم ہو گیا۔ وہ ادھر ادھر تلاش کر رہی تھیں۔ کہ ان کا ساربان چل دیا۔ اور وہ پیچھے رہ گئیں۔ کچھ وقفے کے بعد وہاں لشکر کا آخری آدمی صفوان بن معطل، جس کا کام گری پڑی چیزیں سمیٹنا تھا، آ گیا۔ اس نے حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر فوراً اونٹ بٹھایا۔ اور آپ کو سوار کر کے لشکر سے جا ملا۔ اس پر لوگوں نے بڑی باتیں بنائیں۔ ان میں سے چار خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں:۔

۱۔ حسانؓ بن ثابت (شاعرِ رسالتؐ)

۲۔ مِسطح بن اثاثہ۔

۳۔ حَمنہ بنت جَحش۔

۴۔ عبداللہ بن اُبَیّ۔

عبداللہ بن اُبَی نے بہتان طرازی میں سب سے زیادہ حصہ لیا۔ اس پر حضور صلعم ایک ماہ تک دلگیر رہے۔ اور حضرت عائشہؓ روتی رہیں۔ بالآخر یہ آیات نازل ہوئیں۔ جس پر حضور صلعم نے حضرت عائشہ کو مبارک باد دی۔

---

[۱] چونکہ یہ تصادم مُریسیع نامی ایک کنوئیں پہ ہوا تھا۔ جو بنو مُصطلق کی ملکیت تھا۔ اس لیے یہ غزوہ دونوں ناموں سے مشہور ہے۔ یہ مقام مدینہ سے اندازاً سو میل دور تھا۔

''جن لوگوں نے یہ بہتان تراشا ہے۔ وہ تم میں سے ایک گروہ ہے۔ اس واقعہ کو اپنے لیے شر نہ سمجھو۔ بلکہ یہ خیر ہے۔ ہر شخص کو اس کے گناہ کی سزا ملے گی۔ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَہٗ مِنْھُمْ لَہٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ۔ اور جس شخص (عبداللہ) نے سب سے بڑھ کر حصہ لیا ہے۔ وہ المناک عذاب کا شکار ہو گا۔'' (نور:۱۱)

مآخذ:۔ ا۔اعلام۔ص ۶۱، ۲۔۲۔جلالین۔ص ۲۹۳،

۴۱۔ اَلَّذِیْ حَآجَّ اِبْرَاھِیْمَ (نمرود)

(وہ شخص جس نے ابراہیم سے اللہ کے متعلق بحث کی تھی)

پوری آیت کا ترجمہ یہ ہے:۔

''کیا تو نے اس شخص کی حالت نہیں دیکھی جسے اللہ نے سلطنت عطا کی تھی۔ لیکن وہ بجائے شکر، ابراہیمؑ سے اللہ کے متعلق بحث کرنے لگا۔ ابراہیمؑ نے کہا۔ میرا رب وہ ہے جو زندگی دیتا اور چھینتا ہے۔ کہنے لگا۔ یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا۔ میرا رب سورج کو مشرق سے مغرب کی طرف لاتا ہے۔ تو اسے مغرب سے مشرق کی طرف لا۔ کافر مبہوت ہو گیا۔ اور اللہ ظالموں کو کبھی ہدایت نہیں دیتا۔'' (بقرہ:۲۵۸)

تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ اس سے مراد نمرود بن کوش بن حام بن نوح ہے۔ طبری اسے ذوالقرنین کی طرح ساری دنیا کا بادشاہ قرار دیتا ہے۔

روایات میں ہے۔ کہ نمرود کو نجومیوں نے بتایا۔ کہ اس کی رعایا کا ایک بچہ اسے تباہ کر دے گا۔ چنانچہ اس نے تمام بچوں کو مار ڈالنے کا فیصلہ کیا۔ لیکن آزر کی بیوی اُوشہ کوئی ایسی چال چلی کہ نومولود (ابراہیم) بچ گیا۔ جب ابراہیم بڑا ہوا۔ تو نمرود سے اس کے کئی مقابلے ہوئے۔

پہلا علمی تھا۔ اللہ کی ہستی کے متعلق۔ جس میں نمرود کو شکست ہوئی۔ اس نے یہ دیکھنے کے لیے کہ خدا آسمانوں میں بھی ہے یا نہیں۔ چار طاقتور عقاب ایک تختے کے ساتھ باندھ کر آسمان کی طرف اڑا دیے اور خود تختے پر بیٹھ گیا۔ جب عقاب تھک کر زمین کی طرف لوٹے۔ تو یہ گر پڑا۔ لیکن بچ گیا۔ اس کے بعد اس نے ایک اونچا مینار (مینار بابل) بنوایا۔ جس کے معماروں اور مزدوروں کی بولیاں بدل گئیں اور کام رک گیا۔

آخری مقابلہ بتوں کے متعلق ہوا۔ کہ ایک دن حضرت ابراہیم شہر کے سب سے بڑے بت خانے میں داخل ہو گئے اور تمام بت توڑ ڈالے۔ اس پر نمرود نے انہیں آگ میں پھینک دیا۔ لیکن آگ سرد ہو گئی۔ نمرود نے انہیں اور

ان کے پیروؤں کو بار ہا بھو کے چیتوں اور شیروں کے آگے بھی پھینکا۔لیکن وہ آتے، سر جھکاتے اور ان کے پاؤں کو چاٹ کرلوٹ جاتے۔

نمرود کے متعلق ایک روایت یہ بھی ہے کہ وہ جنگل میں پلا۔ایک شیرنی نے اسے دودھ پلایا۔اور جب وہ بڑا ہوا۔تو شہر میں آیا۔باپ کو قتل کیا۔تخت پہ قبضہ جمایا اور اپنی ماں الکسائی (یا سلخا) سے شادی کر لی۔(شاس:ص ۴۳۸) اس کی وجہ نجومیوں کی یہ پیش گوئی تھی۔کہ کوش (و بروایتے کنعان بن کوش) کو اس کا اپنا بیٹا تباہ کرے گا۔ چنانچہ اس نے اپنے بچوں کو قتل کر دینے کا حکم دے دیا۔لیکن سلخا نے کسی تدبیر سے اسے بچا کر جنگل میں بھیج دیا۔

آزر نمرود کا مشیر تھا۔اس نے اپنے آقا کے لیے ایک نہایت حسین محل تیار کرایا۔جس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی تھیں۔ (ایضاً)

مؤرخ طبری کی رائے (شاس:ص ۴۳۸) ہے۔کہ ایران کا ضحاک ہی نمرود تھا۔

ڈاکٹر سمتھ لکھتا ہے (ڈاب:ص ۴۵۶) کہ:

شروع میں نمرود صرف بابلونیا کا بادشاہ تھا۔بعد میں اس نے شمالی عراق میں اشوریا کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔جنوبی عراق میں بابل شہر اس کا دارالحکومت تھا۔جس کے آثار اب برآمد ہو رہے ہیں۔اور شمال میں نینوئی، بابل اور نینوئی کے کتبوں میں دارالحکومت کوش کا بار بار ذکر آتا ہے۔لیکن:

CUTHA , CHUZISTAN , COSSAEI , CISSIA

(خوزستان) کی شکل ہیں۔محققین کا اندازہ یہ ہے۔کہ اس خاندان کے اقتدار کا آغاز ۲۲۰۰ ق م کے قریب ہوا تھا۔یہ نوسو برس تک زندہ رہا۔اور اس کا خاتمہ تقریباً ۱۳۰۰ ق م میں ہوا۔ (ڈاب:ص ۶۵۶)

حال ہی میں قدیم شام کا ایک ایسا کیلنڈر برآمد ہوا ہے۔جس میں درج ہے کہ:

ماہِ کانون (غالباً جنوری) کی پچیسویں تاریخ کو ملک بھر میں عید منائی جاتی تھی۔غالباً ابراہیمؑ کو اسی روز آگ میں پھینکا گیا تھا۔ (ڈاس:ص ۴۳۴)

مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے: "بابل"

ماخذ:- ۱۔شاس۔ص ۴۲۸، ۲۔ڈاب۔ص ۴۵۶، ۳۔ڈاس۔ص ۴۳۴، ۴۔کتاب الہدیٰ۔ص ۳۸۱، ۵۔قرآن مقدس

۴۲۔ اَلَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ (عزیرؑ)

پوری آیت یوں ہے:۔

اَوْکَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ وَّھِیَ خَاوِیَۃٌ عَلٰی عُرُوْشِھَا ج ......

(بقرہ:۲۵۹)

(کیا تم نے اس شخص کی کہانی پہ نظر ڈالی۔ جو ایک تباہ شدہ بستی کے پاس سے گزرا اور کہنے لگا۔ کہ خدا اس بستی کو کیسے زندہ کرے گا؟ سو اللہ نے اسے سو سال کے لیے سُلا دیا (یا مار دیا) اور پھر جگا کر (یا زندہ کر کے) پوچھا۔ کہ تم کتنی مدت سوئے رہے۔ کہنے لگا۔ ایک دن یا دن کی کوئی کسر۔ اللہ نے فرمایا۔ کہ تم پورے سو سال تک سوئے ہو۔ ذرا کھانے پینے کی اشیاء پہ نظر ڈالو۔ کوئی چیز خراب نہیں ہوئی۔ دوسری طرف اپنے گدھے کو دیکھو۔ کہ اس کا نشان تک مٹ گیا ہے۔ ہم تمہیں اپنا ایک نشان بنانا چاہتے ہیں۔ اس لیے ان ہڈیوں کو دیکھو۔ کہ ہم انہیں کس طرح ترتیب دیتے اور ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ جب اس نے یہ تمام واقعہ دیکھا۔ تو کہنے لگا۔ مجھے یقین آگیا ہے۔ کہ اللہ ہر چیز پہ قادر ہے)

تقریباً تمام مفسرین اس بات پر متفق ہیں کہ:

تباہ شدہ بستی سے مراد یوروشلم [1] ہے۔ جسے ۶۰۰ ق م کے قریب بابل کے ایک ظالم بادشاہ بُخت نصر نے تباہ کر دیا تھا۔ اور شخص سے مراد حضرت عُزیر علیہ السلام ہیں۔ چونکہ ایران کی تاریخ سے حضرت عُزیر علیہ السلام کا گہرا تعلق رہا ہے۔

اس لیے اس وقت کی تاریخ مختصراً پیش کرتا ہوں:۔

میڈیا

آپ نے سنا ہوگا۔ کہ ولادت مسیح سے کوئی اڑھائی ہزار سال پہلے آریائی قبائل وسطی ایشیا سے ایران میں داخل ہوئے تھے۔ ان میں سے چھ وحشی قبائل، جو مغربی ایران میں آباد ہو گئے تھے۔ متحد ہو کر ایک آزاد ریاست کے متعلق سوچنے لگے۔ بالآخر ان لوگوں نے ایک چھوٹی سی حکومت قائم کر لی۔ جو میڈیا کہلاتی تھی۔ اس نے ۲۴۵۸ ق م میں ریاستِ بابل پہ قبضہ کر لیا۔ اس کے بعد کیا ہوا۔ ہم اس کی سترہ سو سالہ تاریخ سے مطلقاً ناآشنا ہیں۔ اگر علم ہے تو صرف اتنا ہی کہ یہ اشوریا کے سامنے ہمیشہ دبی رہی۔ ۷۰۸ ق م میں اس نے اشوریا کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور یہی وہ زمانہ ہے۔ جس میں اس کے چار بادشاہوں کے نام سامنے آتے ہیں۔ یعنی:۔

---

[1] یاقوت حموی کو اختلاف ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ بستی سے مراد دیر ہرقل ہے جو بصرہ و عسکر مکرم کے درمیان واقع تھی۔ (معجم ج ۴ "دیر")

۱۔ڈیاسس (Deioces)،   ۲۔فرارٹس (Phroartes)

۳۔کیخسرو   اور   ۴۔استیاگس (Astyages)

۶۵۰ قم میں میڈیا ایک عظیم طاقت بن گیا۔ جس کی حدود بحیرۂ خزر سے آرمینیہ اور مغرب میں بحیرۂ مارمورا (ترکی) تک پھیل گئیں۔ یہ ریاست طولاً کوئی پندرہ سو میل تھی۔ عرضاً چار۔ پانچ سو میل۔ اور کل رقبہ چھ لاکھ مربع میل کے قریب تھا۔ ۶۲۵ قم میں کیخسرو نے بابل اور اشوریا دونوں پہ قبضہ کرلیا۔ یہی وہ زمانہ ہے۔ جب خود ایرانی ابھرنے کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ بالآخر انہیں سائرس کی صورت میں ایک انقلابی رہنما مل گیا۔ جس نے ۵۵۹ قم میں میڈیا کے خلاف بغاوت کردی۔ اور میڈیا کے آخری بادشاہ استیاگس کو پکڑ کر اس کی سلطنت پہ قبضہ کرلیا۔ اس فوری فتح سے اس کے حوصلے اتنے بڑھ گئے۔ کہ اس نے لیڈیا پر جو ایشیائے صغیر کے جنوبی ساحل پہ ایک ریاست تھی۔ ۵۴۶ قم میں قبضہ کرلیا۔ چند سال بعد ریاستِ بابل اور ۵۳۸ قم میں اشوریا کا الحاق کرلیا۔ اور ۵۲۹ قم میں پارتھیا کے خلاف لڑتے ہوئے مارا گیا۔ (ڈاب: ص ۳۹۲)

اشوریٰ

اشور، حضرت نوحؑ کا پوتا اور سام کا فرزند تھا۔ اس کی اولاد نے ۱۲۷۳ قم کے قریب نینوا (موصل کے مشرق میں) میں ایک ریاست کی بنا ڈال دی۔ جو رفتہ رفتہ مشرق میں ہمدان۔ شمال میں ارمینیہ اور جنوب میں خلیج ایران تک پھیل گئی۔ اس کے سلاطین کا پہلا سلسلہ چودہ بادشاہوں پہ مشتمل تھا۔ جو ۱۲۷۳ قم سے ۹۳۰ قم تک (ساڑھے تین سو سال) حکومت کرتا رہا۔ ان میں اہم ترین سلطان تغلث پلسر (Tiglath Pilser) تھا۔ جس نے بارہویں صدی کے آخر میں حکومت کی تھی۔

۱۱۰۰ قم میں اشوریوں نے میڈس پہ حملہ کیا۔ اور ہرات تک کا علاقہ فتح کرلیا۔ ۸۴۴ قم میں شال منیسر[ل] (Shal Maneser) نے میڈیا پہ ایک حملہ کیا۔ اور سالانہ خراج کی شرط عائد کردی۔ ۸۱۰ قم میں رامن سوم (Ramman III) اور ۷۳۲ قم میں سارگن دوم نے حملہ کیا۔ اور بڑی تباہی مچائی۔ یہ سلسلہ ۷۰۵ قم تک جاری رہا۔

۷۰۵ قم میں میڈیا کے ایک جج ڈیاسس (Deioces) نے بڑی جدوجہد کے بعد میڈیا کو نیم آزاد کرالیا۔ لوگوں نے اسے ہی بادشاہ بنا دیا۔ اور ہمدان اس کا دارالحکومت قرار پایا۔ اس نے ۵۰ برس حکومت کی۔

۶۵۵ قم میں اس کا لڑکا فرارٹس (Phraortes) تخت پہ بیٹھا۔ اس نے اشوریوں کا باقی ماندہ اثر ختم کرنے کے لیے ان پہ حملہ کردیا۔ اور بری طرح مار کھائی۔ بعد ازاں پھر اس کے جانشین (Cyaxares) نے نینوا کا محاصرہ کیا۔ پہلے شکست کھائی۔ لیکن ۶۲۵ قم میں اشوریا کو مٹا دیا۔ (ڈاب: ص ۵۸)

ل   اشوریوں میں اس نام کے دو اور بادشاہ بھی تھے۔ شال منیسر دوم (۸۸۴-۸۶۰ قم) جس کے متعلق کئی کتبے اور مجسمے برآمد ہوئے ہیں۔ ایک تیسرا بھی تھا جس کے متعلق معلومات ندارد۔ چوتھے کا عہد ۷۲۷-۷۲۲ قم تھا۔ اس کے متعلق بھی ایک کتبہ ملا ہے۔ (چیمبرز: ص ۱۰۰۷)

کیانی

زوالِ اشوریا کے بعد میڈیا ایک خوفناک طاقت بن گیا۔ لیکن Cyaxares کے جانشین Astyages نے اتنا گناہ کیا۔ کہ اس کی طاقت ٹوٹ گئی۔ چنانچہ ایران کے ایرانی النسل بادشاہ سائرس (Cyrus) نے اسے شکست دے کر ۵۵۹ق م میں میڈیا پہ قبضہ کرلیا اور خاندان کیانی کی بناڈالنے کے بعد پہلے لیڈیا (موجودہ ترکی کا جنوب مغربی علاقہ) اور پھر ۵۳۸ق م میں سلطنت بابل پہ قابض ہوگیا۔ ۵۲۹ق م میں پاتھیا کی جنگ میں ہلاک ہوگیا۔ یہ میڈیا کے آخری بادشاہ استیاگس کا نواسہ تھا۔

شاہانِ کیانی کی فہرست یہ ہے:۔

شمار	نام	زمانۂ سلطنت	ریمارکس
۱	سائرس	۵۵۹۔۵۲۹ ق م	بانیٔ سلطنت
۲	کیمبیس	۵۲۱ ق م	۵۲۵ق م میں مصر فتح کیا۔ اور آخر میں خودکشی کر لی۔
۳	دارا۔ اوّل	۴۸۵ ق م	مشرق میں پنجاب و سندھ اور مغرب میں مقدونیہ اور تھریس فتح کیے۔
۴	خسرو۔ اوّل	۴۶۶ ق م	
۵	کیخسرو۔ اوّل	۴۲۵ ق م	
۶	خسرو۔ دوم	۴۲۴ ق م	
۷	سکوڈی نس	۴۲۴ ق م	
۸	دارا۔ دوم	۴۰۵ ق م	
۹	سائرس۔ دوم	۳۵۸ ق م	
۱۰	کیخسرو۔ سوم	۳۳۶ ق م	
۱۱	دارا۔ سوم	۳۳۰ ق م	اسے سکندر یونانی نے ہلاک کیا تھا۔

۱۔ سائیکس: تاریخ ایران۔ باب دہم

۲۔ ڈاب۔ زیر عنوان اشوریا، میڈیا۔ و سائرس

اشوریا کے کتبے

نیلسن بیچر ''عہدِ بائبل کی کہانی'' میں لکھتا ہے۔ کہ:

آشور عراق کا ایک شہر ہے۔ جو نینوا سے ساٹھ میل جنوب میں واقع تھا۔ اور اب اس کے کھنڈرات برآمد ہو رہے ہیں۔ آغاز میں یہ شہر آزاد تھا۔ پھر بابل کے ایک بادشاہ حمورابی (۱۷۲۸۔۱۶۸۶ق م) نے اس پہ قبضہ کرلیا۔ پانچ سو سال بعد جب اسرائیلی مصر سے نکل رہے تھے۔ تو اشور نے بابل پہ قبضہ کرلیا۔ یہ سلطنت سات سو سال تک زندہ رہی۔

۱۸۴۵ء میں اے۔ ایچ۔ لیئرڈ نے نینوا میں کھدائی کرائی اور اشوریا کے متعلق بہت سے کتبے نکل آئے۔ جن سے اس کی تاریخ مرتب ہو رہی ہے۔ (عہد بائبل کی کہانی: ص ۷۶)

عُزَیر یا عزرا کی کہانی

عزرا کی کتاب (بائبل میں شامل) میں لکھا ہے کہ:

جب سائرس نے یوروشلم میں اللہ کے معبد کو دوبارہ بنانے کا اعلان کیا۔ تو بابل میں سکونت پذیر اسرائیلی بہت خوش ہوئے اور انہوں نے منوں کے حساب سے سونے اور چاندی کے برتن جمع کیے۔ سائرس نے بھی سرکاری خزانے سے مدد کی۔ اور ہزاروں اسرائیلی اس کام کے لیے بابل سے چل پڑے۔ یہ لوگ کارِ تعمیر میں مشغول تھے کہ کخسرو نامی ایک غاصب آٹھ ماہ کے لیے تختِ کیانی پہ قابض ہوگیا۔ اور اس نے تعمیر روک دی۔ لیکن دارائے اوّل (۴۸۵ق م) نے ۵۲۰ق م میں دوبارہ تعمیر کی اجازت دے دی۔ اور یہ کام دارا کے چھٹے سالِ جلوس میں مکمل ہوگیا۔ جب کخسرو تخت نشین ہوا تو حضرت عزیر نے اس سے اسرائیلیوں کے ایک قافلے کے ہمراہ یوروشلم جانے کی اجازت مانگی، جو مل گئی۔ اور یہ ہزارہا اسرائیلیوں کے ہمراہ کخسرو کے ساتویں سال جلوس (۴۵۹ق م) میں بابل سے نکلا اور چوتھے مہینے منزل پہ جا پہنچا۔ وہاں جا کر کئی کام کیے۔ مثلاً:

۱۔ جن اسرائیلیوں نے لادین بیویاں کر رکھی تھیں انہیں طلاق پہ آمادہ کیا۔

۲۔ تورات دوبارہ لکھی۔ روایت ہے کہ ان پر دوبارہ نازل ہوئی تھی۔

۳۔ عبرانی کی جگہ کالڈیائی رسم الخط جاری کیا۔

۴۔ اور یہ کتابیں لکھیں:۔

☆عزرا ☆نحمیاہ ☆آستر

اور شاید ☆دانیال اور حزقی ایل بھی۔ (ڈاب:ص۱۸۹)

عُزیر کا ذکر یا تو بخت نصر کے ساتویں سال میں آتا ہے اور یا بیسویں سال میں۔ بیچ کے تیرہ برس میں وہ کہاں رہے؟ اور بیسویں سال کے بعد وہ کہاں چلے گئے تھے؟ اس کے متعلق تاریخ خاموش ہے۔ البتہ یہودیوں کی ایک روایت کے مطابق وہ یوروشلم سے ایران چلے گئے تھے اور وہیں وفات پائی۔

(ڈاب:ص۱۸۹)

کسی تاریخ یا تفسیر سے یہ معلوم نہیں ہوسکا۔ کہ ان پر سوسال کی نیند کب وارد ہوئی تھی۔ اگر اس واقعہ کا انتساب ان کی طرف صحیح ہے۔ تو پھر یہ سائرس کے زمانے (۵۵۹۔۵۲۹ق م) سے کم از کم سوسوا سال پہلے، یعنی:

۶۸۰۔۶۶۰ق م کے درمیانی عرصے میں پیش آیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔

عُزیر علیہ السلام کا شجرہ یہ ہے:۔

عزرا (عُزیر) بن سرایاہ

بن عزریاہ

بن خلقیاہ..........

بن الیعزر بن ہارون بن عمران

(عزرا:۷/۱۔۵)

ماخذ:۔ ۱۔ معجم۔ ج۴، "دیر"، ۲۔ ڈاب۔ ص۵۸، ۱۲۷، ۱۸۹، ۳۹۲، ۳۔ پیپلز۔ ص۱۰۰۷،

۴۔ عہد بائبل کی کہانی۔ ص۷۶، ۵۔ بائبل۔ عزرا کی کتاب

۶۔ تاریخ ایران۔ باب ۱۰۔۱۴، ۷۔ قرآن حکیم،

۴۳۔ اللّٰہ

دنیا کی تمام امتوں میں، خواہ وہ موحد ہوں یا مُشرک۔ ایک ایسی ذات کا تصور ملتا ہے۔ جو ساری کائنات کی خالق، قادر مطلق، سمیع و بصیر اور تمام اعلیٰ صفات سے آراستہ ہو۔ سریانی و کلدانی میں اسے الاہیا۔ عبرانی میں الوہیم یا یہوہ اور عربی میں اللہ کہتے ہیں۔

بعض محققین کا خیال یہ ہے کہ یہ ھَللّٰہ کی تحریف ہے۔ جو شامی کتبوں میں ملتا ہے۔ یہ کتبے دوسری صدی

عیسوی میں شام کے ایک شہر حَوران کے نواح سے نکلے تھے۔ هَـلـلّـه کے معنی ہیں:۔معبد۔جو بعد میں بمعنیٰ معبُود استعمال ہونے لگا۔ (ڈاس:ص ۱۴۱)

ایک اور رائے یہ ہے کہ:

اللّٰه عربی زبان کا لفظ ہے۔یہ دراصل **اِلٰه** تھا۔اس پر تعریف کا آل داخل ہوا تو یہ **اَلْاِلٰہ** بن گیا۔اور پھر **اللّٰه** رہ گیا۔علمائے عقائد کے ہاں یہ خدا کا ذاتی نام ہے۔جو ظہورِ اسلام سے صدیوں پہلے عرب میں استعمال ہو رہا تھا۔عرب اللہ کو خالقِ کُل، قادرِ مطلق اور ربُّ العالمین سمجھتے تھے۔

عہد جاہلیت کا ایک شاعر اُمیہ بن ابی الصّلت کہتا ہے:۔

اِلٰهُ العَالَمِینَ وَ کُلِّ اَرْضٍ
وَرَبُّ الرَّسِیَاتِ مِنَ الْجِبَالِ

(اللہ ساری زمین بلکہ سارے جہانوں کا معبود اور محکم پہاڑوں کا آقا و رب ہے)

اس نوع کے لاتعداد اشعار دواوین جاہلیت میں موجود ہیں۔

اس کے اشتقاق کے متعلق قوی تر قول یہ ہے۔کہ اس کی اصل **الـه یا ولـه** ہے۔اور دونوں کے معنی حیرت و درماندگی ہیں۔جب انسان اللہ پہ غور کرتا ہے۔تو اسے حیرت و درماندگی کے بغیر کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔اس راہ کی ابتداء بھی حیرت ہے اور انتہا بھی یہی۔اور غالبًا یہی حیرت اس تسمیہ کا سبب بنی ہوگی۔

اللہ کے صفاتی نام مثلاً: رحیم۔کریم۔علیم وغیرہ ڈیڑھ سو کے قریب ہیں۔ان میں سے متفق علیہ ننانوے ہیں۔

قرآن کی رُو سے اللہ قُوت۔عظمت۔حیات اور نُور کا سرچشمہ ہے۔جو لوگ تسلیم و عبادت کے ذریعے اللہ سے رابطہ پیدا کر لیتے ہیں۔وہ صاحبِ قُوت و عظمت بن جاتے ہیں۔

حیات کیا ہے؟

یہ کہاں سے آتی اور کہاں چلی جاتی ہے؟

اس کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ:۔

یہ اللہ سے آتی اور اسی کی طرف لوٹ جاتی ہے۔

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّكَ الْمُنْتَھٰی ٥ (نجم:۴۲)

(تمہاری آخری منزل ربّ ہے)

مآخذ:۔ ۱۔شاس۔ص۳۳، ۲۔ڈاس۔ص۱۴۱، ۳۔لقر۔ج۔۱،ص۲۱۸،

۴۴۔ الواحِ موسیٰؑ

قرآن حکیم میں موسیٰ علیہ السلام کی الواح کا ذکر تین مرتبہ آیا ہے۔

وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَلْوَاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَّوْعِظَةً.

(اعراف:۱۴۵)

(اور ہم نے موسیٰ کے لیے اس کی تختیوں میں ہر قسم کی نصیحت لکھ دی تھی)

جب موسیٰ علیہ السلام تختیاں لے کر کوہ طور سے اترے اور دیکھا کہ ساری قوم گئو سالہ پرستی میں مشغول ہے۔ تو آپ نے غصے میں:۔

وَأَلْقَى الْأَلْوَاحَ وَأَخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ ط

(اعراف:۱۵۰)

(تختیاں پھینک دیں اور ہارون کو سر کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹنے لگے)

جب موسیٰ کا غضب فرو ہو گیا۔ تو تختیاں اٹھالیں۔ (اعراف:۱۵۴)

تورات میں لکھا ہے:۔

کہ ان الواح کی تعداد دو تھی:

''جب خداوند کوہ سینا پر موسیٰ سے اپنا کلام تمام کر چکا۔ تو اسے شہادت کی دو لوحیں دیں۔ یہ سنگین لوحیں خدا کی انگلی سے لکھی ہوئی تھیں۔'' (خروج:۳۱/۱۸)

پھر جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے غصے میں وہ تختیاں زمین پہ پھینکیں۔ تو قرآن حکیم کی رو سے وہ سالم رہیں۔

لیکن تورات کہتی ہے (خروج:۳۲/۱۹) کہ:

وہ ٹوٹ گئیں۔ جس پر اللہ نے موسیٰؑ کو حکم دیا کہ پتھر کی دو نئی تختیاں تراش کر کوہِ سینا پر دوبارہ آؤ۔ وہاں اللہ بدلی میں چھپ کر آیا۔ اور دس احکام دوبارہ لکھوائے۔

(خروج:۳۴/۱)

وہ دس احکام یہ تھے:۔

۱۔ خدا ایک ہے۔ کسی مورت یا صورت کی عبادت نہ کر۔

۲۔ جو لوگ میرے حکموں کو حفظ کرتے ہیں، اور مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ میں ان پر رحم کرتا ہوں۔

۳۔ خداوند کا نام بے فائدہ مت لے۔ کہ یہ گناہ ہے۔

۴۔ سبت کا احترام کر۔ اور اس روز کوئی کام نہ کر۔

۵۔ والدین کی عزت کرتا کہ تیری عمر دراز ہو۔

۶۔ خون مت کر۔

۷۔ زنا نہ کر۔

۸۔ پڑوسی کے خلاف جھوٹی گواہی نہ دے۔

۹۔ اپنے پڑوسی کے گھر کا لالچ مت کر۔

۱۰۔ اور چوری نہ کر۔

(خروج: ۲۰/۱۔۱۷)

ماخذ:۔ ۱۔بائبل "خروج" ۲۔قرآنِ مقدس

۴۵۔ اِلیاس (اِل یاسین)

قرآن میں ہے:

وَاِنَّ اِلْيَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ۘ اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝ اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِيْنَ ۙ اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ۝ فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ۝ۙ اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ۝ وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِى الْاٰخِرِيْنَ ۙ سَلٰمٌ عَلٰٓى اِلْ يَاسِيْنَ ۝ (صافات: ۱۲۳۔۱۳۰)

(بے شک الیاس اللہ کا رسول تھا۔ اس نے اپنی قوم سے پوچھا:۔ کہ تم اللہ سے نہیں ڈرتے۔ کہ بعل کو پکارتے ہو اور بہترین خالق یعنی اللہ کو چھوڑ رکھا ہے۔ حالانکہ وہ تمہارا اور تمہارے آبا ؤاجداد کا پروردگار ہے۔ قوم نے اسے جھٹلایا۔ یقیناً ان کا محاسبہ ہوگا اور صرف راستباز محفوظ رہیں گے۔ ہم نے بعد کی نسلوں میں الیاس کا ذکر باقی رکھا۔ اور الیاس پر ہمارا سلام ہو)

مولانا حفظ الرحمٰن قصص القرآن (ج۔۲، ص ۲۶) میں لکھتے ہیں کہ الیاس والیاسین ایک ہی آدمی کے دو نام

تھے۔ یہ بنو اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ اور بعلبک (دمشق سے بارہ میل مغرب میں) کا مشہور شہران کی رسالت و تبلیغ کا مرکز تھا۔

بَعل

بعل سامی اقوام کا مقبول ترین دیوتا تھا۔ جسے مشتری یا کیواں کا پیکر سمجھا جاتا تھا۔ اس کی پرستش کے لیے یہ عظیم الشان میلے منعقد کرتے اور بڑے بڑے ہیکل بناتے تھے۔ جس کے سامنے بعض اوقات انسانوں کی قربانی بھی دیتے تھے۔

> بعض تفاسیر میں ہے (رُوح المعانی: ج ۲۳، ص ۶۲) کہ بعل سونے کا تھا۔ بیس گز اونچا۔ چار منہ اور اس کی خدمت پر چار سو خادم مقرر تھے۔ اس کی پرستش مشرق میں بابل اور جنوب میں مَدیَن تک ہوتی تھی۔ (قصص: ج ۲، ص ۲۶۔۳۰)
>
> حضرت الیاس کی قبر بعلبک میں ہے۔ لیکن ایک یہودی روایت یہ بھی ہے۔ کہ آپ کو ایک آتشیں گاڑی میں بٹھا کر آسمان پہ اٹھالیا گیا تھا۔ (اعلام: ص ۶۶)
>
> شاس نے طبری۔ ثعلبی اور کسائی کے حوالوں سے لکھا ہے (ص ۱۶۴) کہ:
>
> ''الیاس بائبل کا ایلیا ہے۔ جو ساتویں اسرائیلی بادشاہ احاب[1] بن عمری (۹۱۹۔۸۹۶ ق م) کے زمانے میں زندہ تھا۔ یہ بادشاہ الیاس کا پیرو تھا۔ لیکن جاتے جاتے مرتد ہو گیا۔ اور اسے سزا یہ ملی کہ ملک میں قحط پڑ گیا۔

آپ نے سنا ہوگا کہ ایک دفعہ حضرت موسیٰ کی ملاقات مجمع البحرین پر اللہ کے ایک نیک بندے سے ہوئی تھی۔ اس وقت آپ کے ہمراہ ایک خادم یا ساتھی بھی تھا۔ عام مفسرین اس خادم سے خضر مراد لیتے ہیں۔ لیکن بیضاوی میں ہے کہ شاید وہ الیاس ہو۔

> یہ بھی روایات میں ہے۔ کہ الیاس و خضر کو چشمۂ آبِ حیات مل گیا تھا۔ انہوں نے اس سے پانی پیا۔ اور اب وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔ بعض تفاسیر یہاں تک لکھتی ہیں۔ کہ یہ دونوں ہر سال حج کرتے ہیں۔ اور رمضان مسجدِ اقصیٰ میں گذارتے ہیں۔ (شاس: ص ۱۶۴۔۱۶۵)
>
> قصص کے مطابق آپ کا شجرہ یوں ہے:۔
>
> الیاس بن یاسین بن فخاص بن یعزار بن ہارون۔
>
> یا الیاس بن عازر بن یعزار بن ہارون۔ (قصص: ج ۲، ص ۲۷)

---

[1] ڈاب۔ ص ۲۲۔

آپ موآب کے شمال اور جارڈن کے مشرق میں جبل جلید کے ایک گاؤں تشبی میں پیدا ہوئے تھے۔ سر کے بال گھنے اور لمبے۔ کمر کے گرد چمڑے کی ایک پیٹی، بدن پر بھیڑ کی کھال۔ اور سینہ حرارت ایمان سے آتش دان تھا۔ آپ عبادت کے لیے بار بار جبل حوراب میں جاتے اور اس کی غاروں میں کئی کئی ماہ رہتے تھے۔ جب آپ کو معلوم ہوا کہ اسرائیل کے بادشاہ اخاب بن عمری نے اپنی بیوی کی ترغیب پر بعل کی پرستش اختیار کرلی ہے۔ تو سیدھے اس کے دربار میں پہنچے اور اسے عذاب الٰہی سے ڈرایا۔ اس پر بادشاہ اور ملکہ دونوں اس کے پیچھے پڑ گئے۔ اور یہ بھاگ نکلا۔ پہلے ایک ندی میں چھپا رہا۔ پھر لبنان کے ایک گاؤں زرافث میں پناہ لی۔

دریں اثنا اسرائیل کی زمین میں قحط پڑ گیا۔ جو تین برس جاری رہا۔ یہ قحط اتنا شدید تھا۔ کہ ملک بھر میں کوئی سبز پتا تک باقی نہ رہا۔ اس کے بعد وہ پھر اخاب کی طرف گیا اور حکم دیا۔ کہ بعل کے تمام پجاریوں کو سامنے لاؤ۔ وہ آئے۔ تو انہیں ایک وادی میں قتل کر دیا۔ (۱۔ سلاطین۔ ۱۸/۴۱) اور خود جبل حوراب کی طرف چلا گیا۔

وہاں اللہ نمودار ہوا اور اسے تین حکم دیے:۔

اول: کہ حزائیل (شاہ دمشق ۸۸۶۔۸۴۰ ق م) کو دُعا دے کر شام کا بادشاہ بناؤ۔

دوم: کہ اسرائیل کا تخت یاہُو (Jeho) کے حوالے کرو۔

سوم: کہ الیَسَع کو نبی بناؤ۔ (۱۔ سلاطین۔ ۱۹/۱۶۔۱۷)

حضرت الیاس نے تعمیل کی۔ اور چار برس بعد اخاب کے بدکار بیٹے اخازیہ (۸۹۶۔۸۹۵ ق م) کو اس کی موت کی خبر دی۔ جب اسے معلوم ہوا کہ یہوداہ کے بادشاہ بھی بدکار ہو گئے ہیں۔ تو اس نے جوشفات کے بیٹے جیہورام (Jehoram) کو جو ۸۹۶ سے ۸۸۴ ق م تک یہوداہ کا بادشاہ رہا تھا۔ ایک خط کے ذریعے تنبیہ کی۔ کہ اگر تم باز نہ آئے۔ تو تم ہلاک ہو جاؤ گے۔ (۲۔ تاریخ: ۱۱/۱۲۔۱۵)

کچھ عرصہ بعد ایک بگولہ اٹھا۔ اس میں سے ایک آتشیں گاڑی برآمد ہوئی۔ جس میں بیٹھ کر حضرت الیاس آسمان کی طرف اڑ گئے۔ (ڈاب: ص ۱۶۸۔۱۷۰)

مآخذ:۔ ۱۔ بائبل۔ سلاطین۔ ۱، ۲۔ قرآن مقدس، ۳۔ شاس۔ ص ۱۶۴،

۴۔ قصص۔ ج ۲، ص ۲۶۔ ۲۷، ۵۔ ڈاب۔ ص ۲۲، ۱۶۸، ۶۔ اعلام۔ ص ۶۶،

۴۶۔ الیَسَع

قرآن مقدس میں ہے:۔

وَإِسْمَٰعِيلَ وَٱلْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا ۚ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ۙ (انعام: ۸۶)

(ہم نے اسماعیل، الیسع، یونس اور لوط کو دنیا والوں پہ فضیلت دی)

یہ الیَسع یا تو بائبل کا یَسیعاہ (الیَسِع) ہے۔ جس نے یہوداہ[1] کے سلاطین اوزیہ، جاتھم (۷۵۸ قم)، احاذ (۷۴۲ قم) اور حزقیاہ (۷۲۶ یا ۶۹۸ قم) کے زمانے میں کچھ پیشگوئیاں کی تھیں۔ جب حزقیاہ کے بعد مَنَسِہ (Manasseh) تخت پہ بیٹھا۔ تو اس نے انہیں آرے سے چروادیا۔ (ڈاب: ص ۲۶۰)

ان کا ایک صحیفہ بھی تھا۔ جس میں ۶۶ ابواب ہیں اور ۶۲ صفحات۔ یہ بائبل میں شامل ہے۔

یا یہ بائبل کا الیشع بن شفط (سفوط) ہے۔ جو شمالی جارڈن کی ایک بستی ابیل محولہ کا رہنے والا تھا۔ ایک دفعہ حضرت الیاسؑ جبل حوراب (جس کی ایک چوٹی کا نام طور ہے) کی ایک غار میں عبادت کرنے کے بعد دمشق کو واپس جا رہے تھے۔ کہ ابیل محولہ کے ایک کھیت میں ایک کسان کو ہل چلاتے دیکھا۔ اس کے قریب گئے اور اپنی چادر اس کے کندھوں پہ ڈال دی۔ یہ گویا دو باتوں کا اعلان تھا:۔

اول: کہ اللہ نے تمہیں نبوت سے نوازا ہے۔

دوم: میں آج سے تمہیں اپنا فرزند سمجھوں گا۔

الیسعؑ اپنی بستی کو چھوڑ کر الیاسؑ کے ساتھ چل دیا۔ اور اس کے بعد سات سال تک اس کی کوئی خبر نہ آئی۔ پھر جب وہ واپس آیا۔ تو جلد مرجع خلق بن گیا۔

حضرت الیاسؑ ایک بدوی تھا۔ صحرا پسند، جو کبھی کبھی شہروں میں بھی جاتا تھا اور اللہ کا پیغام سنا کر لوٹ آتا۔ اس کے بال لمبے اور بکھرے ہوئے تھے۔

دوسری طرف الیسع علیہ السلام ایک مہذب شہری تھا۔ لباس شُرفائے اسرائیل جیسا۔ بال کٹے اور سنورے ہوئے اور ہاتھ میں عموماً عصا۔

اسے احاب[2] کی وفات (۸۹۶ قم یا ۸۵۳ قم) سے چار سال پہلے نبوت ملی تھی۔ اور جوش یا جیہوش کے عہد سلطنت (۸۷۸۔۸۳۸ قم) میں وفات پائی۔ یہ کچھ عرصہ جارڈن کے ایک گاؤں جریکو (Jericho) میں بھی رہا۔ پھر وسطی فلسطین کے ایک شہر بیت ایل میں چلا گیا۔ اس نے بادشاہان یہوداہ و اسرائیل کی معجزات سے مدد کی۔ جارڈن کی ایک بستی شُنیم (Shunem) میں ایک مردہ بچے کو زندہ کیا۔ اور شامی افواج کے سپہ سالار اعظم نعمان کو مرض برص سے نجات دلائی۔ (۲۔ سلاطین ۵/۱۵)

---

[1] یہوداہ کی سلطنت بحیرۂ مردار اور بحیرۂ روم کے درمیان بئر شیبہ سے یوروشلم کے شمال تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ بنو اسرائیل کے ایک قبیلے بنو یہوداہ نے قائم کی تھی۔ یہ ۹۷۵ ق م سے ۵۸۷ قم تک ۳۸۸ برس جاری رہی۔ اس کے سلاطین کی تعداد ۳۹ تھی۔ (کمنٹیئن: ۱۸۳)

[2] جب اسرائیل کے قبائل مصر سے فلسطین میں آئے تو رفتہ رفتہ شمال و جنوب میں ان کی سلطنتیں قائم ہو گئیں۔ جنوبی سلطنت یہوداہ کہلاتی تھی اور شمالی اسرائیل جس کے تیس بادشاہوں نے ۲۲۰ سال تک حکومت کی۔ ان میں سے صرف ۱۸ بادشاہوں کے نام معلوم ہوئے ہیں لیکن ان کے سنینِ وفات کے متعلق کافی اختلاف ہے۔ ان اٹھارہ کے نام یہ ہیں۔

۱۔ جیروبام ۲۔ نداب ۳۔ باشہ ۴۔ ایلہ ۵۔ زمری ۶۔ عُمری ۷۔ احاب ۸۔ احاذیہ
۹۔ جی ہورام ۱۰۔ جیہو ۱۱۔ جیہوآز ۱۲۔ جی ہوش ۱۳۔ جیروبام۔ دوم ۱۴۔ زکریا ۱۵۔ شلوم
۱۶۔ مناہیم ۱۷۔ پیکب اور (۱۸) ہوشیا (کمنٹیئن ص ۱۸۳)

باقی حکایات ۲۔سلاطین کے ابواب ۵ تا ۱۳ میں دیکھیے۔ یہ اپنے گاؤں ابیل محولہ میں فوت ہوئے اور وہیں دفن ہوئے۔

کچھ عرصے کے بعد لوگوں نے ایک مردہ حضرت الیسعؑ کی قبر میں دفن کرنا چاہا۔ جب اس کا پاؤں الیسعؑ کی میت پہ پڑا۔ تو وہ فوراً زندہ ہوگیا۔ (۲۔سلاطین۔۱۳/۲۱۔۲۲)

آپ کا پیغام ۲۔سلاطین کے ابواب ۳۔۹ میں درج ہے۔ اور اس کی نوعیت عموماً تنذیر کی ہے۔

ماٰخذ:۔ ۱۔تورات، ۲۔قرآنِ حکیم، ۳۔کمپینین۔ص ۱۸۳،

۴۔اعلام۔ص ۶۶، ۵۔قصص۔ج ۲،ص ۳۳، ۶۔ڈاب۔ص ۱۷۱،

۴۷۔ اِمامِ مُبین

امام کے کئی معانی ہیں:۔

رہنما۔ لیڈر۔ سامنے

ایسا مقام جس کا قصد کیا جائے اور کھلا راستہ۔

سورۂ حجر میں ہے:۔

وَاِنَّهُمَا لَبِاِمَامٍ مُّبِيْنٍ ؀ (حجر:۷۹)

(کہ قومِ لوط اور اہلِ ایکہ کی تباہ شدہ بستیاں کھلی اور واضح شاہراہ پر ہیں)

یہ وہی تجارتی شاہراہ ہے۔ جو جنوب میں یمن سے شروع ہو کر بحیرۂ قلزم کے کنارے کنارے مدین تک اور پھر فلسطین کو کاٹتی ہوئی دمشق۔ حلب۔ لبنان اور ایشیائے صغیر کے بڑے بڑے شہروں تک جاتی تھی۔ یہ عقبہ کے پاس ایکہ کے آباد جنگلوں اور یوروشلم کے جنوب میں سڈوم کے قریب سے گذرتی تھی۔ یہ شہر (سڈوم) آج بحیرۂ مردار کے نیچے ڈوبا ہوا ہے یا اس کے جنوبی ساحل پہ واقع ہے اور ایکہ کے کھنڈر بھی اس راہ کے قریب ہی ہیں۔

(لقر:ج۔۱،ص ۲۳۸)

۴۸۔ اِمْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ (بلقیس)

سورۂ نمل میں ہے کہ ایک دن حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں ہُد ہُد دیر سے پہنچا۔ اور وجۂ تاخیر یہ بتائی:۔

وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ؀ اِنِّيْ وَجَدْتُّ امْرَاَةً تَمْلِكُهُمْ

وَ اُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَّلَهَا عَرْشٌ عَظِيْمٌ ٥
وَجَدْتُّهَا وَقَوْمَهَا يَسْجُدُوْنَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ

(نمل:۲۳۔۲۴)

(کہ میں سبا سے ایک یقینی خبر لایا ہوں۔ وہاں ایک عورت کی حکومت ہے۔ جس کے پاس ہر قسم کا سامان موجود ہے اور وہ عظیم الشان تخت کی بھی مالکہ ہے۔ وہ اور اس کی قوم اللہ کو چھوڑ کر آفتاب پرستی میں مبتلا ہے۔)

تورات و قرآن دونوں میں سبا کی ایک ملکہ کا ذکر ملتا ہے۔ جو حضرت سلیمان علیہ السلام (آغاز حکومت۔ ۱۰۱۵ق م) سے ملنے کے لیے یروشلم گئی تھی اور ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئی تھی۔

سبا، آلِ قحطان کی ایک شاخ کا جدِ امجد تھا۔ جس کا نام عبدِ شمس اور لقب سبا تھا۔ اس کے والد کا نام یشجب اور دادا کا نام یعرب تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے:۔

۱۔ کہلان اور ۲۔ حمیر

آلِ کہلان مآرب پہ حکمران رہی۔

اور آلِ حمیر جنوبی یمن یا سارے یمن پر۔

مآرب صنعاء و حضر موت کے درمیانی علاقے کا نام تھا اور دار الحکومت کا بھی۔ اس علاقے میں جنوبی عرب مثلاً عسیر۔ نجران اور یمامہ کی جنوبی بستیاں بھی شامل تھیں۔ (ارض القرآن۔ ج۔۱، ص۲۳۶)

یمن کے کتبات نیز تورات (زبور:۲/۷۲/۱۰) سے پتہ چلتا ہے کہ داؤد علیہ السلام کے زمانے میں بھی سبا کی حکومت موجود تھی۔

پروفیسر زبید احمد ادب العرب (ص۳۰) میں لکھتے ہیں کہ آلِ سبا یمن پر ۱۱۰۰ق م سے ۱۱۵ق م تک حکمران رہی۔ اس کے دو دور تھے:

- پہلا دور ۱۱۰۰ق م سے ۵۵۰ق م تک تھا۔ اس کے سلاطین مکارب کہلاتے تھے۔
- دوسرا دور ۵۵۰ق م سے ۱۱۵ق م تک۔ اس کے بادشاہ ملوکِ سبا کے نام سے مشہور تھے۔

ملکۂ سبا (بلقیس) کا تعلق پہلے دور سے تھا۔

۱۱۵ق م سے حمیر کا دور شروع ہوا۔ ان کے دو سلسلے تھے:۔

۱۔ ملوکِ حمیر، جن کی حکومت صرف یمن پر تھی۔

۲۔ تبابعہ، جو حضر موت پر بھی قابض تھے۔

اول الذکر کا دور اقتدار ۱۱۵ق م سے ۲۸۰ عیسوی تک تھا اور آخر الذکر کا ۲۸۰ء سے ۵۲۵ء تک۔

باقی تفاصیل:۔ سبا۔ سلیمان اور تُبّع کے تحت دیکھیے۔

مآخذ:۔ ۱۔ادب العرب۔ ص ۳۰، ۲۔قرآن حکیم، ۳۔تورات، ۴۔ارض القرآن۔ ج۔۱، ص ۲۳۶

۴۹۔ اِمْرَأۃُ زکریّا

جب (مسیح کی والدہ) حضرت مریم پیدا ہوئی تو قرعہ اندازی کے بعد وہ پرورش کے لیے اپنے خالو حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئی۔ حضرت زکریاؑ جب بھی مریم کو دیکھنے کے لیے عبادت گاہ میں جاتے۔ تو اس کے سامنے کھانے پینے کی کئی اشیاء پاتے اور پوچھتے کہ یہ چیزیں کہاں سے آئی ہیں۔ مریم کہتی۔ کہ یہ اللہ نے براہ راست بھیجی ہیں۔ خدائی قدرت کی یہ شان دیکھ کر انہوں نے دُعا کی۔ کہ

اے اللہ! مجھ پر بھی ایک نوازش کر۔ کہ مجھے اولاد عطا فرما۔

وہ اپنی عبادت گاہ میں مصروف صلوٰۃ تھے۔ کہ فرشتے نے آواز دی:

اے زکریا! اللہ تمہیں ایک ایسے فرزند کی بشارت دیتا ہے۔ جو نبوت کے منصب پہ سرفراز ہوگا۔ اور اس کا نام یحییٰ ہوگا۔

زکریا کہنے لگے۔ کہ یہ کیسے ممکن ہے:۔

قَدْ بَلَغَنِیَ الْکِبَرُ وَامْرَاَتِیْ عَاقِرٌ ط (عمران:۴۰)

(کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے)

آپ کی بیوی یشبع، حضرت مریم کی والدہ حنّہ کی حقیقی بہن تھی اور بقول انجیل:

''اس کی بیوی ہارون کی اولاد میں سے تھی۔ اور اس کا نام یشبع تھا۔'' (لوقا:۱/۵)

۵۰۔ اِمرأۃُ العزیز

لفظی معنی:۔ عزیز کی زوجہ۔

سورۂ یوسف میں دو بار اس کا ذکر آیا ہے۔

پہلی دفعہ جب مصر کی عورتوں میں یہ چرچا ہوا۔ کہ

اِمْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰھَا عَنْ نَّفْسِہٖ ج (یوسف:۳۰)

(عزیز کی بیوی اپنے خادم یا غلام سے ایک ناجائز مطالبہ کر رہی ہے)

اور دوسری بار، جب یوسف جیل[1] سے نکل کر فرعون کے دربار میں آنے والے تھے تو فرعون نے بعض زنانِ مصر سے پوچھا۔ کہ کیا یوسف واقعی خطا کار تھا؟ تو سب نے کہا۔ کہ وہ معصوم تھا۔ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں دیکھی۔

جب زوجۂ عزیز نے دیکھا کہ صداقت سامنے آگئی ہے۔ تو کہنے لگی:

أَنَا رَاوَدْتُهُ عَنْ نَفْسِهِ وَإِنَّهُ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (یوسف:۵۱)

(کہ میں نے ہی اس سے ناجائز مطالبہ کیا تھا۔ ورنہ وہ تو صادق و راست باز ہے)

عزیز نام نہیں۔ بلکہ حکومتِ فرعون میں ایک منصب تھا۔ اس کا ذاتی نام فوطیفار تھا:

''وہ (قافلے والے) یوسف کو مصر میں لائے۔ اور فوطیفار مصری نے، جو فرعونی امیر اور بادشاہ کے ذاتی محافظوں کا سردار تھا۔ قافلے والوں سے اسے خرید لیا۔'' (پیدائش:۳۹/۱)

اس کی بیوی کا نام نہ تورات میں درج ہے اور نہ قرآن میں۔ البتہ ہمارے حکایت نگاروں نے اسے زلیخا کے نام سے یاد کیا ہے۔ یہ زَلَخَ یزلخ زَلْخًا سے مشتق ہے۔ جس کے معنی ہیں:۔ پھسلنا۔ نیز دروازے کو بند کرنا۔

أَزْلَخَ الْبَابَ: اس نے دروازہ بند کیا۔ (منجد)

چونکہ زوجۂ عزیز کے قدم بھی پھسلے تھے۔ اور اس نے ایک مرتبہ یوسف کو پھانسنے کے لیے دروازہ بھی بند کیا تھا۔ اس لیے ممکن ہے کہ پہلے یہ اس کا صفاتی نام ہو۔ جو رفتہ رفتہ ذاتی بن گیا ہو۔ بعض مفسّرین نے اس کا نام راعیل لکھا ہے۔ لیکن کسی نوشتے یا کتبے سے اس کی تائید نہیں ہو سکی۔

چونکہ فراعین کا دارالحکومت مختلف ادوار میں بدلتا رہا ہے۔ کبھی ممفس تھا۔ کبھی رامسس اور کبھی کچھ اور۔ اس لیے یہ بتانا کہ یہ واقعہ کہاں ہوا تھا۔ بہت دشوار ہے۔

یاقوت حموی نے معجم البلدان (جلد۔۶ ''عین'') میں لکھا ہے۔ کہ ان دنوں فرعون کا دارالحکومت عینِ شمس تھا۔ یہ شہر موجودہ قاہرہ کے قریب ہی تھا۔ اور زلیخا بھی یہیں رہتی تھی۔

مآخذ:۔ ۱۔معجم۔ج۲،''بو''، ۲۔معجم۔ج۶،''عین''، ۳۔منجد۔''زلخ''، ۴۔پیدائش۔۳۹/۱، ۵۔قرآنِ حکیم، ۶۔اعلام۔ص۷۹

۵۱۔ اِمرأۃُ عمران

قرآن میں ہے:۔

''جب عمران کی بیوی نے کہا۔ کہ اے رب! میں اپنے اس بچے کو جو میرے پیٹ میں ہے،

---

[1] یاقوت لکھتا ہے کہ:
یہ جیل مصر کے ایک شہر بُوصیر میں تھی۔ (معجم: ج۲ ''بو'')

تمام بکھیڑوں سے آزاد کر کے (بیت المقدس کی خدمت کے لیے) تیری نذر کرتی ہوں۔تو اسے قبول کر۔کہ تو سننے اور جاننے والا ہے۔پھر جب اس کے پیٹ سے بچی پیدا ہوئی۔تو کہنے لگی۔اے رب! (نذر کے لیے تو بیٹا ہوتا ہے اور) یہ بیٹی ہے۔اللہ کو علم تھا۔کہ اس نے کیا جنا۔بے شک لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔میں نے اس کا نام مریم (خادمہ) رکھ دیا ہے۔اور میں اسے اور اس کی نسل کو شیطان لعین سے بچنے کے لیے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔" (عمران:۳۵)

قرآن میں حضرت مریم کے والد کا نام عمران دیا ہوا ہے۔اور مسیحی نوشتوں میں ہیلی۔ایک اور روایت کے مطابق ہیلی یوسف (شوہر مریم) کا والد اور ماثان بن العذار کا بیٹا تھا۔انہی نوشتوں کے مطابق مریم کی والدہ کا نام حنہ تھا۔ (اعلام القرآن:ص ۷۰)

۵۲۔اِمرأۃُ فرعون

قرآن میں ہے۔کہ:

جب والدۂ موسیٰ نے موسیٰ کو تابوت میں رکھ کر دریا میں بہا دیا۔تو اسے فرعون کے نوکروں، چاکروں نے اٹھالیا۔اور فرعون کے سامنے لے گئے۔زوجۂ فرعون کو بچے سے محبت ہوگئی اور وہ

وَقَالَتِ امْرَاَتُ فِرْعَوْنَ قُرَّتُ عَيْنٍ لِّىْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ (قصص:۹)

(کہنے لگی۔یہ بچہ ہم دونوں کی آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔اسے قتل نہ کیجئے۔یہ شاید ہمیں فائدہ پہنچائے یا ہم اسے بیٹا بنالیں)

اس کہانی میں فرعون کی بیٹی کا کہیں ذکر نہیں۔یہ الگ بات ہے کہ ہم فالفظ آل فرعون میں آلِ فرعون سے نوکر چاکر نہیں بلکہ صرف بیٹی مراد لیں۔لیکن تورات کی کہانی میں مرکزی کردار بیٹی کا ہے:

"تب فرعون کی بیٹی غسل کرنے کو دریا پہ آئی اور اس کی سہلیاں دریا کے کنارے پر پھرنے لگیں۔اس نے جھاؤ میں ٹوکرا دیکھ کر اپنی سہیلی کو بھیجا کہ اسے اٹھالائے۔اسے کھولا تو اندر ایک بچہ دیکھا وہ رو رہا تھا۔اسے اس پر رحم آیا...... تب موسیٰ کی بہن نے کہا۔کہیے تو میں ایک دائی لے آؤں۔جو اسے دودھ پلائے...... اور وہ اس کی ماں کو بلا لائی...... جب بچہ پل گیا۔تو وہ اسے فرعون کی بیٹی کے پاس لے گئی۔اس نے اسے اپنا بیٹا بنالیا۔اور اس کا نام موسیٰ رکھا۔کیونکہ اس نے اسے پانی سے نکالا تھا۔" (خروج:۲/۵۔۱۰)

زوجہ فرعون کا ذکر سورۂ تحریم میں بھی آیا ہے:۔

وَضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا لِّلَّذِیْنَ اٰمَنُوا امْرَاَتَ فِرْعَوْنَ م ...... (تحریم:۱۱)

(اللہ نے فرعون کی بیوی کو اہل ایمان کے لیے بطور نمونہ پیش کیا ہے۔اس نے اللہ سے دُعا کی تھی۔کہ اے رب! جنت میں میرے لیے گھر بنا۔اور مجھ کو فرعون اور اس کے کرتوتوں سے محفوظ رکھ)

بیشتر مفسّرین نے اس کا نام آسیہ بتایا ہے۔ (جلالین :ص ۴۶۴)

فراعین کے مذہب میں بہن سے بھی نکاح ہو سکتا تھا۔(اعلام ص ۱۷) اس لیے ممکن ہے کہ فرعون موسیٰ کی بیوی اس کی بہن ہو۔اور بڑے فرعون کی بیٹی۔

مآخذ:۔ ۱۔جلالین۔ص ۴۶۴، ۲۔خروج۔۲/۵۔۱۰، ۳۔اعلام۔ص ۱۷، ۴۔قرآن شریف،

۵۳۔اُمِّ مُوسیٰ

قرآن میں حضرت موسیٰ کی والدہ کا ذکر بار بار آیا ہے۔لیکن یہ مذکور نہیں۔کہ وہ کون تھی۔اور اس کے آباو اجداد کون تھے؟

تورات نے صرف اتنا ہی کہا ہے:

''اور لاوی کے گھرانے کے ایک شخص (عمران) نے لاوی نسل کی ایک عورت سے بیاہ کیا۔ وہ عورت حاملہ ہوئی۔اور اس کے بیٹا ہوا۔اس نے اس خوبصورت بچے کو تین ماہ تک چھپائے رکھا۔اور جب زیادہ نہ چھپا سکی۔تو اسے سرکنڈے کے ایک ٹوکرے میں ڈال کر دریا کے کنارے ایک جھاڑ میں رکھ دیا۔'' (خروج:۲/۱۔۴)

تورات (خروج:۶/۲۰) میں ہے۔کہ حضرت ہارون اور حضرت موسیٰ کی والدہ کا نام یُوکبد تھا۔

''یوکبد (Jochebed) لاوی کی بیٹی تھی۔مصر میں لاوی کے ہاں پیدا ہوئی تھی۔یہ ہارون،موسیٰ اور مریم کی ماں تھی۔'' (گنتی:۲۶/۵۹)

لاوی حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں میں سے ایک تھا۔جو آپ کی زوجہ لیاہ سے پیدا ہوا تھا۔ (پیدائش:۳۵/۲۳)

مآخذ:۔ ۱۔خروج ۲/۱۔۴، ۲۔ایضاً۔۶/۲۰، ۳۔پیدائش۔۳۵/۲۳، ۴۔گنتی۔۲۶/۵۹، ۵۔ڈاب۔ص ۷،

۵۴۔انجیل

انجیل ان چار صحائف کا نام ہے۔ جو حضرت مسیحؑ کے پیغام وسوانح پہ مشتمل ہیں اور جنہیں عہد نامۂ جدید بھی کہتے ہیں۔ ان میں کچھ اختلافات بھی ہیں اور کچھ اس قسم کی مثالیں بھی۔ کہ حضرت مسیحؑ کا کوئی وعظ یا واقعہ کسی ایک انجیل میں تو مذکور ہے۔ لیکن باقی میں موجود نہیں۔ اس کی وجہ غالباً انجیل نگاروں کی احتیاط تھی کہ ان میں سے ہر ایک نے وہی بات لکھی۔ جو خود سنی تھی یا قابل اعتماد ذرائع سے اس تک پہنچی تھی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لوقا نے بعض ان مواعظ کو چھوڑ دیا ہو۔ جنہیں متی سپردِ قلم کر چکا تھا۔ اور یہی بات مرقس اور یوحنا نے بھی کی ہو۔

اختلاف کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ متی ایک واقعہ کا عینی شاہد ہو اور اس نے لکھ لیا ہو۔ لیکن لوقا تک وہ پہنچا ہی نہ ہو۔ یا پہنچا تو ہو لیکن راوی اتنا ضعیف ہو۔ کہ لوقا کو اعتبار نہ آیا ہو۔

ایک اور بات بھی پیشِ نظر رہے۔ کہ:

> انجیل نگار مختلف شہروں میں بستے تھے۔ غالباً ان کا مستقل رابطہ ایک دوسرے سے قائم نہ تھا۔ وہ جو کچھ لکھتے تھے۔ وہ ان کی اپنی ہی محنت وتلاش کا نتیجہ ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ اس صورت میں اناجیل کا موضوع اسلوب اور ان کی زبان ایک نہیں ہو سکتی تھی۔

انجیل نگار

انجیل لکھنے والے چار تھے:۔

۱۔متی ۲۔مرقس ۳۔لوقا اور ۴۔یوحنا

متی

متی کا عبرانی نام لیوی تھا (لوقا: ۵/ ۲۷۔۲۹) حلفئی کا بیٹا۔ گلیلی کا رہنے والا۔ یہ بحیرۂ گلیلی کے ایک ساحلی شہر، کفرنام، میں حکومت روم کی طرف سے محصول جمع کرنے پہ مقرر تھا۔ جب حضرت مسیح علیہ السلام اس چنگی کے قریب سے گذرے اور متی پہ نظر پڑی تو اسے اپنے ساتھ لے لیا۔

> ''جب وہ جا رہا تھا۔ تو اس نے حلفئی کے بیٹے لیوی کو محصول کی چوکی پہ بیٹھے دیکھا۔ اور اس سے کہا۔ کہ میرے پیچھے ہولے۔ پس وہ اٹھ کر اس کے پیچھے ہولیا۔'' (مرقس: ۲/ ۱۴)

یہ آخر تک مسیح کے ساتھ رہا۔ اس نے رفع مسیح[۱] (۷ اپریل ۳۰ء) سے آٹھ یا بارہ اور اغلب یہ کہ بیس برس بعد (۵۰ء) فلسطین میں اپنی انجیل مکمل کی تھی۔ (ڈاب: ص ۳۸۹)

---

۱ بعض لوگ مسیح کو ۱ء کی پیدائش سمجھتے ہیں۔ اُن کے نزدیک آپ کو تیس۔ اکتیس سال کی عمر میں نبوت ملی تھی اور ۳۳ء میں واقعۂ صلیب پیش آیا تھا۔ لیکن نئی تحقیق یہ ہے کہ مسیح ۴۔ق م میں پیدا ہوئے تھے۔ ۲۷ء کو نبوت ملی اور ۳۰ء میں صلیب کا واقعہ ہوا۔

اس انجیل کی زبان عبرانی تھی۔ جس کا یونانی ترجمہ خود متی نے ہی کیا تھا۔ لیکن ڈاب (ص ۳۸۹) کی رائے یہ ہے کہ یونانی ترجمہ کسی اور کا تھا۔ (ڈاب: ص ۳۸۸)

مرقس

یروشلم کی ایک خاتون مریم کا بیٹا۔ مشہور حواری برنابا کا عم زاد، جس کا اصلی نام جان تھا۔ اور عُرف مارک یا مرقس۔ پطرس عموماً ان کے گھر جاتا اور مسیح کا پیغام سناتا تھا۔ یہ اسی کی تبلیغ کا اثر تھا کہ مرقس ایمان لے آیا۔ پطرس اسے ''اپنا فرزند'' (ا۔ پطرس۔ ۵/۱۳) کہا کرتا تھا۔ یہ پال۔ برنابا اور پطرس کے ہمراہ تبلیغ پہ جاتا رہا۔ پال کے ہمراہ روم کی ایک جیل میں بھی رہا۔ (کلسیون: ۴/۱۰) آزاد ہونے کے بعد یہ پطرس کے ساتھ بابل چلا گیا۔ پطرس سے اس کے تعلقات اس قدر گہرے تھے۔ کہ اس کی انجیل کو پطرس کے خیالات کا ترجمان سمجھا جاتا ہے۔ یا یوں کہہ لیجئے۔ کہ یہ تعلیمات پطرس کی آئینہ دار تھی۔

یہ پطرس کے کہنے پر مصر میں بھی پہنچا۔ وہاں کلیسائے اسکندریہ کی بنا ڈالی۔ پھر پطرس ہی کے حکم سے اس کا بشپ مقرر ہوا۔ اور وہیں شہادت پائی۔

اس نے انجیل کب لکھی تھی؟

اس میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ قول راجح یہی ہے۔ کہ یہ ۶۳ء اور ۷۰ء کے درمیان لکھی گئی تھی۔

کہاں لکھی گئی تھی؟

اس کے متعلق بھی اختلاف ہے۔ کوئی روم بتاتا ہے اور کوئی اسکندریہ۔

کس زبان میں لکھی گئی تھی؟

مقبول ترنظریہ یہی ہے کہ یونانی میں لکھی گئی تھی۔

لیکن ایک محقق بیرونیس (Baronius) لاطینی بتاتا ہے۔ (شاس ص ۱۷۳، ڈاب: ص ۳۷۸)

لُوقا

انطاکیہ کا یہ طبیب و مصور اسکندریہ میں پال[۱] کا رفیق و معاون بنا اور تبلیغی دوروں پر اس کے ہمراہ جانے لگا۔ ایک دفعہ یہ اس کے ساتھ مقدونیہ کے ایک شہر فلپی تک گیا تھا۔ پال تو کہیں آگے چلا گیا۔ اور یہ وہیں ٹھہر گیا۔ جب سات سال بعد ۵۸ء میں پال دوبارہ فلپی گیا۔ تو واپسی پر یہ بھی ساتھ ہو لیا۔ چنانچہ یہ ٹائر[۲] اور قیساریہ[۳] سے ہوتے ہوئے یوروشلم میں پہنچے۔ کچھ عرصہ بعد یہ روم کو روانہ ہو گئے۔ یہ پال کے ساتھ دو مرتبہ جیل میں بھی رہا۔ اس کی وفات ۷۵ء اور ۱۰۰ء کے درمیان ہوئی تھی۔ اور پال کچھ عرصہ پہلے مر چکا تھا۔

۱۔ ایشیائے صغیر کے ایک شہر طرسوس کا یہ یہودی سردار قبیلۂ بن یامین سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا پہلا نام ساؤل تھا۔ بہت متعصب اور عیسائی کش واقع ہوا تھا۔ ایک روز اسے عیسیٰ نظر آئے اور یہ ایمان لے آیا۔ اس کے بعد بہت بڑا مبلغ بن گیا۔

۲۔ بحر شام کے ساحل پہ فلسطین کا ایک شہر۔ ۳۔ شام کے مغرب میں ایشیائے صغیر کا ایک شہر۔

لُوقا نے اپنی انجیل اس وقت لکھی۔ جب پال قیساریہ میں قید تھا۔ یعنی ۵۸ء اور ۶۰ء کے درمیان۔ یہ قیساریہ ہی میں مکمل ہوئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اسکندریہ یا مقدونیہ یا روم میں لکھی گئی تھی۔ لیکن تاریخی شہادت قیساریہ کے حق میں ہے۔ (ڈاب: ص ۳۶۰)

یُوحنّا

بحیرۂ گلیلی کے ایک مچھیرے زبدی کا بیٹا اور جیمز (حواری) کا بھائی تھا۔ یہ جیمز، نیز اپنے دوست پطرس اور حضرت مسیح سب سے چھوٹا تھا۔ اور یہ تینوں حضرت مسیح کے خاص مُقربین میں سے تھے۔

جب حضرت مسیح علیہ السلام گرفتار ہوئے۔ تو سارے حواری خوف و ہراس کی حالت میں ادھر اُدھر بھاگ نکلے۔ یہ بھی اس خوف کا شکار ہوا۔ لیکن جلد سنبھل گیا۔ اور پطرس کے ہمراہ اس عدالت تک گیا۔ جس میں حضرت مسیح کا مقدمہ تھا۔ پطرس کو باہر روک دیا گیا۔ اور یُوحنّا کو اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ کچھ دیر بعد یُوحنّا باہر آیا۔ اور پطرس کو بھی اندر لے گیا۔ وہاں سے یہ دونوں جلاد کے دفتر میں پہنچے اور جب وہاں سے دار کی طرف روانہ ہوئے۔ تو ان کے ہمراہ حضرت مریم۔ یُوحنّا کی والدہ، اور ان دونوں کی ایک سہیلی مریم مگدلینی بھی تھی۔

حضرت مسیح نے تختۂ دار سے یوحنا کو کہا کہ میں جا رہا ہوں، اور اب میری ماں تمہارے حوالے ہے۔ تم بیٹا بن کر اس کی خدمت کرنا۔ (یُوحنّا ۱۹/ ۲۶۔۲۷)

انجیل کے مطابق حضرت مسیح تیسرے دن جی اٹھے تھے۔ وہ سب سے پہلے مریم مگدلینی کو اپنے مدفن کے پاس نظر آئے اور اس کے بعد دس شاگردوں کو اس کمرے میں دکھائی دیے۔ جہاں یہ لوگ چھپ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ (یُوحنّا: ۲۰/ ۱۹)

ایک دو دن بعد یوحنا نے بحیرۂ گلیلی کے کنارے پر صبح کے دھندلکے میں پھر مسیح کو دیکھا۔ نیز پطرس کو دکھایا۔ اور پطرس مسیح علیہ السلام تک پہنچنے کے لیے دریا میں کود پڑا۔ (یُوحنّا: ۲۱/ ۷)

کچھ عرصہ بعد (۶۲ء) یہ ایشیائے صغیر کے ایک ساحلی شہر افیسس میں اقامت پذیر ہو گیا۔ وہاں سے رومی اسے روم لے گئے۔ اور ابلتے ہوئے تیل میں ڈال دیا۔ لیکن یہ بچ گیا۔ اور اس پر آگ کا کوئی اثر نہ ہوا۔ پھر اسے یونان کے ایک جزیرے پٹماس (Patmos) میں جلاوطن کر دیا گیا۔ وہاں سے جب رہا ہو کر اپنے وطن افیسس میں پہنچا۔ تو ۹۰ء۔۱۲۰ء کے درمیان وفات پا گیا۔

اس نے ۷۸ء کے قریب اپنی انجیل مکمل کی تھی۔ (ڈاب: ص ۳۰۸۔۳۱۰)

ماٰخذ:۔ ۱۔ لُوقا۔ ۵/ ۲۷۔۲۹، ۲۔ مرقس۔ ۲/ ۱۴، ۳۔ ۱۔ پطرس۔ ۵/ ۱۳، ۴۔ کلسیون۔ ۴/ ۱۰، ۵۔ یُوحنّا۔ ۱۹/ ۲۶۔۲۷، ۶۔ ایضاً۔ ۲۰/ ۱۹، ۷۔ ایضاً۔ ۲۱/ ۷،

۸۔شاس۔ص ۱۷۳، ۹۔ڈاب۔ص ۳۰۸، ۳۶۰، ۳۷۸، ۳۸۸، ۳۸۹

۵۵۔اہل البیت

قرآن میں یہ ترکیب دو مرتبہ استعمال ہوئی ہے:۔

اول: سورۂ ہود (ع۔۷) میں حضرت سارہ، زوجۂ ابراہیم علیہ السلام کے متعلق بات یوں ہوئی۔ کہ ایک دفعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتے یہ بشارت لے کر آئے۔ کہ سارہ کے ہاں جلد ایک فرزند (اسحاقؑ) پیدا ہوگا۔ وہ پاس ہی کھڑی تھی، حیرت سے پوچھنے لگی۔ کہ میں بوڑھی اور میرا شوہر بھی بوڑھا۔ ان حالات میں اولاد کیسے ہوگی؟

فرشتوں نے کہا:

أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللَّهِ رَحْمَتُ اللَّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ ۚ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ ۝ (ہود:۷۳)

(کیا تم اللہ کے فیصلے پہ اظہار حیرت کر رہی ہو؟ اے گھر کی مالکہ! تم پر اللہ کی رحمت اور برکات نازل ہوں۔ اللہ کی ذاتِ مقدس بڑی ہی قابل ستائش اور عظیم ہے)

دوم: ازواجِ حضور ﷺ کے متعلق۔

انہیں اللہ نے حکم دیا تھا کہ:

''اے نبی کی بی بیو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ اس لیے احتیاط برتو اور دبی آواز میں بات نہ کیا کرو۔ تاکہ بداندیشوں کے دل میں غلط قسم کی امیدیں پیدا نہ ہوں۔ بات کرنے کا انداز فطری و قدرتی ہو۔ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھو۔ زنانِ جاہلیت کی طرح سنگھار کی نمائش نہ کرو۔ نماز پڑھو، زکوٰۃ دو اور خدا اور رسول کی اطاعت کرو۔ کیونکہ:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝

''اے گھر والیو! اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ وہ تمہاری آلائشوں کو دھو کر تمہیں پاک و صاف کر دے۔'' (احزاب:۳۳)

دونوں مقامات پر یہ ترکیب **نساء** البیت کے لیے استعمال ہوئی ہے۔ لیکن ہمارے بعض اکابر امت نے حضرت علیؓ۔ امام حسنؓ۔ امام حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ الزہراء کو بھی اہل بیت میں شمار کر لیا ہے۔ ان میں قابل ذکر

ابوسعیدؓ الخدری۔ قتادہ اور مجاہد ہیں۔ ان کا استدلال یہ ہے۔ کہ "کم" کی ضمیر مذکر کے لیے استعمال ہوتی ہے۔ اس لیے اس میں حضرت علیؓ اور حسنین بھی شامل ہیں۔

علاوہ ازیں مسند احمد بن حنبل اور بعض دیگر کتب حدیث میں حضرت ام سلمہؓ کی روایت کردہ یہ حدیث موجود ہے۔

فرماتی ہیں کہ:۔

جب یہ آیت نازل ہوئی۔ تو حضور صلعم میرے گھر میں بیٹھے تھے۔ اوپر سے حضرت علیؓ۔ فاطمۃؓ الزہراء اور حسنؓ اور حسینؓ بھی آ گئے۔ آپؐ نے انہیں پاس بلایا۔ اور سب پر کالی کملی ڈال کر فرمایا:

"اے اللہ! یہ سب میرے اہل بیت ہیں۔ انہیں پاک کر۔"

میں نے بھی کملی کے اندر سر داخل کر کے پوچھا:

"حضورؐ! کیا میں بھی اہل بیت میں شامل ہوں؟"

فرمایا: "بے شک"

إِنَّكَ عَلٰى خَيْرٍ

(تم خیر پر ہو)

ابن جریر نے ابوسعیدؓ کی روایت سے بیان کیا ہے۔ کہ اس آیت کے مصداق صرف پانچ ہستیاں ہیں۔ یعنی:۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۲۔ علیؓ ۳۔ فاطمۃؓ الزہراء

۴۔ حسنؓ ۵۔ حسینؓ

علمائے شیعہ کا یہی عقیدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ماخذ:۔ ۱۔ کمالین۔ ص۳۵۲، ۲۔ اعلام۔ ص۸۲، ۳۔ قرآن۔ ہُود و احزاب

۵۶۔ اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ)

لفظی معنی ہیں:۔ الہامی کتاب والے۔

ہمارے بعض مفسرین صائبین۔ اہل چین اور اہل ہند (ہندوؤں) کو بھی اہل کتاب سمجھتے ہیں۔ لیکن قرآن

میں یہ اصطلاح صرف یہود و نصاریٰ کے لیے استعمال ہوئی ہے۔

نصاریٰ

پیروانِ مسیح کئی ناموں سے پکارے جاتے ہیں۔ مثلاً مسیحی۔ عیسائی۔ کرسچین اور نصاریٰ۔ لیکن قرآن نے ان کے لیے عموماً لفظِ نصاریٰ استعمال کیا ہے۔ اس لفظ کی حقیقت یہ ہے۔ کہ مسیح کی والدہ، مریم، شمالی فلسطین کے ایک ضلع گلیلی کے ایک شہر ناصرہ (نصرانہ) میں رہتی تھی۔ مسیح کی ولادت بیت لحم میں ہوئی۔ جہاں مریم کسی کام کو گئی تھی۔ یہ شہر ناصرہ سے ساٹھ میل اور یوروشلم سے کوئی دس میل جنوب میں واقع تھا۔ اور آج بھی موجود ہے۔ ولادت کے بعد ایک فرشتے نے مریم کے شوہر یوسف سے کہا کہ اُٹھ اور اس بچے کو مصر میں لے جا۔ کیونکہ ہیروڈیس [1] اس کی تلاش میں ہے۔ چنانچہ وہ اٹھا اور بچے کو (اس کی ماں سمیت) لے کر مصر کو چل دیا۔ جب چند ماہ بعد ہیروڈیس مر گیا۔ تو فرشتے نے خواب میں یوسف کو کہا کہ اب وطن کو واپس چلا جا۔ چنانچہ وہ:

''گلیل کو روانہ ہو گیا اور ناصرہ نام ایک شہر میں جا بسا۔ تا کہ جو نبیوں کی معرفت کہا گیا تھا وہ پورا ہو۔ کہ وہ مسیح ناصری کہلائے گا۔'' (متی:۲/۲۳)

عرب اس شہر کو نصرانہ یا ناصرہ اور اس کے باشندوں کو نصرانی کہتے تھے۔

(منتہی الارب: ج۲، ''نصر'')

نصرانی کی جمع ہے:۔ نصاریٰ
مُنجد میں ہے۔ کہ نصرانی، ناصرہ کا بے قاعدہ اسم منسوب ہے۔
یہ شہر نصاریٰ کے ہاں بوجوہ اہمیت رکھتا ہے:۔

اوّل: اس لیے کہ یہ مریم کا مسکن تھا۔

دوم: اس کے شمال مشرق میں وہ چشمہ تھا۔ جہاں ایک فرشتے نے حضرت مریم کو ولادت مسیح کی بشارت دی تھی۔ (لُوقا:۱/۲۸)

سوم: یہاں ایک پچاس فٹ اونچی چٹان ہے۔ جہاں سے ناصرہ کے لوگوں نے حضرت مسیح کو نیچے گرانے کا منصوبہ بنایا تھا۔

ناصرہ کے لوگوں سے بوجوہ نفرت کی جاتی تھی:۔

---

[1] ہیروڈیس (۴ ق م) ایک یہودی تھا۔ فلسطین کے جنوب مشرقی صوبے اَیڈوم کا رہنے والا۔ اسے روم کے شہنشاہ جُولیس سیزر (۵۵-۴۴ ق م) نے ۴۷ ق م میں یہوداہ کا گورنر مقرر کر دیا تھا۔ ۴۰ ق م میں روم کی سینٹ نے اسے یہوداہ کا بادشاہ بنا دیا۔ اس نے ۳۷ ق م میں یوروشلم پر قبضہ کر لیا۔ شاہِ روم نے چند اور صوبے بھی اس کی قلمرو میں شامل کر دیے۔ اس نے ۲۰ ق م میں مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر نو کرائی۔ یہ انتہا درجے کا ظالم تھا۔ اس کی وفات مسیح کے سالِ ولادت (۴ ق م) میں ہوئی۔ (ڈ اب: ص ۲۳۷)

اول: اس لیے کہ ان میں اتحاد تھا۔

دوم: کہ وہ ایک کھردری اور ناشائستہ زبان بولتے تھے۔

سوم: کہ وہ تہذیب وشائستگی سے محروم تھے۔ (ڈاب:ص ۴۴۳)

اس وقت کسی کو ناصرہ کہنا گویا اس کی تحقیر کرنا تھی۔ شروع میں پیروانِ مسیح اپنے آپ کو:

☆ برادر (اعمال:۱۵/۱،۲۳/۱)

☆ شاگرد (اعمال:۹/۲۶،۱۱/۲۹)

☆ مومن (اعمال:۵/۱۴)

اور صوفی وولی (رومیوں:۸/۲۷،۱۵/۲۵) کہتے تھے۔

لیکن یہود حقارت سے انہیں گلیلی و ناصری کے نام سے یاد کرتے تھے۔ اس وقت کے یہود کا خیال یہ تھا کہ اہل ناصرہ سے کوئی نیکی ہو ہی نہیں سکتی۔ (ڈاب:ص ۱۰۹)

عیسائی، مسیحی یا کرسچین کی اصطلاحات سے بھی نفرت کی جاتی تھی۔ (اعمال:۲۶/۲۸،۱۔ پطرس:۴/۱۶)

لیکن آہستہ آہستہ یہ نفرت گھٹتی گئی۔ جب پطرس (حواری) نے ۴۳ء میں کلیسائے انطا کیہ کی بنیاد ڈالی اور ایوڈیس راہب کو وہاں کا بشپ مقرر کیا۔ تو پیروانِ مسیح کا سرکاری نام کرسچین (عیسائی) رکھا گیا۔ اس وقت سے تمام برادر، شاگرد اور مومن اپنے آپ کو عیسائی کہنے لگے۔ (ڈاب:ص ۱۰۹)

گو عیسائی، مسیح علیہ السلام کو مسیح ناصری کہتے تھے۔ لیکن اپنے آپ کو نصاریٰ نہیں سمجھتے تھے۔ یہ نام انہیں غالباً قرآن نے دیا ہے۔

نصاریٰ کے مذہبی صحائف

گو نصاریٰ ان تمام آسمانی صحائف پہ ایمان رکھتے تھے۔ جو آدمؑ سے مسیحؑ تک نازل ہوئے تھے۔ لیکن انجیل ان کی مخصوص مذہبی کتاب تھی۔ انجیل کے بعد بھی چند مذہبی کتابیں مرتب ہوئیں۔ مثلاً:

☆ رسولوں کے اعمال۔ اور

☆ یہودا کے خطوط وغیرہ

جن سے نصاریٰ کو گہری عقیدت ہے اور جن کی مجموعی تعداد ۲۷ ہے:۔

(ا) اناجیل۔۴، (ب) اعمال۔۱، (ج) یُوحنا کا مکاشفہ۔۱، (د) پولس کے خط۔۱۴

(ہ) یعقوب کا خط۔۱، (و) پطرس کے خط۔۲، (ز) یُوحنا کے خط۔۳، (ح) یہودا کا خط۔۱

میزان: ۲۷

یہود

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹوں کی اولاد ایک ہزار برس تک اسرائیل (یا بنو اسرائیل) کہلاتی رہی۔

جب حضرت سلیمان علیہ السلام بوڑھے ہوگئے۔ تو انہوں نے اس وقت کے ایک نبی ناتن نامی کو بلا کر کہا۔ کہ اسرائیلی قبائل کے جھگڑوں کو ختم کرنے کے لیے سلطنت تقسیم کر دیجئے۔ چنانچہ اس نے سردارانِ قبائل سے طویل گفت وشنید کے بعد فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا:

جنوبی حصہ

(شمالاً جنوباً یوروشلم سے بیئر شیبہ تک اور شرقاً غرباً بحیرۂ مردار سے بحیرۂ روم تک) یہودا بن یعقوبؑ کی اولاد کو دے دیا۔

شمالی حصہ

بنولادی کے سوا باقی دس قبائل کو۔

بنولادی کا کام مذہبی رہنمائی تھا۔ اور یہ سیاست میں حصہ نہیں لیتے تھے۔ یہ تقسیم ۹۵۰ء کے قریب ہوئی تھی۔

شمالی اقلیم سلطنتِ اسرائیل کہلاتی تھی۔

اور جنوبی سلطنت یہودا۔

لیکن باشندے اسرائیل ہی کے نام سے معروف تھے۔ ۲۔ سلاطین ۱۶/۶ میں انہیں پہلی مرتبہ یہود کہا گیا ہے۔

بات یوں ہوئی۔ کہ اسرائیل اور شام کے بادشاہوں نے یہوداہ پہ حملہ کر دیا۔

''شاہِ شام نے'' ایلات (ایلہ۔ عقبہ) کو فتح کر کے شام میں شامل کر لیا۔ اور یہودیوں کو ایلات سے نکال دیا۔'' (۲۔ سلاطین: ۱۶/۶)

> نیلسن بچر اپنی کتاب ''عہد بائبل کی کہانی'' (ص ۹۰) میں لکھتا ہے کہ اسیریٔ بابل کے ایام میں یہودا کی مناسبت سے بنو اسرائیل کا نام یہود پڑ گیا۔ چونکہ یہ قیدی یوروشلم اور گرد ونواح سے پکڑے گئے تھے۔ اور ان میں سے بیشتر کا تعلق یہوداہ کی نسل وسلطنت سے تھا۔ اس لیے ان کے لیے یہود ہی کا لفظ موزوں تھا۔

جب اسیران بابل واپس آئے۔ تو اس بناء پر کہ ان میں سے بیشتر کا تعلق یہوداہ سے تھا۔ یہ فلسطین میں بھی یہود کہلانے لگے۔ دانیال (۶۰۰ قم زندہ) انہیں بار بار یہودی کہتا ہے۔ (دانیال: ۹/۳۔۱۲)

نیز دیکھیے: عزرا ۴/۱۲۔۲۳ نحمیاہ ۲/۱ اور آستر ۴/۳

گو یہود ان تمام انبیاء پہ ایمان رکھتے ہیں۔ جو آدم علیہ السلام و عیسیٰؑ کے درمیان مبعوث ہوئے تھے۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو تسلیم نہیں کرتے۔ بائبل میں ان انبیاء (آدمؑ اور عیسیٰؑ کے درمیان) کے ۳۹ صحائف شامل ہیں اور ان کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ پیدائش	۲۔ خروج	۳۔ احبار	۴۔ گنتی	۵۔ استثناء	۶۔ یشوع
۷۔ قضاۃ	۸۔ رُوت	۹۔ ا۔ سموئیل	۱۰۔ ۲۔ سموئیل	۱۱۔ ا۔ سلاطین	۱۲۔ ۲۔ سلاطین
۱۳۔ ا۔ تواریخ	۱۴۔ ۲۔ تواریخ	۱۵۔ عزرا	۱۶۔ نحمیاہ	۱۷۔ آستر	۱۸۔ ایوب
۱۹۔ زبُور	۲۰۔ امثال	۲۱۔ واعظ	۲۲۔ غزل الغزلات	۲۳۔ یسعیاہ	
۲۴۔ یرمیاہ	۲۵۔ نوحہ	۲۶۔ حزقی ایل	۲۷۔ دانیال	۲۸۔ ہوسیع	۲۹۔ یوایل
۳۰۔ عاموس	۳۱۔ عبدیاہ	۳۲۔ یُوناہ	۳۳۔ میکاہ	۳۴۔ ناحوم	۳۵۔ حبقوق
۳۶۔ صفنیاہ	۳۷۔ حجی	۳۸۔ زکریا	۳۹۔ ملاکی		

مآخذ:۔ ۱۔ ڈاب۔ ص ۱۰۹، ۳۲۸، ۴۴۳، ۷۳۷، ۲۔ متی۔ ۲/۲۳، ۳۔ منتہی الارب۔ ج ۲ ''نصر''،
۴۔ عزرا۔ ۴/۱۲۔ ۲۳، ۵۔ نحمیاہ۔ ۱/۲، ۶۔ آستر۔ ۳/۴،
۷۔ اعمال۔ ۵/۱۴، ۹/۲۶، ۱۱/۲۹، ۱۵/۱، ۲۳/۱، ۲۶/۲۸، ۸۔ رومیوں۔ ۸/۲۷، ۱۵/۲۵،
۹۔ ا۔ پطرس۔ ۴/۱۶، ۱۰۔ ۲۔ سلاطین۔ ۱۶/۶،
۱۱۔ دانیال۔ ۳/۹۔ ۱۲، ۱۲۔ عہد بابل کی کہانی۔ ص ۹۰،

۵۷۔ ایوبؑ

حضرت ایوبؑ سرزمین اُوذ [۳] سے تعلق رکھتے تھے۔ بقول بائبل:

''وہ شخص کامل و صادق۔ خداترس اور متقی تھا۔ اس کے سات بیٹے اور تین بیٹیاں تھیں۔ اس کے مال میں سات ہزار بھیڑیں۔ تین ہزار اونٹ۔ پانچ سو جوڑے بیل اور پانچ سو گدھیاں تھیں۔ اس کے نوکر چاکر بہت تھے۔'' (ایوب کی کتاب: ۱/۱۔ ۴)

۱۔ سلاطین ۱-۲ کا مُرتب جرمیاہ تھا جو ۶۳۰ ق م کے قریب پیدا ہوا اور یروشلم پر بخت نصر کے حملے (۵۸۰ ق م۔ اندازاً) کے وقت زندہ تھا۔ ان دو صحیفوں میں سلیمان کی سلطنت سے یہوداہ کی تباہی (۵۹۷ ق م) تک کی تاریخ ہے۔

۲۔ دیکھیے: اَلَّذِی مَرَّ عَلٰی قَرْیَۃٍ. (ڈاب: ص ۳۲۸)

۳۔ اُوذ:۔ اُس علاقے کا نام ہے جو دریائے فرات۔ فلسطین اور نجد یا جنوبی عرب (یمن۔ تا عُمان) کے درمیان واقع تھا۔ (ڈاب: ۷۳۶)

لیکن اللہ نے آپ کو ابتلا میں ڈال دیا۔ اور یہ سب کچھ چھن گیا۔ آپ کوڑھ میں بھی مبتلا ہوئے۔ لیکن اللہ سے بدظن نہ ہوئے۔ اور بار بار اسے ہی امداد کے لیے پکارتے رہے:

وَاَيُّوْبَ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗۤ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ۚۖ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَكَشَفْنَا مَا بِهٖ مِنْ ضُرٍّ وَّاٰتَيْنٰهُ اَهْلَهٗ وَمِثْلَهُمْ مَّعَهُمْ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَذِكْرٰى لِلْعٰبِدِيْنَ ۝ (انبیاء:۸۳۔۸۴)

(وہ وقت یاد کرو۔ جب ایوب نے اپنے رب کو پکارا۔ کہ اے اللہ! میں گرفتارِ الم ہوں۔ اور تو مجسم رحمت ہے۔ مجھ پہ رحمت فرما۔ ہم نے اس کی بات سنی اور اس کا دکھ دور کر دیا۔ اسے دوبارہ اس کا اہل وعیال دے دیا۔ بلکہ دگنا دیا۔ کیونکہ ہماری رحمت کا تقاضہ یہی تھا۔ اور ہماری یہ نوازش عبادت گزاروں کے لیے ایک ناقابلِ فراموش واقعہ بن گئی)

آپ کے والد کا نام عموس تھا۔ یہ عیسو بن اسحاق بن ابراہیم کی پشت سے تھا۔ اور والدہ، لوط کی اولاد تھی۔ (شاس: ص ۲۶)

آپ کی بیوی رحمہ حضرت یوسف کی پوتی اور افرائیم بن یوسف کی بیٹی تھی۔ بعض مفسرین نے اس کا نام ماخیر بتایا ہے۔ جو مَنَسّہ بن یعقوبؑ کی بیٹی تھی۔

حضرت ایوب علیہ السلام کا قد لمبا۔ سر بڑا۔ آنکھیں مست۔ گردن چھوٹی۔ اعضاء موزوں۔ اور بال حلقہ دار تھے۔ ایامِ ابتلا میں آپ کی آہ وفغاں میں بلا کا کرب تھا۔

نمونہ ملاحظہ ہو:۔

> ''میں آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ کہ خدا نے مجھے بے انصافوں اور بے دینوں کے حوالے کر دیا۔ اس نے میرا گلا پکڑا۔ اور جھڑ جھڑا کے میرے پرخچے اڑا دیے۔ اس کے تیر اندازوں نے مجھے گھیر کر نشانہ بنایا۔ میرا گردہ چیرا اور رحم نہ کیا...... میں نے ٹاٹ کا لباس پہنا۔ اپنے سینگ دھول میں رگڑے۔ چہرہ رو رو کر سوج گیا۔ میرے ابروؤں پر موت کا سایہ پھیل گیا...... اس نے مجھے شل کر دیا۔ لوگ میرے منہ پر تھوکتے ہیں...... گور میرا گھر ہے۔ میرا بستر اندھیرے میں بچھ چکا ہے۔ میرے جسم کی سڑان گویا میرا باپ ہے اور کیڑے میری ماں اور بہنیں...... میں جانتا ہوں۔ کہ مجھے رہائی دینے والا خدا زندہ ہے...... اس نے زمین کو بے سہارا لٹکا رکھا

ہے۔ وہ گھنے بادلوں میں پانی بھرتا ہے اور انہیں اپنے تخت پر بچھاتا ہے......اس کی ڈانٹ سے آسمانوں کے ستون لرزتے اور کانپتے ہیں...... وہ سمندروں کا غرور توڑتا اور اپنی روح سے کائنات کو سجاتا ہے...... جب تک میرا دم باقی ہے۔ میری زبان جھوٹ نہ بولے گی......

(ایوب: باب ۱۰۔۲۷)

حضرت ایوب علیہ السلام کے اسی استقلال کا نتیجہ تھا۔ کہ بالآخر اللہ نے ان پر رحم کیا۔ انہیں تمام امراض سے نجات دی اور ان کا گھر پھر آباد کیا۔

مفسرین آپ کی عمر ۹۳ سال بتاتے ہیں۔ (شاس: ص ۲۶)

یاقوت حموی معجم میں ''دیر ایوب'' کے تحت لکھتا ہے کہ:

حضرت ایوب علیہ السلام کی مسجد اور وہ کنواں جس کے پانی میں نہانے سے انہیں شفا ملتی تھی۔ آج بھی صوبۂ اردن کے ایک قصبے نوا میں موجود ہے۔ لوگ اسے حمام ایوب اور ان کی قیام گاہ کو مقام ایوب کہتے ہیں۔

کیا نیکی انعام و اجر کے بغیر زندہ رہ سکتی ہے؟

یہ تھا وہ سوال۔ جو شیطان نے ایوب علیہ السلام کے متعلق اللہ سے پوچھا تھا۔

حضرت ایوبؑ نے اس کا جواب اپنے عمل سے دیا تھا۔

اللہ نے آپ سے مال، دولت، اولاد، صحت۔ سب کچھ لے لیا۔ لیکن آپ کا ایمان پھر بھی قائم رہا۔

حضرت ایُّوب علیہ السلام کا زمانہ

آپ کی کتاب کے اسلوب۔ انداز اس کی زبان اور اس وقت کے معاشری اور سیاسی حالات سے علماء اس نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ ایوب علیہ السلام حضرت ابراہیمؑ اور حضرت موسیٰؑ کے درمیانی زمانے میں تھے۔ اگر یہ حضرت موسیٰؑ کے بعد ہوتے۔ تو ان کی کتاب میں حضرت موسیٰؑ کی شریعت مصر سے اسرائیل کے خروج اور ارض موعود کا لازماً ذکر آتا۔ ان چیزوں کا ذکر نہ آنا اس بات کی ایک واضح شہادت ہے۔ کہ حضرت ایوبؑ، حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزرے تھے۔ (ڈاب: ص ۳۰۵)

ماخذ:۔ ۱۔شاس۔ص ۲۶، ۲۔معجم۔ج ۴ ''دیر ایوب''، ۳۔ڈاب۔ص ۳۰۵،۲۲۶،
۴۔أعلام۔ص ۸۴، ۵۔ایوب کی کتاب ۱/ ۱۔۴، نیز باب ۱۰۔۲۷

ب

۵۸۔ بابل

(نیز دیکھیے :۲۱۔ارم ذات العماد)

فرات کے دونوں کناروں پہ ایک شہر۔ جو کالڈیہ کا دارالحکومت رہا۔ کالڈیہ سے مراد دجلہ فرات کا وہ دوآبہ ہے۔ جو خلیج ایران سے شروع ہو کر آج کے بغداد تک چلا جاتا ہے۔ جب سام بن نوح کے بیٹے (عیلام۔ شُور۔ اَرفکشد۔ آرام) اور پوتے ادھر اُدھر پھیلے تو ان کے کچھ تافلے شِعار (کالڈیہ کا پرانا نام) میں آباد ہو گئے۔ انہوں نے رفتہ رفتہ خلیج ایران کے عراقی ساحل پر ایک سلطنت کی بنیاد ڈال دی۔ جو شمال کی طرف پھیلتی چلی گئی۔ اور ۷۰۰ اق م کے قریب بابل اس کا دارالحکومت بن گیا۔

مآخذِ معلومات

بابل کے متعلق ہمارے معلومات کے مآخذ تین ہیں:۔

۱۔ بائبل

۲۔ بابل کے کھنڈرات اور کتبے

۳۔ قدیم تاریخیں

بائبل نے اس شہر کے متعلق بہت کم تفاصیل دی ہیں۔ رہے کھنڈرات۔ تو یہ ابھی تک برآمد ہو رہے ہیں۔ کھدائی کا خرچ اتنا زیادہ ہے۔ کہ کام بار بار رک جاتا ہے۔ کتنے ہی کھنڈرات ہیں۔ جو فرات کے سیلاب میں بہہ گئے۔ اردگرد کے دیہاتیوں نے بھی کافی نقصان پہنچایا۔ کہ وہاں سے اینٹیں نکال کر گھروں کو لے گئے۔ ان حالات میں ہمیں قدیم تاریخ ہی کا سہارا لینا پڑتا ہے۔

یونان کا مشہور مورخ ہیروڈوٹس Herodotus (۴۸۴۔۴۲۴ق م) لکھتا ہے۔ کہ:۔

> بابل فرات کے دونوں کناروں پر مربع شکل کا ایک شہر تھا۔ جس کے گرد دو فصلیں تھیں۔ بیرونی فصیل کا طول ۵۶ میل تھا۔ مکانات عموماً تین یا چار منزلہ تھے۔ سڑکیں اور گلیاں سیدھی تھیں۔ شہر کے دونوں حصوں (شرقی و غربی) میں ایک ایک قلعہ تھا۔ ایک میں شاہی محل اور دوسرے میں بڑے بُت کا ایک مندر تھا۔ ان دونوں حصوں کے درمیان ایک پُل تھا۔ جس کے ستون پتھر کے تھے۔ اور اوپر لکڑی کے بڑے بڑے لٹھ اور تختے رکھے ہوئے تھے۔ اس کی

لمبائی ایک ہزار گز اور چوڑائی تیس فٹ تھی۔

چوتھی صدی کا ایک اور یونانی مؤرخ ٹی۔سیاز (Ctesias) کہتا ہے۔کہ:۔

پُل کے دونوں کناروں پر ایک ایک شاہی محل تھا۔ جو نہ صرف اس پُل بلکہ ایک زیر۔دریائی سرنگ کی وجہ سے بھی باہم مربوط تھے۔ بڑی فصیل کے اکثر دروازے تانبے کے تھے۔اور اس کے اردگرد ایک گہری خندق تھی۔ (ڈاب:ص ۶۸)

کھنڈرات

بغداد سے ستر میل جنوب میں اور کربلا کے متصل مشرق کی طرف ایک شہر حلّہ کہلاتا ہے۔اس سے پانچ میل شمال میں فرات کے مغربی کنارے پر کئی مصنوعی ٹیلے ہیں۔جن سے برتن، اوزار اور مکانات کے کھنڈر نکل رہے ہیں۔ان میں سب سے بڑا بابل کے نام سے مشہور ہے۔اس کے مکانات کچی اینٹوں سے بنے ہوئے ہیں۔اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے۔کہ سیلابوں اور بارشوں کے باوجود یہ اینٹیں ویسی کی ویسی ہیں۔حلّہ سے چھ میل مغرب میں مینارِ بابل کے کھنڈر ہیں۔ایک ٹیلہ بڑے مندر کا ہے۔اور ایک معلّق باغات کا، جو بخت نصر نے بنائے تھے۔ (ڈاب:ص ۶۹)

سیاسی تاریخ

بابل کی سیاسی تاریخ نمرُود بن کوش بن حام بن نُوح سے شروع ہوتی ہے۔چند پرانے کتبوں سے پتہ چلتا ہے۔کہ بابل کے پہلے باشندے کوش بن حام کی اولاد تھے۔اور ابتداء میں ہر شہر ایک جداگانہ ریاست تھا۔بعد میں تصادم اور فتوحات کا سلسلہ شروع ہوگیا۔اور بابلونہ ایک بڑی سلطنت بن گئی۔بابل شہر کا نام تھا۔اور بابلونہ سلطنت کا۔بعض دونوں کو مترادف الفاظ سمجھتے ہیں۔

بابل کا ایک مؤرخ بیروسس (Berosus۔۲۵۰ق م زندہ) لکھتا ہے۔کہ:۔

بابل پر تین خاندانوں کی حکومت رہی۔پہلا کالڈیہ کا ایک خاندان تھا جس کے ۴۹ بادشاہوں نے ۴۵۸ سال حکومت کی۔پھر نو عرب بادشاہ ۲۴۵ برس تک حکمران رہے۔ان کے بعد بابل پر اشوری مُسلّط ہوگئے جن کے ۴۹ سلاطین نے ۵۲۶ برس تک سلطنت کی۔۷۴۷ق م سے بابل کی تاریخ واضح تر ہوجاتی ہے۔بطلیموس نے ۷۴۷ سے ۳۳۱ق م تک کے شاہوں کی پوری تفصیل دی ہے۔ان میں سے بخت نصر کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔یہ وہی بادشاہ ہے۔

جس نے یوروشلم کو تباہ کرنے کے بعد ستر ہزار یہودیوں کو غلام بنالیا تھا۔

جب ۶۲۵ ق م میں نینوا کا اقتدار ختم ہو گیا۔ تو حکومتِ بابل کی حدود بہت وسیع ہو گئیں۔ پھر جب ایران سے سائرس ابھرا اور عراق و شام کی طرف بڑھا۔ تو ۵۴۰ ق م کے قریب اس نے بابل کو فتح کر لیا۔ گو وہاں برائے نام شاہوں کا ایک سلسلہ دیر تک جاری رہا۔ لیکن یہ لوگ نظم و نسق سے غافل ہو گئے تھے اور بالآخر ۳۳۱ ق م میں اسکندر یونانی نے اس حکومت کو ہمیشہ کے لیے مٹا دیا۔

تلاش کے باوجود ہمیں شاہانِ بابل کی مکمل فہرست نہیں مل سکی۔ چیمبرز انسائیکلوپیڈیا نے سموآبی سے سموستانا تک، صرف گیارہ بادشاہوں کی فہرست دی ہے۔ جن کا زمانۂ حکومت ۲۴۵۴ سے ۲۱۵۱ ق م تک تھا۔ یہ فہرست ''ارم ذات العماد'' کے تحت (شمار۔ ۲۱) ملاحظہ فرمائیے۔

مینارِ بابل

بائبل میں مینارِ بابل کا ذکر صرف ایک مرتبہ (پیدائش: ۱۱/۴۔۵) آیا ہے اور وہ بھی نامکمل۔ مختلف ذرائع سے اتنا ہی معلوم ہو سکا۔ کہ یہ مینار گارے سے بنایا گیا تھا۔ اور اس کی سات منزلیں تھیں۔ زمینی منزل بہت لمبی چوڑی تھی۔ دوسری اس سے ذرا کم۔ تیسری اور کم اور آخری بہت کم

ان منازل کا طول و عرض اس جدول میں دیکھیے:۔

منزل	چوڑائی	اونچائی
اول	مربع۔ ہر ضلع ۲۷۲ فٹ	۲۶ فٹ
دوم	" " ۲۳۰ "	۲۶ "
سوم	" " ۱۸۸ "	۲۶ "
چہارم	" " ۱۴۶ "	۱۵ "
پنجم	" " ۱۰۴ "	۱۵ "
ششم	" " ۶۲ "	۱۵ "
ہفتم	" " ۲۰ "	۱۵ "
		بلندی: ۱۳۸ فٹ (ڈاب: ص ۷۰)

چیمبرز انسائیکلوپیڈیا میں (ص ۱۱) بعض حوالوں سے مذکور ہے۔ کہ:۔

لفظ بابل کے معنی ہیں:۔خلط ملط۔گڑبڑاور بدحواسی۔

جب اللہ کے حکم سے مینار بابل کے معماروں کی بولیاں بدل گئیں۔تو وہاں گڑبڑاور بدحواسی پھیل گئی۔چنانچہ اس مینار کا نام ہی بابل پڑ گیا اور بعد میں مینار والا شہر بھی بابل کہلانے لگا۔

مختلف کتبوں اور کھدائیوں سے معلوم ہوا ہے۔کہ بابل کا شہر ۳۸۰۰ قم میں بھی موجود تھا۔قدیم بادشاہوں میں سے حمورابی،عمارات،باغات اور انہار سے بڑی دلچسپی رکھتا تھا۔اس نے شہر کو خوب سجایا۔بعد کے بادشاہوں میں سے بختِ نصر (۶۰۵۔۵۶۲قم) اور اس کے باپ نیبو پلاسر (Nebo Polassar۔۶۲۵۔۶۰۵ قم) نے اسے رونق بخشی۔

مآخذ:۔ ۱۔پیپلز۔ص۱۱۱، ۲۔ڈاس۔ص۲۹، ۳۔ڈاب۔ص۶۸، ۴۔لقر۔ص۱۱

۵۹۔البحر

سورۂ اعراف میں ہے:۔

وَجٰوَزْنَا بِبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ الْبَحْرَ (اعراف:۱۳۸)

(کہ ہم نے بنواسرائیل کو سمندر سے گزار کر پار پہنچادیا)

سمندر سے مراد:بحیرۂ قلزم ہے۔

قلزم کے معنی ہیں:سُرخ

اسے سُرخ کہنے کی کئی وجوہ ہوسکتی ہیں:۔

اول: کہ اس میں اُون کی طرح ایک سرخ رنگ کی بوٹی تھی۔جسے لہریں ساحل پر پھینک دیتی تھیں اور دونوں ساحل سرخ ہوجاتے تھے۔

دوم: کہ اس کے غربی ساحل پر سرخ رنگ کے پہاڑ ہیں۔جن کے عکس سے پانی سرخ نظر آتا ہے۔

سوم: کہ اس میں سرخ مرجان کی کثرت تھی۔

چہارم: کہ اس کی سطح پر سرخ رنگ کے پرندے اڑتے اور تیرتے رہتے تھے۔

پنجم: کہ اس کے جنوب مشرقی ساحل (یمن) پر حمیر کی حکومت تھی۔حمیر کا مادہ حمر ہے۔جس کے معنی ہیں:۔سُرخی۔

آج کا قلزم عہد موسیٰ کے قلزم سے چھوٹا ہے۔پہلے یہ پچاس میل تک شمال میں پھیلا ہوا تھا۔پھر زلزلوں اور دیگر حادثوں کی وجہ سے سمٹ گیا۔اور اوپر شمال میں کئی جھیلیں نمودار ہوگئیں۔ان میں سے آخری شمالی جھیل **بِرکۃ**

التمساح (نہنگوں کی جھیل) کہلاتی ہے۔اور باقی تلخ جھیلوں کے نام سے مشہور ہیں۔
یہ جھیلیں کب نمودار ہوئیں؟
اس کے متعلق ہمیں یقینی معلومات حاصل نہیں۔

یہ سمندر عدن سے نہر سویز تک سوا چودہ سو میل لمبا ہے۔ اور اس کا عرض زیادہ سے زیادہ ۲۰۰ میل ہے۔ خلیج عقبہ کی لمبائی نوے میل ہے۔ اور نہر سویز کی ۱۰۰ میل۔ تمام جھیلیں اس نہر میں مدغم ہو چکی ہیں۔

گذرگاہِ موسیٰ

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کس مقام سے بحرِ قلزم کو عبور کیا تھا۔ اس میں محققین کا اختلاف ہے۔ کوئی کڑوی جھیلوں سے اوپر بتاتا ہے۔ اور کوئی نیچے۔ لیکن عام رائے یہی ہے۔ کہ آپ موجودہ نہر سویز اور قلزم کے مقام اتصال سے کچھ اوپر مِگدَل کے سامنے سے پار گئے تھے۔

ماخذ:۔ ۱۔ڈاب۔ص ۱۷۱۔ ۵۷۴۔۵۷ ۲۔قرآنِ مقدس (اعراف)

۶۰۔ بَحِیرَہ

جاہلیت میں عربوں کے ہاں یہ دستور تھا۔ کہ جب کوئی اونٹنی دس بچے دے چکتی۔ تو اس کے کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیتے کہ جہاں چاہے کھائے پئے۔ اور اسے بحیرہ کہتے تھے۔ جب یہ مرجاتی تو اس کا گوشت صرف مرد کھاتے تھے اور عورتوں کے لیے یہ حرام تھا۔

بعض قبائل میں اس دستور کی نوعیت قدرے مختلف تھی۔ اگر ان کی اونٹنی کا پانچواں بچہ نر ہوتا۔ تو اسے ذبح کر کے زن و مرد سب مل کر کھاتے، اور اگر مادہ ہوتا۔ تو اونٹنی کے کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیتے۔ پھر نہ اس کا دودھ پیتے اور نہ اس پر سواری کرتے۔ (منتہی الارب: ج۔۱، ص ۸۵)

۶۱۔ بَدر

بدر ایک میدان ہے۔ پانچ میل لمبا، چار میل چوڑا، جو مدینہ سے انداز اً سو میل جنوب مغرب میں ساحل قلزم سے بارہ میل مشرق کی طرف واقع ہے۔ اس کے شمال اور مشرق میں پہاڑیاں، جنوب میں پتھریلی زمین اور مغرب میں ریت کے ٹیلے ہیں۔ اس کے عین وسط میں سے ایک نالہ گزرتا تھا۔ جس کے کناروں پر لوگوں نے چشمے اور کنوئیں کھود رکھے تھے۔

جب ۲ھ (مارچ ۶۲۴ء) میں کفارِ مکّہ مدینہ کی طرف بڑھے۔ تو حضور صلعم ۳۱۳۔ افراد کی ایک مختصر سی فوج لے کر وادیٔ بدر میں جا پہنچے۔ اور پہلا کام یہ کیا۔ کہ تمام چشموں پر قبضہ کرنے کے بعد آخری چشمے پہ جا اترے۔ صحابہ نے وہاں حضور صلعم کے لیے کھجور کے پتوں سے ایک جھونپڑی بنادی۔ رات کو بارش برسی۔ حضور صلعم کے لشکر پہ کم، اور قریش پہ اتنی زیادہ کہ صبح کے وقت ان کے لیے قدم اٹھانا دشوار ہوگیا۔

دوسری صبح لڑائی شروع ہوئی۔ پہلے ہی ہلّے میں قریش کے چند نامی سردار اور بہادر مارے گئے۔ اور وہ بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کیا۔ ان کے کل ستّر افراد ہلاک ہوئے۔ ستّر پکڑے گئے اور بہت سامالِ غنیمت ہاتھ آیا۔ جن میں ۱۲۰۔ اونٹ، ۱۵ گھوڑے، کئی درجن تلواریں، برچھے، زرہیں، کپڑے، چادریں، برتن اور دیگر اشیاء شامل تھیں۔

مآخذ:۔ ۱۔ ڈاس۔ ص ۳۰، ۳۷۵، ۲۔ قرآنِ مقدس

۶۲۔ بَرزَخ

قرآن میں ہے:۔

وَمِنْ وَّرَآءِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ. (مومنون:۱۰۰)

(مرنے والے یومِ محشر تک برزخ میں رہیں گے)

برزخ کے لفظی معنی ہیں:۔ حجاب، پردہ، وقفہ اور دو دریاؤں کے درمیان خشکی کا ٹکڑا۔ اصطلاحاً یہ اس وقفے کا نام ہے۔ جو موت اور محشر کے درمیان حائل ہے یا اس اثیری دنیا کا۔ جس میں مرنے والے تاحشر رہیں گے۔

مآخذ:۔ ۱۔ ڈاس۔ ص ۳۸، ۲۔ منجد۔ "برزخ"، ۳۔ لقر۔ ج ۲، ص ۴۸

۶۳۔ بُرُوج (بُرج کی جمع)

لفظی معنی ہیں:۔ قلعہ، قلعہ کی برجی اور آسمان کا ایک حصہ۔ (منتہی۔ ج۔ ۱، ص ۹۸)

قرآن میں یہ لفظ کہیں تو قلعہ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے:۔

"تمہیں موت آ ہی لے گی۔ خواہ تم مضبوط قلعوں میں پناہ لو" (نساء:۷۸)

اور کہیں آسمانی حصوں کے مفہوم میں:۔

تَبٰرَكَ الَّذِیْ جَعَلَ فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا. (فرقان:۶۱)

(مبارک ہے وہ رب جس نے آسمانوں میں بُرج (حصے۔ راستے) بنائے)

گرمیوں میں سورج سر پہ آجاتا ہے۔اور سردیوں میں جنوب کی طرف نیچے چلا جاتا ہے۔ اس مسافت کو وہ چھ ماہ میں طے کرتا ہے۔۲۲ جون سے ۲۱ دسمبر تک وہ اوپر کو آتا ہے۔اور ۲۲ دسمبر سے وہ واپسی کا سفر شروع کر دیتا ہے۔ اس سفر میں وہ بارہ شاہراہوں سے گزرتا ہے۔ ہر مہینے (شمسی) کی پہلی تاریخ کو اس کی شاہراہ بدل جاتی ہے۔نجومیوں کا خیال یہ ہے کہ جس طرح زمین پر ہر ماہ کے اثرات مختلف ہوتے ہیں۔کہ کسی میں گرمی ہوتی ہے اور کسی میں سردی۔ کسی میں گندم پکتی ہے اور کسی میں مکئی۔اسی طرح یہ انسانی زندگی کو بھی مختلف طریقوں سے متاثر کرتے ہیں۔

ان کے نام یہ ہیں:۔

☆حمل	☆ثور	☆جوزاء
☆سرطان	☆اَسد	☆سُنبلہ
☆میزان	☆عقرب	☆قوس
☆جدی	☆دَلو	☆حُوت

مآخذ:۔ ۱۔جلالین۔ص ۳۱۰، ۲۔ڈاس۔ص ۴۸، ۳۔لقر۔ج ۲،ص ۲۹

۶۴۔ بِعْضِ اَزْواجِہ

پوری آیت یوں ہے:۔

وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِہٖ وَ اَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَیْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِہٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ ۝

(تحریم:۳)

(جب نبی نے ایک راز کی بات اپنی ایک بیوی کو بتائی۔اور اس نے ایک اور بی بی تک پہنچا دی۔تو اللہ نے سارا واقعہ اپنے نبی کو بتا دیا۔اور نبی نے کچھ بات تو اسے جتا دی۔اور کچھ دل ہی میں رکھ لی۔ یہ سن کر اس نے (حیرت سے) پوچھا۔کہ آپ کو یہ اطلاع کس نے دی ہے۔ فرمایا خدائے علیم وخبیر نے)

اس آیت کی تشریح میں بیشتر مفسرین نے ایک ہی بات کہی ہے۔کہ حضور صلعم نے وہ راز کی بات حضرت حفصہؓ کو بتائی تھی۔اور انہوں نے حضرت عائشہؓ کو کہہ دی۔ (جلالین وکمالین:ص ۴۶۳)

وہ راز کی بات کیا تھی؟

اس پر ہمارے مفسرین اور اہل روایت نے بڑی بڑی قیاس آرائیاں کی ہیں۔ ادب کا تقاضہ یہی ہے۔ کہ ہم خاموش رہیں اور ان کا ذکر نہ کریں۔

مآخذ:۔ ا۔قرآنِ حکیم ۲۔جلالین

۶۵۔بَعْل

کنعانیوں اور فنیقیوں[۱] کا سب سے بڑا صنم۔ جس کے خلاف حضرت الیاس علیہ السلام نے جہاد کیا تھا:۔

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۝ اِذْ قَالَ لِقَوْمِہٖٓ اَلَا تَتَّقُوْنَ ۝
اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخَالِقِیْنَ ۝ (صافات:۱۲۳۔۱۲۵)

(الیاسؑ ایک رسول تھا۔ اس نے اپنی قوم سے کہا۔ کہ کیا تم اللہ سے نہیں ڈرتے؟ کہ اس بہترین خالق کو چھوڑ کر بعل کی پرستش کر رہے ہو؟)

بعل ایک عبرانی لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں:۔ مالک اور آقا۔ عربی زبان میں یہی لفظ شوہر کے لیے استعمال ہوتا ہے۔

بعل کی پرستش قدیم زمانوں سے چلی آتی ہے۔ حضرت موسیٰ کے زمانے میں اہل مدین اور موآبی[۲] اسے پوجتے تھے۔ جب ان لوگوں سے اسرائیلیوں کا اختلاط بڑھا۔ تو اسرائیلیوں نے بھی اس کا نام بدل کر (بعل فغفور) اس کی پرستش شروع کردی۔ (گنتی:۱۵/۳۔۱۸، استثناء:۴/۳)

جب شمالی فلسطین میں دس قبائل اسرائیل کی حکومت قائم ہوئی۔ تو انہوں نے بعل۔ پوجا کو سرکاری مذہب بنا لیا۔ (ا۔سلاطین:۱۶/۳۱۔۳۳، ۱۸/۱۹۔۲۲)

یہ بیماری قلمرو یہوداہ میں بھی پھیل گئی۔ وہاں بعل کے لیے مندر تعمیر ہوئے (ا۔سلاطین:۱۶/۳۲) اس کی مورتیاں بنائی گئیں۔ اور پادری مقرر ہوئے۔ جن کے لیے خاص لباس تجویز ہوا (۲۔سلاطین:۱۰/۲۲) جب یہ پادری بعل کا طواف کرتے تو بلند نعرے لگاتے۔ اور بت کو مائل بہ کرم کرنے کے لیے اپنے جسم کا گوشت چھریوں سے کاٹتے۔ (ا۔سلاطین:۱۸/۲۶۔۲۸)

۱۔ فلسطین کے شمال میں بحر شام کے ساحل پہ ایک خطہ فنقیہ کہلاتا تھا۔ اس کے مغرب میں سمندر اور مشرق میں لبنان کا پہاڑی سلسلہ تھا۔ اس علاقے کو یہ نام یونانیوں نے دیا تھا۔ یہ یونانی لفظ ہے۔ معنی:۔ کھجور کا درخت۔ وہاں کے اصلی باشندے اسے کنعان کہتے تھے۔ کنعان کے معنی ہیں: نشیبی زمین۔ اس کے قریب ہی شام کی سطح مرتفع تھی جو ارام کہلاتی تھی۔ فنقیہ کی لمبائی ۱۲۰ میل اور چوڑائی زیادہ سے زیادہ بیس میل تھی۔ (ڈاب:ص ۵۳۵)

۲۔ جنوبی بحیرۂ مُردار کے مشرق میں ایک صوبہ۔

بابل میں بھی بعل کی پوجا ہوتی تھی۔ اہل بابل کا بیل Bel۔(یسعیاہ:۴۶/۱) بعل ہی کی ایک صورت تھی۔

عہد نامہ قدیم میں کئی ایسے مرکب نام ملتے ہیں۔ جو بعل سے شروع ہوتے ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ بعل بریت: یہود کا ایک صنم۔ (قضاۃ:۸/۳۳، ۹/۴)

۲۔ بعل زبوب: یہوداہ کے ایک شہر عقرون کا ایک بُت۔

(۲۔ سلاطین:۱/۲۔۳۔۱۶)

۳۔ بعل حنان: ایڈوم کا ایک بادشاہ۔ (پیدائش:۳۶/۳۸۔۳۹)

۴۔ بعل فغور: یہود کا ایک صنم۔ (گنتی:۱۵/۳۔۱۸)

فلسطین میں کچھ ایسی بستیاں بھی تھیں۔ جن کے نام کا ایک جز و بعل تھا۔ مثلاً:۔

۱۔ بعلت بیر: یہوداہ یا شمعون کا ایک شہر۔

۲۔ بعلاہ: کنعان کا ایک شہر۔ (یشوع:۱۵/۹۔۱۰)

۳۔ بعلت: یوروشلم کے مغرب میں دان کا ایک شہر۔ (یشوع:۱۹/۴۴)

۴۔ بعل جد: کنعان کا ایک شہر۔ (یشوع:۱۱/۱۷)

۵۔ بعل حمن: سلیمان کا ایک انگورستان۔

۶۔ بعل حضور: قبیلۂ افرائیم کا ایک گاؤں۔ (۲۔ سموئیل:۸/۲۳)

۷۔ بعل حرمون: لبنان کی ایک بستی۔ (قضاۃ:۳/۳)

۸۔ بعل مینان: موآب کا ایک قصبہ۔ (گنتی:۳۲/۳۸)

۹۔ بعل فرازیم (رفائیم): ایک مقام جہاں حضرت داؤد علیہ السلام نے فلسطینیوں کو شکست دی تھی۔

(۲۔ سموئیل:۵/۲۲)

۱۰۔ بعل شلیشہ: جارڈن دریا کے مغربی کنارے پر ایک بستی۔ جہاں بنواسرائیل نے دریائے جارڈن کو عبور کرنے کے بعد ایک رات قیام کیا تھا۔ (۲۔ سلاطین:۴/۴۲)

۱۱۔ بعل تمر: یوروشلم کے پاس ایک آبادی۔ (قضاۃ:۲۰/۳۳)

۱۲۔ بعلبک: لبنان میں ایک شہر۔

ماخذ:۔ ۱۔ ڈاب۔ ص۶۷، ۵۳۵، ۲۔ ڈاس۔ ص۳۵، ۳۔ لقر۔ ج۱، ص۳۹،
۴۔ جلالین۔ صافات ۵۔ منتہی۔ ج۱ "بعل"، ۶۔ بائبل، ۷۔ قرآنِ حکیم

۶۶۔ بکّہ (مکّہ)

قرآن میں یہ لفظ صرف ایک مرتبہ آیا ہے:۔

اِنَّ اَوَّلَ بَیۡتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِیۡ بِبَکَّۃَ مُبٰرَکًا وَّ ہُدًی لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ﴿ۚ﴾ (عمران:۹۶)

(دنیا کے فائدے کے لیے سب سے پہلا گھر وہ تھا۔ جو بکّہ میں تعمیر ہوا۔ بابرکت اور اہل عالم کے لیے سرچشمۂ ہدایت)

مکّہ کے کئی نام ہیں۔ مثلاً:۔

☆ بکّہ: (جائے ہجوم) ☆ حاطمہ: (توڑنے والا۔ یعنی گردن کشوں کا غرور)

☆ باسّہ: (ہلاک کرنے والا۔ ملحدوں کو) ☆ البلد الامین: (پُرامن شہر)

☆ اُم القریٰ (شہروں کی ماں) ☆ معاد: (لوٹنے کی جگہ۔ جائے پناہ)

اور کئی دیگر......

مجد الدین فیروز آبادی نے اسماءِ مکّہ پہ ایک پورا رسالہ لکھا تھا۔ (خلاصہ تواریخ[1] مکّہ: ص ۳)

مکّہ کی ابتداء

ہم ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے ضمن میں لکھ چکے ہیں۔ کہ جب سارہؑ و ہاجرہؑ کا ایک گھر میں گزارہ مشکل ہوگیا۔ تو اللہ سے اشارہ پاکر حضرت ابراہیمؑ، اسماعیلؑ و ہاجرہؑ کو فاران کے بیابان میں لے گئے۔ وہاں اس مقام پر چھوڑ گئے۔ جو بعد میں حطیم[2] کے نام سے مشہور ہوا۔ انہیں کھانے کی کوئی چیز اور پانی کا ایک مشکیزہ بھی دے گئے۔ جب یہ پانی ختم ہوگیا اور پیاس سے اسماعیل زمین پر لوٹنے اور ایڑیاں رگڑنے لگے۔ تو حضرت ہاجرہ بے چین ہوکر سات مرتبہ کوہِ صفا پر چڑھی اور سات دفعہ مروہ پر۔ کہ شاید کہیں سے پانی مل جائے۔ یا کوئی قافلہ ہی نظر آجائے۔ اس وقت یمن اور شام کے تجارتی قافلے مکّہ کے قریب سے گزرتے تھے۔ اور یہ سلسلہ صدیوں بعد تک جاری رہا۔ جب وہ مایوس ہوکر بیٹے کے پاس واپس آئی تو دیکھا۔ کہ اس کی ایڑیوں کے نیچے سے پانی (زم۔ زم کی صدا سے) نکل رہا ہے۔ اس نے پہلے بچے کو پلایا۔ اور پھر کچھ مشکیزے میں بھر لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہاں بنوجرہم کا ایک قافلہ آگیا۔ جو شام سے یمن (اپنے وطن کو) جا رہا تھا۔ وہ اس پانی کے چشمے اور پاس ایک ماں۔ بچے کو دیکھ کر رک گئے اور ان میں سے بعض، ہمیشہ کے لیے وہیں آباد ہوگئے۔ یہ تھے مکّہ کے پہلے باشندے۔

---

[1] ۱۲۶۸ھ = ۱۸۵۲ء میں دہلی کے ایک عالم فخر الدین حسین حج کے لیے گئے، وہاں مکّہ و کعبہ کے متعلق مطالعہ و مشاہدہ سے قیمتی معلومات فراہم کیں۔ کئی تاریخی کتابوں سے فائدہ اٹھایا اور پھر یہ کتاب مرتّب کرکے بہادر شاہ ظفر آخری تاجدار مُغلیہ کی خدمت میں پیش کی۔ مکّہ (بکّہ) کے متعلق میری معلومات ماٰخذ یہی کتاب ہے۔

[2] کعبہ کی شمالی دیوار کے ساتھ میزابِ رحمت کے نیچے ایک حصّہ جس کے گرد دیوار ہے۔

لفظ مکّہ کے ایک معنی ہیں:۔ پانی چوس کر چشمے کو خشک کر دینا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اسماعیل والے چشمے میں عرصۂ دراز تک پانی کی مقدار اتنی کم رہی کہ لوگ اسے پی کر بار بار خشک کر دیتے تھے۔ بکہ کے معنی ہیں:۔ کم پانی والا کنواں۔ (رولرز آف مکہ: ص ۲۰)

بنو جُرہم کے بعد اور لوگ بھی یہاں آ کر آباد ہوتے رہے۔ اور رفتہ رفتہ مکّہ ایک اہم شہر بن گیا۔

تعمیرِ کعبہ

جب اسماعیل پہلی مرتبہ فاران میں آئے تھے۔ تو ان کی عمر تیرہ برس تھی۔ جب وہ بڑے ہوئے۔ تو ایک جرہمی گھرانے میں شادی کر لی۔ اس وقت ان کی عمر بیس برس کے قریب تھی۔ انہی دنوں حضرت ابراہیمؑ انہیں ملنے آئے۔ اتفاق یہ کہ اس وقت اسماعیلؑ جنگل میں شکار کھیلنے گئے ہوئے تھے۔ گھر میں صرف ان کی بیوی تھی۔ حضرت ابراہیمؑ نے سلام کیا۔ اور اپنا تعارف کرایا۔ تو اس نے تیوری چڑھا کر منہ پھر لیا۔ حضرت ابراہیمؑ یہ کہہ کر'' کہ گھر کی دہلیز خراب ہے۔'' واپس چلے گئے۔ جب اسماعیلؑ کو یہ واقعہ معلوم ہوا۔ تو اس نے اپنی بیوی کو فوراً طلاق دے دی۔ اور بنو جرہم کی ایک اور لڑکی سے شادی کر لی۔ حضرت ابراہیم تیسری دفعہ آئے۔ تو اسماعیلؑ کے ساتھ مل کر کعبہ کی تکمیل کی۔ اس کا دروازہ حِمیر کے ایک تبع، اسدُ الحمیر ی نے تالوں سمیت بطور عطیہ پیش کیا تھا۔

(رولرز آف مکہ: ص ۲۱)

بطلیموس نے بھی مکّہ کا ذکر کیا ہے۔ لیکن اسے مکاربہ لکھا ہے۔ جس کے معنی سبائی زبان میں حرم مُقدس ہیں۔ (ایضاً ص ۲۴)

مکّہ کے مشہور اور متبرک مقامات

مکّہ کے کچھ متبرک مقامات حدودِ کعبہ میں ہیں۔ اور کچھ باہر۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

۱۔ مقامِ ابراھیم : اس سے مراد وہ پتھر ہے۔ جس پر چڑھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیواریں اٹھائی تھیں۔ یہ بیت اللہ کی مشرقی دیوار کے سامنے ایک جالی دار گنبد میں رکھا ہے۔

۲۔ چاہِ زَم زَم : یہ مقام ابراہیمؑ کے قریب ہے۔

۳۔ حجرِ اسود : جو کعبہ کی مشرقی دیوار میں پیوست ہے۔

۴۔ حَطِیم : میزاب رَحمت کے نیچے نصف دائرے کی شکل میں ایک حصہ۔ جس کے گرد دیوار ہے۔

۵۔ صفا و مروہ : بیت اللہ کے مشرق میں دو پہاڑیاں۔

۶۔عرفات : مکہ سے ۱۱میل مشرق میں ایک پہاڑ۔

۷۔مزدلفہ : جو عرفات ومنیٰ کے درمیان واقع ہے۔

۸۔مِنیٰ : جہاں قربانی کی جاتی ہے۔

۹۔کوہِ بوقبیس کا وہ غار جس میں حضرت آدم علیہ السلام دفن ہیں۔

۱۰۔غارِ حِرا : جو جبل ثور میں ہے۔

۱۱۔غارِ ثور : یہ بھی جبل ثور میں ہے۔

۱۲۔وہ مقامات جہاں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ کرام مثلاً:۔

☆حضرت عثمانؓ ☆حضرت علیؓ

☆حضرت ابوبکرؓ ☆حضرت عمرؓ

اور دیگر مشہور ہستیوں کے گھر تھے۔

اور وہ بھی جہاں اُن کی قبریں ہیں۔

نہرِ زُبیدہ

یہ نہر خلیفہ ہارون الرشید کی زوجہ زُبیدہ بنت جعفر بن منصور نے طائف کے قریب حُنین سے جہاں چشموں کا پانی کافی مقدار میں جمع ہو جاتا تھا، مکہ تک کھدوائی۔ اور اس پر ایک کروڑ سات لاکھ دینار صرف کیے۔ یہ نہر آج بھی موجود ہے۔

مآخذ:۔ ۱۔شاس۔ص ۳۶۸، ۲۔ڈاس۔ص ۳۱۰، ۳۔خلاصۃ تواریخ مکہ۔ص ۲۔۲۴، ۴۔رولرز آف مکہ۔ص ۲۰۔۲۴ ۵۔لقر۔ج۔۱، ''بکہ''، ۶۔قرآنِ حکیم

۶۷۔اَلْبَلَدْ

اللہ نے سورۂ بلد کی پہلی آیت میں ایک خاص شہر کی قسم کھائی ہے:

لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ ....

(مجھے قسم ہے اس شہر کی، جس میں اے رسول! تو آباد ہے...... کہ ہم نے انسان کو دُکھ جھیلنے کے لیے پیدا کیا ہے)

ظاہر ہے۔ کہ اس شہر سے مراد مکہ ہے۔

پس دیکھیے: ۶۶۔ ''بکہ''

٦٨۔ بنو اسرائیل

(نیز دیکھیے: ''اسرائیل'' اور ''البحر'')

حضرت یعقوب علیہ السلام کی چار بیویاں اور بارہ بیٹے تھے۔ جو بارہ اسرائیلی قبائل کے اجداد بنے۔

یعقوبؑ کی شادی

حضرت اسحاق اور ان کی زوجہ ربقہ نے حضرت یعقوبؑ کو تاکید کی تھی کہ:

''تُو کنعانی لڑکیوں میں سے کسی سے بیاہ نہ کرنا۔'' (پیدائش: ۱/۲۸)

ان دنوں حضرت اسحاق علیہ السلام بیئر شیبہ میں رہتے تھے۔ حضرت یعقوب وہاں سے حاران کی طرف چل دیے۔ باہر ایک کنویں پر بہت سے گڈریے جمع تھے۔ آپ نے ان سے اپنے ماموں لابن کا پتہ پوچھا۔ تو انہوں نے ایک چرواہن کی طرف اشارہ کر کے دکھایا۔ کہ یہ لابن کی بیٹی ہے اور اس کا نام راحیل ہے۔ آپ نے پاس جا کر اپنا تعارف کرایا۔ اور اس کے ریوڑ کو پانی پلایا۔

راحیل نے گھر جا کر بتایا۔ اور اس کے رشتہ دار اسے گھر لے گئے۔

ایک ماہ کے بعد لابن نے کہا۔ کہ اگر آپ سات برس تک میرے ریوڑ چرائیں۔ تو میں راحیل کو آپ کے نکاح میں دے دوں گا۔ ساتھ ہی تمام ابلق بکریاں بھی۔

جب سات سال گذر گئے۔ تو لابن نے پہلے اپنی بڑی بیٹی لیاہ[1] کی زوجیت میں دی۔ اور ہفتہ بعد راحیل بھی۔ (پیدائش: باب ۲۹)

راحیل سے دیر تک کوئی اولاد نہ ہوئی۔

لیکن لیاہ سے چار بیٹے بہ ترتیب ذیل ہوئے:۔

۱۔ رُوبن	۲۔ شمعُون
۳۔ لادی	۴۔ یہوداہ

اس پر راحیل کو بہت رشک آیا۔ اس نے حضرت یعقوبؑ سے کہا۔ کہ میں تو غالبًا بانجھ ہوں۔ اس لیے تم میری لونڈی بلہاہ سے نکاح کر لو۔ شاید میرا گھر بھی آباد ہو جائے۔ آپ نے یہ بات مان لی۔ اور بلہاہ سے دو بیٹے ہوئے۔ پہلا وان اور پھر نفتالی۔ (پیدائش: ۸/۳۰)

---

[1] اس زمانے میں رواج تھا کہ بڑی بیٹی سے پہلے چھوٹی کی شادی نہیں ہو سکتی تھی اس لیے لابن نے پہلے بڑی بیٹی کو رخصت کیا۔

اس کے بعد آپ نے لیاہ کے اصرار پر اس کی کنیز زلفہ سے بھی نکاح کر لیا۔ جس سے دو بیٹے ہوئے۔ پہلے جد (Ged) اور پھر آشر۔

کچھ عرصہ کے بعد لیاہ سے پھر دو بچے ہوئے:۔

ا۔اشکار اور ۲۔زبلون

بعد ازاں راحیل سے یوسف پیدا ہوئے۔

اب حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے سسرال میں بیس برس گزر چکے تھے۔

(پیدائش:۳۱/۴۱)

''سو خداوند نے یعقوب سے کہا۔ کہ تو اپنے باپ دادا کے ملک اور رشتہ داروں کے پاس لوٹ جا۔'' (پیدائش:۳۱/۳)

چنانچہ یعقوب علیہ السلام اپنی بیویوں اور ریوڑوں کو لے کر چل دیے۔ اور چلتے چلتے جب بیت ایل (یوروشلم سے ۱۱/۱۲ میل شمال مشرق میں) میں پہنچے۔ تو وہاں حضرت یعقوب علیہ السلام کا آخری بچہ بن یامین راحیل کے بطن سے پیدا ہوا۔ لیکن جلد ہی راحیل کا انتقال ہو گیا۔ اور اسے بیت ایل و بیت لحم کے درمیان دفن کر دیا گیا۔ اس کے بعد آپ حبرون میں پہنچے۔ اور مصر جانے تک وہیں رہے۔ (پیدائش:۳۵/۲۷)

فرزندانِ یعقوبؑ کے نام بہ ترتیب ولادت یہ ہیں:۔

ا۔رُوبن	۲۔شمعُون	۳۔لاوی	۴۔ یہوداہ
۵۔دان	۶۔نفتالی	۷۔جدؔ	۸۔آشر
۹۔اشکار	۱۰۔زبلون	۱۱۔یُوسف	۱۲۔بن یامین

لیاہ سے چھ اور باقی تین بیویوں سے دو دو پیدا ہوئے تھے۔

یعقوبؑ کا شجرہ

آزر سے آدمؑ تک کا شجرہ ''ابراہیم'' (شمارہ ۴) کے تحت دیکھیے۔

اور آلِ آزر کا شجرہ یہ ہے:۔

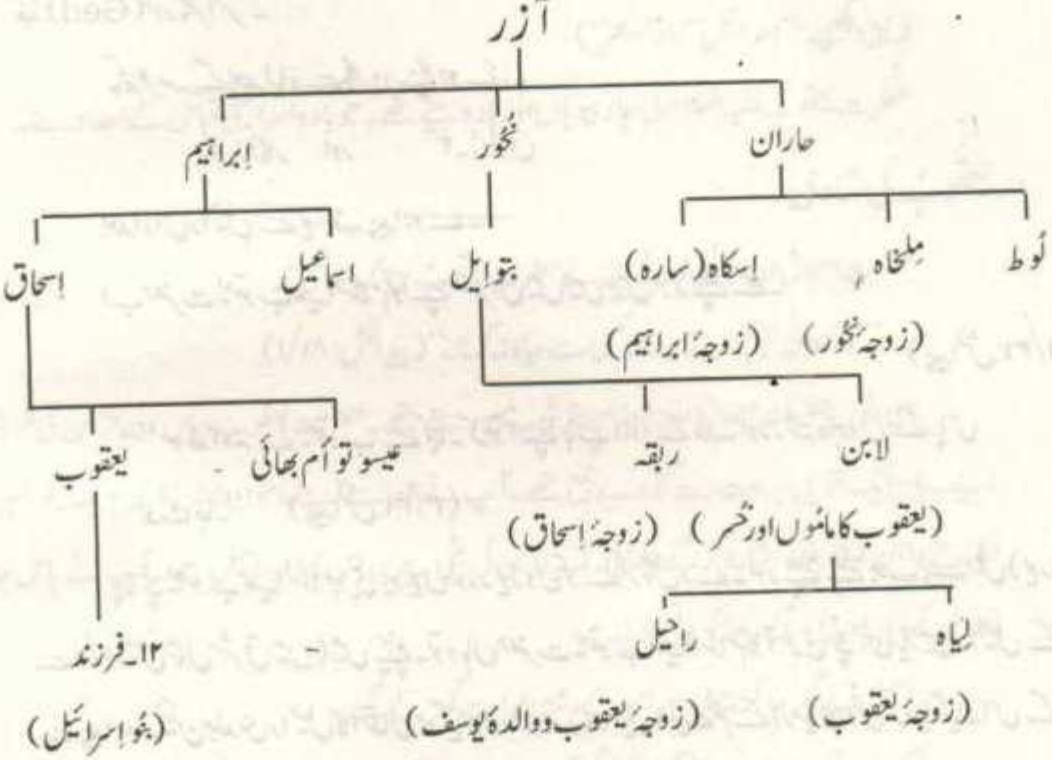

داستانِ یوسف

جب حضرت یوسف سترہ برس کے ہوئے۔تو آپ نے ایک خواب دیکھا۔کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے آپ کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں۔آپ کے بھائی پہلے ہی آپ سے بگڑے ہوئے تھے کیونکہ ان کے والد حضرت یوسف سے بہت محبت کرتے تھے۔خواب کا واقعہ سنا۔تو انگاروں پر لوٹنے لگے۔اور انہیں ختم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔چنانچہ سیر و تفریح کے بہانے انہیں جنگل میں لے گئے۔اور ایک کنویں میں پھینک دیا۔تھوڑی دیر بعد وہاں سے اہل مدین کا ایک قافلہ گزرا۔جس نے کنویں میں ڈول ڈالا۔حضرت یوسف نے ڈول کو پکڑ لیا۔قافلہ والوں نے اسے باہر کھینچ لیا۔اور مصر میں جا کر اسے بیچ ڈالا۔فرعون کے ایک درباری امیر پوٹی فار (قرآن میں ''عزیز'') نے اسے خرید لیا۔اور اپنی جائیداد کا مختار بنا دیا۔چونکہ آپ بہت خوبصورت تھے۔اس لیے عزیز کی بیوی ان پہ مائل ہوگئی۔اور مختلف

طریقوں سے ترغیب گناہ دینے لگی۔ لیکن یہ نہ مانے۔ اور بالآخر انہیں جیل میں بھجوا دیا۔ جیل میں ان سے ہر قیدی محبت کرتا تھا۔ یہ انہیں نیکی کی تلقین کرتے۔ اور ان کے خوابوں کی تعبیر بتاتے تھے۔ اتفاقاً انہی دنوں ایک پیچیدہ سا خواب فرعون نے دیکھا۔ کہ سات دبلی گائیں سات موٹی گائیوں کو کھا رہی ہیں۔ ایک درباری نے اسے بتایا۔ کہ یوسفؑ کو تعبیر رؤیا (خواب) میں خاص ملکہ حاصل ہے۔ چنانچہ انہیں جیل سے منگوایا گیا۔ آپ نے بتایا۔ کہ سات بہترین سالوں کے بعد سات قلت وقحط کے سال آئیں گے۔ اور لوگ سب جمع۔ اندوختہ کھا جائیں گے۔

فرعون کو تعبیر پسند آئی۔ اور اس نے آپ کو زراعت، خوراک اور مالیات کا وزیر بنالیا۔

سات سال بعد جب قحط پڑا۔ تو آپ کے بھائی غلے کی تلاش میں مصر پہنچے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے انہیں غلہ بھی دیا۔ ساتھ ہی رقم ان کے بوروں میں رکھوا دی۔ اور اصرار کیا۔ کہ وہ اگلی دفعہ اپنے چھوٹے بھائی (بن یامین) کو بھی ساتھ لائیں۔

انہوں نے اس خواہش کو پورا کیا۔

اس کے بعد کے سفر میں حضرت یوسفؑ نے انہیں جتلایا۔ کہ:۔

''میں یوسف ہوں۔''

''وہ واپس جائیں اور حضرت یعقوبؑ کو ساتھ لے آئیں۔''

بالآخر جب حضرت یعقوبؑ اپنے اہل وعیال کے ہمراہ مصر میں پہنچے۔ تو حضرت یوسفؑ نے ان کو ایک نہایت شاداب وسرسبز علاقے (رامسس) میں بسا دیا۔

یہ اس رفتار سے بڑھے پھلے اور پھولے، کہ جب دو سو پندرہ سال بعد یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ مصر سے نکلے تو ان کی تعداد چھ لاکھ تین ہزار پانچ سو پچاس (۶۰۳۵۵۰) ہو چکی تھی۔

(گنتی:۲/۳۲)

واقعات کی تاریخیں

جیسا کہ پہلے عنوان ''ابراہیم'' (شمار۔۴) کے تحت لکھا جا چکا ہے۔ تاریخ اسرائیل کے محققین واقعات اسرائیل کی تواریخ کا تعین نہیں کر سکے۔ اور ہر محقق نے ہر واقعہ کی الگ تاریخ دی ہے۔

سنین ذیل صرف ایک محقق کی محنت کا نتیجہ ہیں۔ اور یہ کہنا مشکل ہے۔ کہ یہ صحیح ہیں یا غلط۔

سال	واقعہ
۴۰۰۴ ق م	ولادت آدمؑ

۲۳۴۹ ء طوفان نوحؑ

۱۹۹۸ ء وفاتِ نوحؑ

۱۹۹۶ ء ولادتِ ابراہیمؑ

۱۸۹۶ ء ولادتِ اسحاقؑ

۱۸۳۶ ء ولادتِ یعقوبؑ

۱۷۴۵ ء ولادتِ یوسفؑ۔ پیپلز کے مطابق ۲۰۸۲ ق م

۱۷۲۸ ء مصر میں یوسفؑ فروخت ۔ ۲۰۶۲۰ ء (پیپلز: ص ۵۹۸)

۱۶۳۵ ء وفاتِ یوسفؑ

نوٹ:۔ بائبل ڈکشنری میں ہے۔ کہ:۔

۱: یوسفؑ ۱۷ برس کی عمر میں فروخت ہوا۔

۲: اس وقت یعقوبؑ کی عمر ۱۰۸ سال تھی۔

۳: واقعۂ فروخت سے تیرہ برس بعد حضرت اسحاقؑ فوت ہو گئے۔

۴: وزارت کے وقت حضرت یوسفؑ کی عمر ۳۰ سال تھی۔

۵: جب حضرت یعقوب علیہ السلام بچوں سمیت مصر میں پہنچے۔ تو یوسفؑ کی عمر ۳۹ سال تھی۔ (باڈ: ص ۳۹۴)

۱۵۷۱ ق م ولادتِ موسیٰؑ

۱۴۹۱ ء مصر سے بنواسرائیل کا خروج

۱۴۵۱ ء وفاتِ موسیٰؑ

۱۴۲۹ ء وفاتِ یشوعؑ

۱۰۱۵ ء وفاتِ داؤدؑ

۱۰۱۲ ء مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر کا آغاز

۹۹۱ ۔ مسجدِ اقصیٰ کی تکمیل

۹۷۵ ۔ وفات سلیمانؑ

۴ ۔ ولادتِ مسیحؑ

۳۰ میلادی واقعہ صلیب

(کمپینین: ص ۱۸۲)

مصر سے بنواسرائیل کا خروج

خروج کے وقت مصر پر رامسس دوم کی حکومت تھی۔ بنواسرائیل اس کے کھیتوں میں ہل چلاتے۔ نہریں کھودتے، پہاڑ کاٹتے اور بڑی بڑی عمارات بناتے تھے۔ اس لیے اسے اسرائیل کا جانا قطعاً پسند نہ تھا۔ لیکن جب حضرت موسیٰؑ کی دُعا سے اس پر آگے پیچھے دس عذاب نازل ہوئے۔ تو اس نے گھبرا کر اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ پہلے رامسس شہر میں جمع ہوئے۔ اور وہاں سے ساحل کی طرف چل دیے۔ تا کہ پانی اور چارے کی قلت سے دوچار نہ ہوں۔ ان کی پہلی منزل سُکات تھی۔ پھر مِگدال پہنچے اور تیسری شام، قلزم کے مغربی ساحل پہ جا ٹھہرے۔ اگلی صبح دریا کو عبور کیا۔ اور شرقی ساحل کے ساتھ ساتھ سینا کی طرف چل پڑے۔ جب ایک شہر ایلیم میں پہنچے۔ تو وہاں ان پر مَنّ و سلویٰ (بٹیر اور سفید رنگ کے گول گول دانے) نازل ہوا۔ (خروج: ۱۶/۱۲-۱۴)

یہ لوگ ان گول دانوں کو مَن کہتے تھے۔ سینا کے قریب رفیڈیم میں پہنچے۔ تو وہاں پانی نہ تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے ایک چٹان پہ عصا مارا۔ اور اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے۔ (خروج: ۱۷/۶-۸)

اس کے بعد ساری قوم نے کوہِ طور کے پاس قیام کیا۔ چند روز بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام چالیس دن کے لیے طور پہ گئے۔ اور وہاں ان پر دس احکام نازل ہوئے۔ سامری نے اسی وقفے میں گئوسالہ بنایا تھا۔

اس کے بعد یہ سارا کارواں ارضِ موعود یعنی کنعان کی طرف چل پڑا۔ لیکن عمالقہ (جو اس وقت دشتِ سینا اور فلسطین پر مُسلط تھے) کی شدید مزاحمت کی وجہ سے قدیش برنیا میں رک گئے۔ اور ایسے رُکے۔ کہ ۳۷ برس تک وہاں سے ہل نہ سکے۔ یہ مقام دشتِ تیہہ میں واقع تھا۔ یہیں اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا:

فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا۔ إِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ۝ (مائدہ: ۲۴)

(کہ تم اور تمہارا خدا جا کر لڑے۔ ہم تو یہیں بیٹھیں گے)

۳۷ برس بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام پھر ارضِ مقدس کی طرف روانہ ہوئے۔ لیکن لمبا چکر کاٹ کر۔ پہلے ایڈوم (جنوب مشرق) کی طرف گئے۔ وہاں حضرت ہارونؑ کی وفات ہوگئی اور آپ جبل ہارون کے ایک ٹیلے پہ دفن ہوئے۔ پھر موآب کی دائیں جانب سے گزر کر دریائے ارنان پہ پہنچے۔ قریب ہی نیبُو پہاڑ تھا۔ حضرت موسیٰؑ اس پر

چڑھے تو دریا کے پار انہیں ارضِ موعود نظر آئی۔ لیکن آپ اس میں داخل نہ ہو سکے۔ کیونکہ آپ کی وفات اسی پہاڑ پر ہو گئی تھی اور آپ وہیں دفن ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ (عہد بائبل کی کہانی: ص ۲۶)

وفات سے پہلے دریائے اردن کے کنارے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کئی کام کیے:۔

اول: عموریوں پہ حملہ کر کے ان سے کافی علاقہ چھین لیا۔ کچھ زمین جارڈن اور بحیرۂ گلیلی کے مشرق میں بھی لے لی۔

دوم: اس کے بعد نیبُو پہاڑ کے دامن میں ساری شریعت لکھوائی۔ قوم کو دُعا دی۔ ایک دردناک الوداعی گیت گایا۔ اور پھر نیبو پہاڑ پہ چڑھ گئے جہاں آپ کی وفات ہو گئی۔ اور لوگوں نے آپ کو وہیں ایک نشیب میں دفن کر دیا۔

آپ کے بعد قبیلۂ افرائیم کا ایک پاکباز فرد یشوع بن نون آپ کا جانشین بنا۔ یہ ایک بہادر اور دانشمند سپہ سالار تھا۔ یہ ارضِ موعود کی طرف بڑھا۔ بحیرۂ مردار کے شمال میں دریائے جارڈن کو عبور کر کے جریکو (Jericho) شہر پہ قابض ہو گیا۔ یہ ارضِ موعود کا پہلا شہر تھا۔ اور بنو اسرائیل کنعان میں پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے۔

یشوع کے بعد طالوت۔ پھر داؤد اور پھر سلیمان کا زمانہ آیا۔ ۹۷۵ ق م میں حضرت سلیمانؑ کے کہنے پر ناتن نبی نے فلسطین کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا:۔

☆ جنوبی، یہوداہ کو دے دیا۔ اور

شمالی، اسرائیل کے باقی دس قبائل کو۔

ان کے بادشاہوں کے نام ''اسرائیل'' (شمار ۲۴) کے تحت دیکھیے۔

یہ قبائل پہلے تو آپس میں الجھتے رہے۔ پھر ۸۴۰ ۸۰۰ ق م کے درمیان ان پر شام کے بادشاہوں نے حملے کیے۔ اور کافی علاقہ چھین لیا۔ ۷۱۳ ق م میں سلطنت اسرائیل (شمالی حکومت) کو اشوری ہڑپ کر گئے۔ اور ۵۸۷ ق م میں یہوداہ کو بختِ نصر نے مٹا دیا۔ (عہد بائبل کی کہانی: ص ۸۰)

اسرائیل کی اسیری وجلاوطنی

اسرائیل پر اشور کے حملوں کا آغاز ۷۷۱ ق م میں ہوا تھا۔ پہلے حملہ آور کا نام پُل (Pul) تھا۔ اس نے ۷۷۱ ق م میں اسرائیل پر کچھ سالانہ باج لگایا۔ اور واپس چلا گیا۔

۷۴۰ ق م میں تغلت پلسر (Tiglath Pileser) گلیلی اور جارڈن کے بعض قبائل کو پکڑ کر لے گیا۔

پھر ۷۲۱ ق م میں شال منیسر نے حملہ کیا۔ سماریہ کو لوٹا۔ اور ہزاروں باشندے ہمراہ لے گیا۔

۷۱۳ ق م میں سناکرب آیا۔ اور دو لاکھ کو قیدی بنا کر لے گیا۔

پھر بابل کے بادشاہ بخت نصر (۶۰۲ ـ ۵۶۲ق م) کے حملے شروع ہو گئے ۔ اس نے ۵۹۸ق م میں بیت المقدس کو تباہ کیا۔ اور ایک لاکھ کے قریب قیدی جن میں تمام سپاہی، دکاندار، صناع، علماء، معمار اور کسان شامل تھے، ساتھ لے گیا۔

جب ایران کے بادشاہ سائرس نے بابل پہ قبضہ کیا۔ تو ۵۳۶ق م میں اسرائیل کو واپس جانے کی اجازت دے دی۔ ان کا پہلا قافلہ ۵۳۵ق م میں قبیلۂ یہوداہ کے ایک ممتاز رکن زی ربّل کی قیادت میں، دوسرا ۴۵۸ق م میں حضرت عزیر کے ساتھ۔ اور تیسرا ۴۴۵ میں نحمیاہ کے ہمراہ روانہ ہوا۔ ان قافلوں میں کل ۴۲ ہزار آدمی تھے۔ یہ سلسلہ بعد میں بھی دیر تک جاری رہا۔ (ڈاب: ص ۹۹)

بنو اسرائیل کے صحائف کی تفصیل ''اہل کتاب'' (شمار ۔ ۵۶) کے تحت دیکھیے۔

مآخذ: ۔ ۱۔ عہد بائبل کی کہانی ۔، ۲۔ پیپلز ۔ ص ۵۹۸، ۱۰۳۵، ۳۔ بائبل، ۴۔ قرآن حکیم، ۵۔ کمپینین ۔ ص ۱۸۲ ۶۔ باڈ ۔ ص ۳۹۴، ۷۔ ڈاب ۔ ص ۹۹

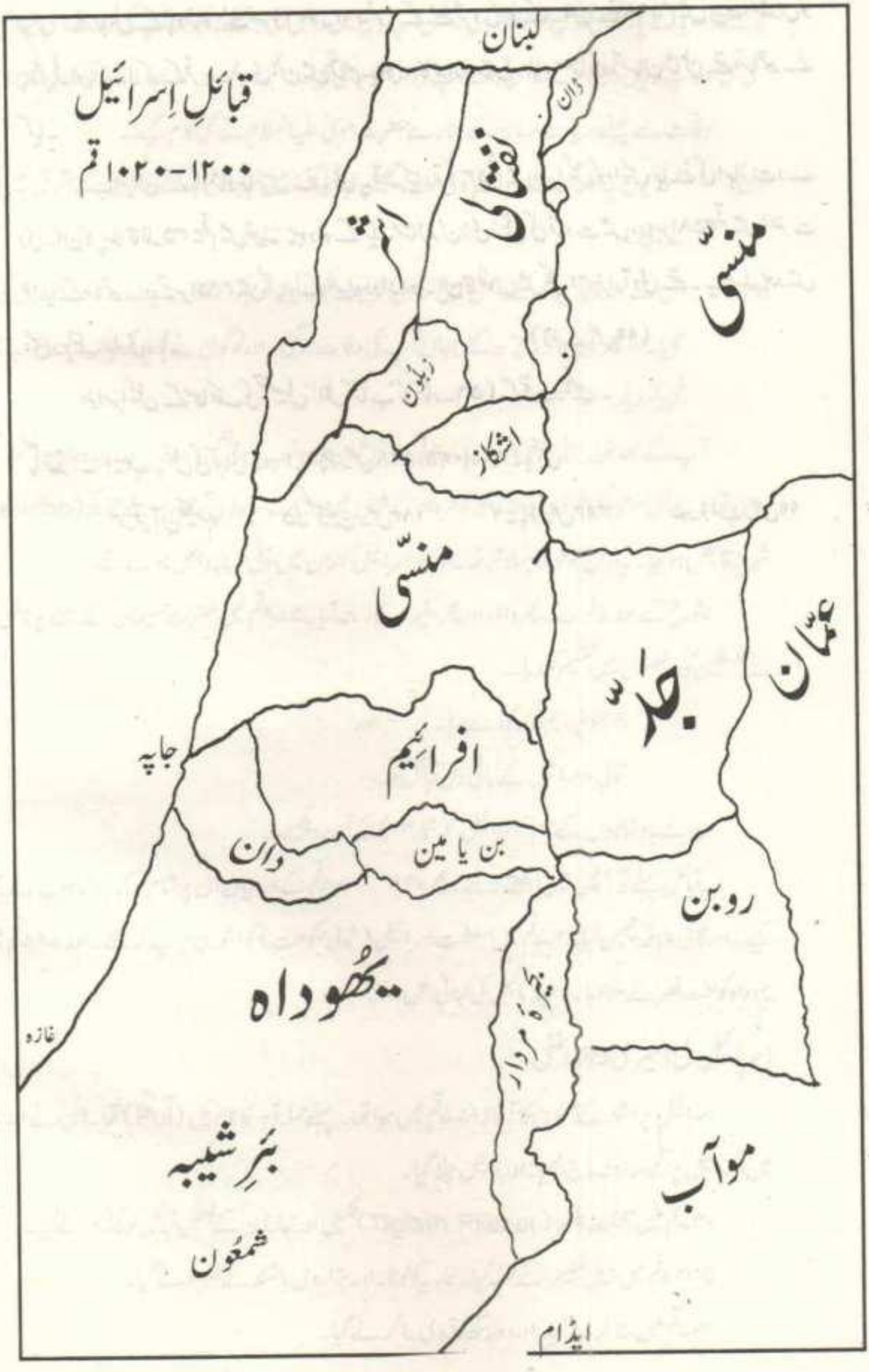

قبائلِ اسرائیل
۱۲۰۰-۱۰۲۰ ق م
لبنان
دان
نفتالی
آشر
منسّی
زبلون
اشکار
منسّی
جاد
عمّان
افرائیم
جاپہ
دان
بن یامین
روبن
یہُوداہ
غازہ
بحیرۂ مردار
بئرِ شیبہ
موآب
شمعُون
ایدام

۶۹۔ بَیتُ اللہِ الحرام (کعبہ)

جیسا کہ ہم "ابراہیم" کے ضمن میں لکھ چکے ہیں۔ کعبہ تعمیر خلیلؑ و اسماعیلؑ ہے۔ یہ اس چھوٹی سی عمارت کا نام ہے۔ جو مسجدِ حرم کے وسط میں واقع ہے۔

روایتوں میں ہے۔ کہ:

بنائے[1] خلیل کی بلندی نو گز (ساڑھے ۱۴ فٹ۔ ان کا گز چوبیس انگشت کا تھا۔ یعنی اٹھارہ انچ)۔ لمبائی اکتیس گز (ساڑھے چھتیس فٹ) تھی اور چوڑائی بائیس گز (۳۳ فٹ) تھی۔

(خلاصۂ تواریخ مکہ: ص ۱۸)

کعبہ کے اندر دروازے کی دائیں جانب ایک گڑھا تھا۔ جس میں کعبہ کا سامان، نذریں اور تحفے رکھے جاتے تھے۔ درِ کعبہ کی بائیں جانب آپ نے دیوار میں حجرِ اسود نصب کر دیا۔ تا کہ طواف کا نقطۂ آغاز بنے۔

---

[1] کعبہ کا طول و عرض اُس وقت کا ہے جب خلیلؑ و اسماعیلؑ نے اسے تیار کیا تھا بعد میں یہ بار بار گرا اور بنا۔ جب ۱۲۶۸ھ = ۱۸۵۲ء میں خلاصۂ تواریخ مکہ کا مصنف حج کو گیا تو اس وقت کعبہ کی پیمائش یہ تھی۔ بلندی ۲۷ فٹ ساڑھے چار انچ۔

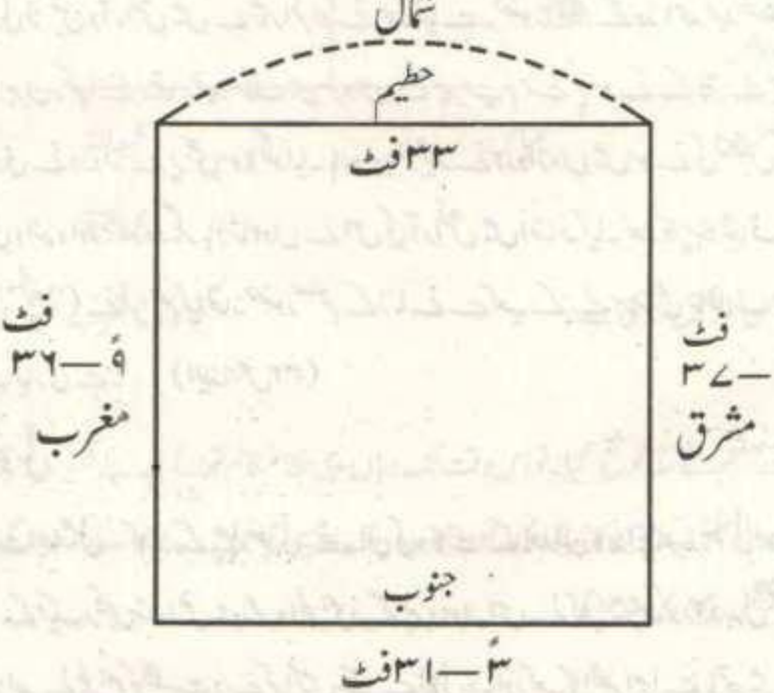

کعبہ کی تعمیرِ نو

جب بنائے خلیل بوسیدہ ہو گئی۔ تو اسے بنو جرہم نے از سرِ نو بنایا۔ کچھ عرصے کے بعد عمالقہ نے اس کی دیواروں کو اونچا کیا۔ جب کعبہ کی ولایت قریش کے جدِ امجد قُصَی بن کلاب کے حوالے ہوئی۔ تو اس نے نئی چھت ڈلوائی۔ جب ۵۹۶ء میں سیلاب سے کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ تو قریش نے اسے از سرِ نو بنوایا۔ جب حجرِ اسود نصب کرنے کا وقت آیا۔ تو لوگ جھگڑ پڑے۔ ہر قبیلہ اس سعادت کو حاصل کرنے کے لیے بے تاب تھا۔ بالآخر طے

یہ ہوا۔ کہ جو شخص باب صفا سے حرم میں سب سے پہلے داخل ہو۔ وہ حَکَم بنے۔ اتفاق یہ کہ اس روز سب سے پہلے حضرت محمد صلعم داخل ہوئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۵ برس تھی۔ آپ نے فرمایا۔ کہ ایک چادر لائیں۔ حجرِ اسود کو اس میں رکھیں۔ تمام رؤسائے قبائل چادر کو پکڑیں۔ اور پتھر کو اوپر اٹھائیں۔ جب وہ پتھر اپنے مقام تک آ گیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اٹھا کر دیوار میں نصب کر دیا۔ اور اس طرح سارے قبائل مطمئن ہو گئے۔

جب عبداللہ بن زبیر نے اُمیّہ کے خلاف اعلان بغاوت کیا۔ اور مکّہ میں ایک متوازی حکومت قائم کر دی۔ تو یزید نے اسے گرفتار کرنے کے لیے ایک فوج بھیجی۔ عبداللہ نے کعبہ میں پناہ لی۔ یزیدی سپہ سالار نے منجنیق سے پتھر برسانے شروع کر دیے۔ جس سے کعبہ کی ایک دیوار گر گئی۔ اسی اثنا میں یزید مر گیا۔ اور فوج واپس چلی گئی۔ اس کے بعد عبداللہ نے کعبہ کو از سر نو بنوایا۔

پھر حجاج نے اس میں ردّ و بدل کیا۔ اور ۱۰۴۰ھ میں سلطان مراد خان عثمانی نے اس کی تعمیر و تزئین کرائی۔

(خلاصۃ تواریخ مکّہ: ص ۲۴، ۳۰)

آرائشِ کعبہ

کعبہ کی تزئین و آرائش میں بے شمار افراد نے حصہ لیا ہے۔ حضور ﷺ کے جدِّ امجد عبدالمطلب نے اس میں سونے کے دو ہرن رکھوائے تھے۔ عبدالملک بن مروان نے میزاب رحمت پر سونے کے پترے چڑھائے ولید بن عبدالملک اموی نے دروازے پر بھی سونا لگوایا۔ ہارون الرشید نے دروازوں میں سونے کی میخیں لگوائیں۔ متوکل، مقتدر عباسی کی والدہ اور متعدد دیگر بادشاہوں نے اس کی آرائش میں اضافہ کیا۔ کعبہ کا پہلا غلاف حمیر کے ایک تبّع اسد (دیکھیے: ''تبّع'') نے فراہم کیا تھا۔ حضور صلعم کے زمانے سے کعبہ کے لیے ہر سال نیا غلاف تیار ہوتا ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ (ایضاً: ص ۳۲)

کعبہ کے مُتَوَلّی

حضرت اسماعیلؑ کعبہ کے پہلے متولی تھے۔ ان کی وفات کے بعد ان کا بڑا بیٹا نبیط متولی ہوا۔ اس کے بعد یہ منصب جُرہُم کے ایک رئیس مُضاض بن عَمرو الجرہمی کے سپرد ہوا۔ اس نے کعبہ میں کچھ ردّ و بدل بھی کیا۔ ایک ہزار سال بعد بنو خُزاعہ نے جُرہُم کو شکست دے کر انہیں مکّہ سے نکال دیا اور کعبہ کا انصرام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ یہ لوگ تین سو برس تک متولی رہے۔ ان کا آخری متولی حُلیل بن حبشیہ بن سَلول بن کعب تھا۔ جس کی ایک لڑکی قریش کے جدِّ امجد قُصَیّ بن کلاب کے نکاح میں تھی۔ اس زمانے میں قریش نواح مکّہ میں رہتے تھے۔ حلیل کے بعد اس کا فرزند مُحترِش ناظم کعبہ بنا۔ یہ ایک پست کردار شرابی تھا۔ ایک دن قُصَیّ نے شراب کے ایک دو مشکیزے دے کر اس سے

ولایت کعبہ کا منصب خرید لیا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے۔ جب ایران پر بہرام گور (۳۹۸۔۴۴۱ء) کی حکومت تھی۔ قُصَیّ کے بعد اس کا ایک فرزند عبدالدار ناظم کعبہ مقرر ہوا۔ لیکن اس کا دوسرا فرزند عبدِ مناف کہنے لگا کہ اس منصب کا اہل میں ہوں۔ جب یہ تنازعہ طول پکڑ گیا۔ تو اکابر قریش نے تین مناصب یعنی:۔ حجابہ (نگہبانی۔کلیدِ کعبہ)۔ نَدوہ (دارالندوہ:۔ جس میں اکابر مشورے کرتے اور لڑکیوں کے نکاح باندھتے تھے) اور لواء (عَلم) عبدالدار کے پاس رہنے دیے۔ اور رفادہ (حاجیوں کی روٹی کا انتظام) وسِقایہ (پانی پلانا) عبدمناف کے حوالے کر دیے۔

(معجم البلدان۔ ج ۸، ص ۱۳۴)

آلِ قُصَیّ کا شجرہ یہ ہے:۔

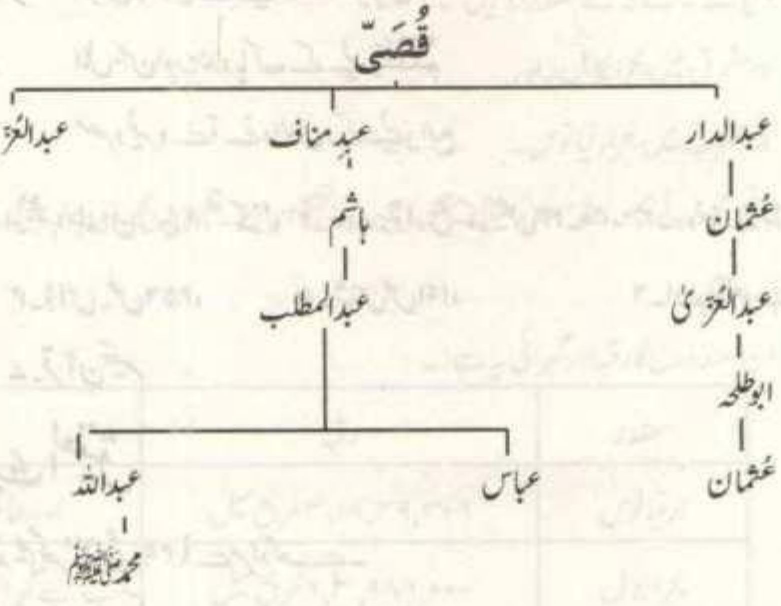

یہ شجرہ نامکمل اور محض توضیحی ہے۔ (ادب العرب: ص ۲۰)

جب حضور صلعم نے مکہ کو فتح کیا۔ تو اس وقت تک وہاں یہی نظام قائم تھا۔ آپ نے کلید کعبہ عبدالدار کی اولاد میں سے عثمان بن ابی طلحہ کے پاس رہنے دی۔ اور منصب سقایہ اپنے چچا عباس کے حوالے کر دیا۔ کہ وہی اس کے مستحق تھے۔ (معجم: ج ۸، ص ۱۳۵)

حُدودِ حرم

حرم میں چند چیزیں ممنوع ہیں۔ یعنی:۔

☆ شکار کھیلنا ☆ درخت کاٹنا ☆ جھگڑنا

☆ زبان اور دیگر اعضا کا بے جا استعمال۔

اس مقصد کے لیے حرم کی حدود، کعبہ کے اردگرد ایک برید (چھ۔دس یا بارہ میل) تک رکھی گئی ہیں۔

میقاتِ حج

میقات سے مراد جوارِ مکہ کے وہ مقامات ہیں۔ جہاں سے حج کے لیے احرام باندھا جاتا ہے۔ یہ چھ ہیں:۔

۱۔ اہل شام کے لیے جُحفہ

۲۔ اہل مدینہ کے لے ذُو الحُلَیفہ

۳۔ نجد کے لیے قرن

۴۔ عراق والوں کے لیے ذات العِرق

۵۔ اہل یمن اور ہند و پاک کے لیے یَلَمْلَمْ

۶۔ مصر وغیرہ سے آنے والوں کے لیے رابغ

مآخذ:۔ ۱۔معجم البلدان۔ج۸،''مکہ''، ۲۔خلاصۂ تواریخ مکہ۔ص۲۴۔۴۰، ۳۔رہ نمائے مقاماتِ مقدسہ، ۴۔ڈاس۔ص۲۵۶، ۵۔شاس ص۱۹۱، ۶۔ادب العرب۔ص۲۰، ۷۔قرآنِ حکیم

۷۰۔بیتُ العتیق

''قدیم گھر'' (حج۔۲۹) سے مراد کعبہ ہے۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:۔۶۹۔''بیت اللہ الحرام''

۷۱۔بِیَع

''اگر اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی وساطت سے نہ روکتا۔ تو راہبوں کے ہیکل، گرجے۔ یہود کے معابد اور مساجد جن میں اللہ کا نام لیا جاتا ہے۔ سب تباہ ہو جاتے۔''

(حج۔۴۰)

اس آیت میں بِیَعْ کا لفظ بھی آیا ہے۔ یہ بِیعَہ کی جمع ہے۔ جس کے معنی ہیں: نصاریٰ کی عبادت گاہ۔ اس کی دو جمعیں اور بھی ہیں۔ یعنی:۔ بِیَعَاتٌ اور بِیْعَاتٌ۔ (مُنجِد۔''بَیْعٌ'')

۷۲۔ بَیْنَ البَحْرَیْنِ

سورۂ نمل میں ہے:۔

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ جَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّ جَعَلَ لَهَا رَوَاسِیَ وَ جَعَلَ بَیْنَ الْبَحْرَیْنِ حَاجِزًا ط ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ ط بَلْ اَکْثَرُهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۞(نمل:٦١)

(کیا جس اللہ نے زمین کو انسانی رہائش کے قابل بنایا۔ اس میں نہریں چلائیں۔ اس کی سطح پر پہاڑ ڈالے اور دو سمندروں کے درمیان ایک حجاب حائل کیا۔ اس کا شریک کوئی اور بھی ہے؟ قطعاً نہیں۔ لیکن بیشتر لوگ اس حقیقت سے غافل ہیں)

دنیا کے بڑے بڑے سمندر دو ہیں:۔

☆مشرق میں بحرالکاہل۔ اور

☆مغرب میں بحراوقیانوس۔

باقی چھوٹے چھوٹے سمندر مثلاً:۔ بحیرۂ عرب۔ خلیج ایران۔ قلزم۔ بحیرۂ روم۔ بالٹک وغیرہ انہی کی شاخیں (کھاڑیاں) ہیں۔

ان سمندروں کا رقبہ اور گہرائی یہ ہے:۔

سمندر	رقبہ	گہرائی
اوقیانوس	۳،۱۸،۳۹،۳۰۶ مربع میل	اوسطاً ۱۳،۸۸۰ فٹ
بحرالکاہل	۶،۳،۹۸۶،۰۰۰ مربع میل	سب سے گہرا حصہ:۔ ۳۵،۸۰۰ فٹ

(ریڈرز ڈائجسٹ اٹلس: ص ۹۸۔۹۹)

ان سمندروں میں بڑے بڑے طوفان اٹھتے ہیں۔ لیکن وہ آج تک درمیانی برزخ (خشکی) پہ غالب نہیں آسکے۔

ت

۷۳۔ تابوت

قرآن میں درج ہے۔ کہ:۔

بنو اسرائیل کے ایک گروہ نے اپنے ایک نبی سے کہا۔ کہ ہم پر کوئی بادشاہ مقرر کیجئے۔ انہوں نے اللہ سے اشارہ پا کر انہی میں سے ایک شخص طالوت کو بادشاہ بنا دیا۔ اس پر ان لوگوں نے

یہ اعتراض کیا۔ کہ طالوت ایک مفلس آدمی ہے۔

نبی نے فرمایا۔ کہ اس کے انتخاب کی ایک وجہ تو اس کا علم ہے۔ اور دوسری اس کی عمدہ شخصیت ۔ ساتھ ہی کہا۔ کہ عنقریب فرشتے تمہارے گُم شدہ تابوت کو بطور علامت تصدیق تمہارے سامنے لا رہے ہیں:۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ط (بقرہ:۲۴۸)

(ان کے نبی نے کہا۔ کہ طالوت کے بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہے۔ کہ فرشتے اس تابوت کو تمہارے سامنے لا رہے ہیں۔ جس میں تمہاری تسکین کا سامان اور آلِ موسیٰ وآل ہارون کی کچھ یادگاریں ہوں گی)

یہ تابوت بنواسرائیل کا ایک مقدس صندوق تھا۔ جو کیکر کی لکڑی سے بنایا گیا تھا۔ پونے چار فٹ لمبا، سوا دو فٹ چوڑا، اتنا ہی گہرا۔ سونے کے پتروں سے آراستہ۔ چاروں کونے پر چار موٹے چھلّے۔ جن میں سے دو لٹھ گذار کر اسے ڈولی کی طرح کندھوں پر اٹھایا جاتا تھا۔ اوپر غلاف ڈال دیا جاتا تھا۔ تاکہ نظر نہ آئے۔ اس میں تورات مقدس کے علاوہ ہارون علیہ السلام کا عصا، موسیٰ علیہ السلام کا وہ برتن جس میں وہ ایلیم کے مقام پر مَن (آسمان سے برسنے والی گوندسی) جمع کیا کرتے تھے۔ اور کئی دیگر یادگاریں رکھی تھی۔ یہ عموماً بنولاوی کے ہاں رہتا تھا۔ جب کوئی جنگ چھڑ جاتی۔ تو حمال اسے اٹھا کر اپنی فوج کے سامنے چلتے۔ اور عموماً جیت جاتے۔ (ڈاب:ص ۵۱)

''خداوند نے یشوع سے کہا...... کہ سات کاہن صندوق کے آگے سات نرسنگے لے کر چلیں۔ ساتویں دن شہر کے اردگرد (جس پر حملہ کرنا تھا) سات بار گھومیں۔ زور سے نرسنگے بجائیں۔ اور نعرے لگائیں۔ شہر کی دیوار گر جائے گی۔'' (یشوع:۶/۱۔۶)

حضرت داؤد علیہ السلام نے اس صندوق کے لیے ایک الگ خیمہ لگوایا تھا۔ اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں بیت المقدس مکمل ہو گیا۔ تو اسے اس مقدس گھر میں رکھوا دیا گیا۔ جب بخت نصر نے ۶۰۰ ق م کے قریب یوروشلم کو تباہ کیا۔ تو اس کے بعد تابوت کا سراغ کہیں سے نہ مل سکا۔ یا تو بختِ نصر اسے ساتھ لے گیا تھا۔ اور یا یوروشلم ہی میں تباہ ہو گیا تھا۔

مآخذ:۔ ۱۔خروج۔ص ۲۵، ۲۔گنتی۔۷/۹،۱۰/۲۱، ۳۔یشوع۔۳،۶، ۴۔۲۔سموئیل۔۶/۳، ۵۔ڈاب۔ص ۵۱

۷۴۔ تُبّع

(نیز دیکھیے: سَبا)

وَاَصۡحٰبُ الۡاَیۡکَۃِ وَقَوۡمُ تُبَّعٍ ؕ کُلٌّ کَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ وَعِیۡدِ ۝ (ق ۱۴:)

(اہل اُیکہ اور قوم تُبّع نے رسولوں کو جھٹلایا۔ اور ان کے حق میں وعدۂ عذاب پورا ہوا)

تبع شاہان یمن کے ایک سلسلے کا نام تھا۔

یمن میں کئی سلسلے حکمران رہے:۔

پہلا سلسلہ۔ سبا کے مذہبی بادشاہوں کا تھا۔ جو مکارب کہلاتے تھے۔ یہ ۱۲۰۰ق م سے ۵۵۰ق م تک حکمران رہے۔ بلقیس کا تعلق اسی سلسلے سے تھا۔

دوسرا سلسلہ۔ ملوک سبا کا تھا۔ جو ۵۵۰ق م سے ۱۵۰ق م یا ۱۱۵ق م تک برسر اقتدار رہے۔

تیسرا سلسلہ۔ ملوک حِمیر کا۔ جن کی حکومت ۱۵۰ق م سے ۲۷۰ء تک صرف یمن پر تھی۔

چوتھا سلسلہ۔ تُبّع کا۔ جو یمن اور حضر موت دونوں پر ۲۷۰ء سے ۵۲۵ء تک حکمران رہے۔

تُبّع کے معنی ہیں:۔ جبار اور صاحبِ قوت۔

پہلا تُبّع حارث الرّائش تھا۔

اس کے بعد کتنے تبع آئے۔ مؤرخ کوئی یقینی بات کہنے سے قاصر ہے۔ تاہم یمن کی کھدائیوں اور اس کے کئی ہزار کتبوں اور نوشتوں سے، جو اب تک برآمد ہو چکے ہیں۔ سلاطین تبع کے کچھ نام معلوم ہوئے ہیں۔ گو ابھی تک ان کی صحیح خواندگی نہیں ہو سکی۔ تاہم ان کی کئی متبادل فہرستیں تیار ہو چکی ہیں۔

ان میں سے ایک یہ ہے:۔

نمبر شمار	نام	از۔تا	
۱	یاسر ینعم (ینعم)	۲۷۰۔۲۷۹ء	
۲	شمر یُہرعش (یرعش)	۔۳۱۵ء	
۳	ابو مالک	۔۳۴۰ء	
۴	اقرن	۔۳۵۵ء	
۵	ذُوحیشان	۳۷۴ء	

۶	ملک یکرب (کلی کرب)	۳۷۸ء	
۷	عمر (ذاأمر)	۴۰۰ء	
۸	ابوکرب اسعد (سعد)	۴۲۵ء	
۹	شرجیل (حسان بن تبع)	۴۵۵ء	
۱۰	عبد کلیل (کلال)	۴۵۹ء	
۱۱	شرجیل یثوف	۴۸۰ء	
۱۲	مرثد (مرثدہ)	۴۹۰ء	
۱۳	ربیعہ (لہیعہ یثوف)	۵۰۰ء	
۱۴	ذُونواس	۵۲۵ء	یہ یہودی تھا۔ جب اسے خبر ملی۔ کہ نجران کے یہودی عیسائی بن گئے ہیں۔ تو اس نے بیس ہزار کو زندہ جلا دیا۔ دیکھیے ''اصحاب الأخدود'' اس ظلم کا انتقام لینے کے لیے اَبرہہ حبشہ سے آیا۔ اور اس نے تبع کے اقتدار کو ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔

(ارض القرآن: ج۔۱، ص ۲۷۸۔۲۹۵)

۷۵۔ تورات

تورات کا ذکر قرآن میں ۱۷ مرتبہ آیا ہے۔ اس سے مراد بائبل کی ابتدائی پانچ کتابیں ہیں۔ جو یا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں۔ اور یا آپ نے اپنی نگرانی میں مرتب کرائی تھیں۔ ان کتابوں میں اس دور کی تاریخ۔ آدم علیہ السلام سے موسیٰ تک بڑے بڑے انبیاء کے سوانح اور حضرت موسیٰ کی شریعت درج ہے۔ ان میں اس قسم کے سوانحی جملے جا بجا ملتے ہیں:۔

۱۔ ''اور ابراہیمؑ وہاں سے جنوب کی طرف چلا گیا۔

۲۔ وہ لڑکا بڑا ہوا۔ اور اس کا دودھ چھڑایا گیا۔

۳۔ پھر موسیٰ بنو اسرائیل کو بحرِ قلزم سے آگے لے گیا۔ تب وہ لوگ موسیٰ پہ بڑ بڑانے لگے۔ کہ ہم کیا پئیں۔'' وقس علی ہذا۔

ظاہر ہے۔ کہ اس قسم کے تمام جملے انسانی ہیں۔ اور الہامی حصے وہ ہیں۔ جن کے پہلے اس قسم کے فقرے ہیں:۔

''خداوند نے موسیٰ سے فرمایا.......... خداوند نے موسیٰ سے کہا..........''

(خروج:۱۲/۱، ۱۳/۱، ۱۴/۱)

قرآن سے پہلے کی تمام الہامی کتابوں میں انبیاء کے سوانح بھی شامل تھے۔ اور اس زمانے میں یہ چیز معیوب نہ تھی۔ قرآن پہلی الہامی کتاب ہے۔ جس میں انسانی کلام کا ایک حروف تک موجود نہیں۔

ان کتابوں کے دیگر کوائف جدول ذیل میں ملاحظہ فرمائیے:۔

نمبر شمار	نام	سالِ تالیف یا نزول	ابواب	صفحات	موضوع
۱	پیدائش	۱۴۹۱ق م۔ ۱۴۵۱ق م کے درمیان	۵۰	۵۴	آدم علیہ السلام سے حضرت یعقوب علیہ السلام تک کی تاریخ۔ اور ان کے شجرہائے نسب۔
۲	خروج	۱۴۹۱ق م۔ ۱۴۵۱ق م کے درمیان	۴۰	۴۰	موسیٰ کی ولادت۔ بنو اسرائیل کے حالات۔ مصر سے ان کا خروج۔ کوہِ طور پر موسیٰ کی عبادت۔ دس احکام کا نزول۔ اور شریعت موسیٰ۔
۳	اُحبار	"	۲۷	۲۹	شریعت کے مزید احکام۔
۴	گنتی	"	۳۶	۴۲	بنو اسرائیل کی مردم شماری۔ ان کی تاریخ دشتِ سینا سے ارضِ موعود کی سرحدات تک۔ یہ ۳۷ برس کی تاریخ ہے نیز کچھ شرعی احکام۔
۵	اِستثنا	"	۳۴	۳۸	یہ ان تین مواعظ کا مجموعہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے موت سے پہلے ارشاد فرمائے تھے۔ ساتھ ہی پچھلے چالیس سال کی تاریخ کا اعادہ۔ اور آپ کی موت کی تفصیل۔ ظاہر ہے کہ یہ موت کا باب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کا اضافہ ہے۔
		میزان:۔	۱۸۷	۲۰۳	

ہم ''ابراہیم'' کے ضمن میں یہ واضح کر چکے ہیں۔ کہ محققین، واقعاتِ بائبل کے زمانے کی تعیین نہیں کر سکے۔

اوران میں سے ہر ایک نے ہر واقعہ کی جداگانہ تاریخ دی ہے۔ مصر سے خروج بنو اسرائیل کی تاریخ کا ایک بہت اہم واقعہ ہے۔ لیکن مورخین نے اس کی سات تاریخیں دی ہیں۔

یعنی:۔ ۱:	۱۶۴۸ق م	۲:	۱۵۹۳ق م
۳:	۱۵۱۲ق م	۴:	۱۴۹۹ق م
۵:	۱۴۹۷ق م	۶:	۱۴۹۱ق م
اور ۷:	۱۳۰۸ق م		

چونکہ مورخین کی اکثریت ۱۴۹۱ق م کو ترجیح دیتی ہے۔ اس لیے میں نے بھی اس تاریخ کو انتخاب کیا ہے۔

ماخذ:۔ ۱۔ کمپینین۔ ص۱۸۲، ۲۔ ڈاب۔ مختلف عنوانات، ۳۔ بائبل۔ از پیدائش تا استثنا۔

۷۶۔ التّین

شام میں ایک پہاڑ۔ (معجم البلدان۔ ج ۲)

اللہ نے سورۂ والتّین میں تین پہاڑوں یعنی التّین۔ زیتون (بیت المقدس کا ایک پہاڑ)۔ طور اور ایک شہر یعنی مکّہ کی قسم کھا کر کہا ہے۔ کہ انسان فطرتاً صالح۔ اور نیک فطرت واقع ہوا ہے۔ چونکہ حضرت ابراہیمؑ بابل سے ہجرت کر کے شام میں چلے گئے تھے۔ اور التّین سے ایک قسم کا لگاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ اس لیے اس سے مراد فطرت ابراہیمی ہے۔ زیتون سے مراد عیسوی۔ طور سے موسوی۔ اور مکّہ سے محمدی ہے۔ یہ چاروں بزرگ کفرستانوں میں پیدا ہونے کے باوجود اپنے ماحول کے خلاف نبرد آزما رہے۔ یہ اس حقیقت کی واضح دلیل ہے۔ کہ انسان فطرتاً صالح واقع ہوا ہے۔

ماخذ:۔ ۱۔ قرآنِ حکیم، ۲۔ معجم۔ ج ۲

ث

۷۷۔ ثانی اثنین

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا ۚ (توبہ:۴۰)

(اگر تم اس کی مدد نہیں کرتے۔ تو اللہ کو پرواہ نہیں۔ کیونکہ اللہ نے رسول کی اس وقت مدد کی۔ جب اسے کفار نے مکّہ سے نکال دیا تھا۔ اور وہ دو میں دوسرا تھا۔ جب یہ دونوں غار میں تھے

تو اس نے اپنے ساتھی سے کہا۔ کہ غم نہ کرو۔ کہ اللہ تمہارے ساتھ ہے)

تمام مفسّرین اور مؤرخین اس بات پر متفق ہیں۔ کہ ہجرت میں حضرت ابوبکرؓ صدیق حضور صلعم کے ہم سفر تھے۔

نیز دیکھیے:۔ ۱۲۵۔ صاحب

۷۸۔ ثَلٰثَةُ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا

جب نویں سال ہجری میں حضور صلعم نے عساکر روم کی گوشمالی کے لیے شمالی عرب کے ایک سرحدی شہر تبوک کا ارادہ فرمایا۔ تو تمام صحابہ کو ساتھ جانے کے لیے کہا۔ تیس ہزار صحابہ، جن میں دس ہزار سوار بھی تھے۔ اس مہم میں شامل ہوئے۔ لیکن اَسّی آدمی گرمی، طویل [1]سفر اور خوف مرگ کی وجہ سے کترا گئے۔ حضور صلعم تبوک میں بیس یوم رہے۔ جب دشمن سامنے نہ آیا۔ تو آپ ﷺ قریباً دو ماہ کے بعد واپس آگئے۔ تمام متخلفین (پیچھے رہ جانے والے) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپؐ سے معافی مانگی۔ اور دوبارہ بیعت کی۔

لیکن جب ابوعبداللہؓ کعب بن مالک انصاری (حضورؐ کے شاعر) مرارہؓ بن ربیع (ربیعہ) اور ہلالؓ بن امیہ الانصاری الواقفی آپ ﷺ کے سامنے آئے۔ تو آپ ﷺ نے منہ پھیر لیا۔ اور فرمایا۔ کہ تم تینوں کے متعلق میں وحی کا انتظار کروں گا۔ اور ساتھ ہی تمام صحابہ کو حکم دے دیا۔ کہ کوئی ان سے بات نہ کرے۔ یہ سزا اتنی بڑی تھی۔ کہ ان کی نیند تک حرام ہوگئی۔ پورے پچاس دن کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔ اور انہیں اتنی خوشی ہوئی کہ کعبؓ نے اپنی ساری جائیداد اللہ کی راہ میں دے ڈالی۔

"اللہ نے اپنے نبی اور ان مہاجرین و انصار پہ رحم کیا ہے۔ جنہوں نے ایک نہایت مشکل وقت (غزوۂ تبوک) میں، جب ایک گروہ کے کلیجے آب ہو رہے تھے، نبی کا ساتھ دیا تھا۔ پھر ان پر دوبارہ نظر کرم کی۔ کیونکہ اللہ بڑا ہی مہربان اور کرم کرنے والا ہے۔

وَّعَلَى الثَّلٰثَةِ الَّذِيْنَ خُلِّفُوْا حَتّٰٓى اِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ.

اور ان تین افراد پر بھی رحم کیا۔ جن کا فیصلہ رسول نے ملتوی کر دیا تھا۔ اور جن پر زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہوگئی تھی۔" (توبہ:۱۱۸)

مآخذ:۔ ۱۔ کمالین۔ ص ۱۶۶، ۲۔ تفسیر حقانی۔ ج ۴، ص ۲۳۶، ۳۔ کتاب الاستیعاب۔ ج۔۱، ص ۲۱۶، ۴۔ تلقیح۔ ص ۳۰

---

[1] تبوک، مدینہ سے چودہ منزل (ہر منزل ۱۸ میل کی) دور تھا۔ یعنی اندازاً اڑھائی سو میل۔

۷۹۔ ثمود یا عادِ ثانیہ

(نیز دیکھیے: "اِرَم ذات العماد"۔ شمار۔۲۱)

عاد کے جانشین۔ جو ساحل قلزم پر یثرب سے وادی القریٰ تک آباد تھے۔ ان کا دارالحکومت حجر تھا۔ جو شام و یمن کی شاہراہ پہ واقع تھا۔ اور جسے آج کل مدائن صالح کہتے ہیں۔ پہاڑوں کو کاٹ کر مکان بنانا اور پتھروں کی عمارات و مقابر تیار کرنا ان کا فن خصوصی تھا۔

وَاذْكُرُوٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا (اعراف: ۷۴)

(یاد کرو۔ جب اللہ نے تمہیں عاد کے بعد اقتدار بخشا تھا۔ اور ایک خاص خطۂ ارض میں تمہیں آباد کیا تھا۔ تم اس کی نرم مٹی سے محل بناتے اور پہاڑوں میں گھر کاٹتے تھے)

آیۂ ذیل سے ظاہر ہے۔ کہ یہ قوم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پہلے گزری تھی۔ دربارِ فرعون کا ایک مومن قومِ فرعون کو یوں دھمکاتا ہے:۔

وَقَالَ الَّذِیْٓ اٰمَنَ یٰقَوْمِ اِنِّیْٓ اَخَافُ عَلَیْكُمْ مِّثْلَ یَوْمِ الْاَحْزَابِ ۙ مِثْلَ دَاْبِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثَمُوْدَ وَالَّذِیْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ ؕ (مومن: ۳۰۔۳۱)

(دربار فرعون کا ایک مومن کہنے لگا۔ کہ اے قوم! مجھے ڈر ہے۔ کہ کہیں تم گذشتہ اقوام مثلاً پیروانِ نوح، عاد، ثمود اور بعد کی اقوام کی طرح کسی مصیبت کا شکار نہ بن جاؤ)

سام کے ایک پوتے کا نام صالح تھا۔ صالح بن ارفخشد بن سام بن نُوح۔ (پیدائش: (۲۴/۱۰)

ممکن ہے یہ وہی صالح ہو۔ جو ثمود کی طرف مبعوث ہوا تھا۔ لیکن بائبل میں ثمود کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ البتہ یونان و روم کے مؤرخین نے ان کا ذکر کیا ہے۔

گبن (جلد اول) لکھتا ہے۔ کہ:۔

قیصر جسٹی نی ین (۵۲۷۔۵۶۵ء) کی فوج میں تین سو ثمودی عرب بھی تھے۔

(ارض۔ ج۔۱، ص ۱۹۸)

جہاں تک ثمود کے سیاسی اقتدار کا تعلق ہے۔وہ بہت پہلے ختم ہو چکا تھا۔

مؤرخین کا اندازہ یہ ہے۔کہ ثمود کے دو دور تھے:۔

دورِاول: ۱۵۰۰ق م سے ۱۱۰۰ق م تک تھا۔اور

دوسرا :۱۰۰۰ق م سے ۷۵۰ق م تک۔

جب اشُور کے ایک بادشاہ شرعون دوم (۷۲۲۔۷۰۵ق م) نے عرب پر حملہ کیا۔تو اس وقت ثمود بھی عرب میں آباد تھے۔لیکن بے اقتدار۔ (ارض۔ج۔ا،ص ۱۹۸)

مقامِ حیرت ہے۔کہ جو ثمود جُسٹی نی ىَن کی فوج میں شامل تھے۔وہ اچانک کہاں غائب ہو گئے؟

جب ۶۱۰ء میں حضورﷺ نے اعلانِ نبوت فرمایا۔تو ان کا کوئی ایک فرد بھی کہیں موجود نہ تھا اور قرآن نے انہیں بار بار تباہ شدہ اقوام کے سلسلے میں پیش کیا۔

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌ بِالْقَارِعَةِ ○ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ○ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ

(حاقہ:۴۔۶)

(ثمود و عاد نے قیامت کا انکار کیا۔بطورِ سزا ثمود کو ایک کڑک سے ہلاک کر دیا گیا۔اور عاد کی تباہی زناٹے کی سخت آندھی سے ہوئی)

بعض محققین کا خیال یہ ہے۔کہ ثمود کی تباہی ایک آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے سے ہوئی تھی۔اس کے لاوے کے نشانات آج بھی مدائن صالح کے مغرب میں موجود ہیں۔ (بی۔مارٹز:عریبین۔بحوالہ شاس۔ص ۵۹۲)

ای گلیسر (E. Glaser) کا خیال (شاس:ص ۵۹۲) یہ ہے کہ بنُو ہذیل کا ایک قبیلہ،بنولحیان،جس کا زمانہ اقتدار غالباً ۲۰۰ق م سے ۵۰۰ میلادی تک تھا۔ثمود ہی کی ایک شاخ تھی۔

مآخذ:۔ ا۔ارض القرآن۔ج۔ا،ص ۱۹۱، ۲۔شاس۔ص ۵۹۱۔۵۹۲، ۳۔اعلام۔ص ۹۴، ۴۔لقر۔ج ۲،ص ۲۲۳، ۵۔قرآنِ حکیم

ج

۸۰۔جالوت

(نیز دیکھیے:طالوت)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقریباً چار سو سال بعد جب بنواسرائیل کے حالات بگڑنے لگے۔ تو ہمسایہ ریاستوں نے ان کا ناطقہ بند کردیا۔ کبھی بحرِ روم کے ساحل پہ بسنے والے فلسطینی حملہ کردیتے۔ کبھی عمالقہ اور کبھی اہل مدین۔ یہاں تک کہ غازہ والوں نے ان سے تابوت (شمار: ۳:۷) بھی چھین لیا۔ ان حملہ آوروں میں ظالم ترین جالوت تھا۔ جو بیت لحم کے قریب ایک وادی ''ریفام'' کا رہنے والا تھا۔ اور ساحلی فلسطین کا بادشاہ بن گیا تھا۔ یہ اسرائیلیوں پہ بار بار حملے کرتا اور ان کی خاصی تعداد کو غلام بنا کر لے جاتا۔

اس صورت حال سے تنگ آکر بنواسرائیل نے اپنے ایک نبی سموئیل (۱۰۷۴ق م) سے التماس کی۔ کہ وہ ان کے لیے کوئی بادشاہ منتخب کرے۔ چنانچہ اس نے طالوت کو ۱۰۹۵ق م میں بادشاہ مقرر کیا۔ اور یہ صرف ۳۱۳ جاں باز لے کر جالوت کے مقابلے میں نکلا۔ مغربی یہوداہ کے ایک شہر شوکہ (Shochoh) کے قریب ایک وادی افسدمیم میں یہ صف آرا ہوئے۔ پھر:

''فلسطینیوں کے لشکر سے ایک پہلوان نکلا۔ جس کا نام جالوت تھا۔ قد چھ ہاتھ اور ایک بالشت۔ سر پر پیتل کا خود......'' (۱۔سموئیل: ۱۷/۱۔۸)

وہ چالیس روز تک طالوت کو للکارتا رہا۔ کہ میرے مقابلے کے لیے کوئی آدمی بھیجو۔ لیکن کوئی سامنے نہ آیا۔ اس اثنا میں حضرت داؤد کے والد یسّی نے داؤد کو میدان جنگ میں بھیجا۔ کہ وہ اپنے تین بھائیوں (الیاب۔ ابی نداب اور شمّہ) کی خبر لے آئے۔ اور انہیں کھانا بھی دے آئے۔ جب حضرت داؤد میدان جنگ میں پہنچے۔ اور جالوت کو دھاڑتے گرجتے دیکھا۔ تو اپنا فلاخن لے کر آگے بڑھے اور اس چابکدستی سے پتھر پھینکا۔ کہ اس کی پیشانی کی ہڈی کو توڑ کر اندر چلا گیا۔ وہ گر گیا۔ اور حضرت داؤد نے اسی کی تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا۔ اس کے بعد حضرت داؤد طالوت کے مشیر خاص مقرر ہو گئے۔ جب طالوت کی وفات ہوگئی۔ تو حضرت داؤد علیہ السلام ۱۰۵۵ق م میں بادشاہ بن گئے۔

کمپینین کے مطابق چند واقعات کی تاریخیں یہ ہیں:۔

۱۔	موسیٰؑ کی وفات	۱۴۵۱ق م
۲۔	یشوعؑ کی وفات	۱۴۲۹ق م
۳۔	طالوت کی بادشاہی کا آغاز	۱۰۹۵ق م
۴۔	داؤد کی سلطنت حبرون پر	۱۰۵۵ق م
۵۔	″ ″ یوروشلم پر	۱۰۴۷ق م
۶۔	داؤد کی وفات اور سلیمان کی جانشینی	۱۰۱۵ق م

۷۔ سلیمانؑ کی وفات ۹۷۵ ق م (کمپینین: ص ۱۸۲)

طالوت کا نسب نامہ یہ ہے۔

طالوت بن کِش بن نیر بن یعی ایل...... بن یامین بن یعقوب۔ (۱۔ تواریخ: ۸/۳۲۔۳۳)

قرآن میں طالوت و جالوت کی کہانی سورۂ بقرہ کی آیات ۲۴۵-۲۵۱ (آخر پارۂ دوم) میں دیکھیے۔

ماخذ:۔ ۱۔ ا۔ سموئیل۔ ۱/۱۷۔۸)، ۲۔ ا۔ تواریخ ۸/۳۲۔۳۳، ۳۔ کمپینین۔ ص ۱۸۲،
۴۔ ڈاب۔ ص ۲۱۷، ۵۔ قصص۔ ج ۲، ص ۳۵۔۵۴، ۶۔ قرآنِ عظیم،

۸۱۔ الجُبّ

جب برادران یوسفؑ نے حضرت یوسف کو ہلاک کرنے کا ارادہ کیا۔ تو ان میں سے:

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ
يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ○ (یوسف: ۱۰)

(ایک نے کہا کہ یوسف کو قتل نہ کرو۔ اگر کچھ کرنا ہی ہے تو اسے کسی گہرے کنوئیں میں پھینک دو۔ تا کہ کوئی قافلہ اسے نکال لے جائے۔)

یاقوت حموی لکھتا ہے کہ:

جس کنوئیں میں حضرت یوسفؑ کو پھینکا گیا تھا وُہ نواحِ حبرون کی ایک بستی سِنجُل کے قریب تھا۔ ظاہر ہے کہ وُہ پہلے چاہِ سِنجُل کہلاتا ہوگا۔ لیکن بعد میں چاہِ یُوسُفؑ کے نام سے مشہور ہوگیا۔ (معجم: ج ۵۔ "س ن")

۸۲۔ جَبّارِیْن (عمالقہ)

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام طور سے نکل کر کنعان کی طرف چلے تو عمالقہ نے اُن کا راستہ روکا۔ یہ لوگ عملیق بن لُوذ بن سام بن نوح کی پشت سے تھے۔ انھیں شکست ہوئی اور بنو اسرائیل قادیش تک جا پہنچے۔ آگے پھر عمالقہ کی بستیاں تھیں۔

حضرت موسیٰؑ نے کہا:

يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا
تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ○ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى

اِنَّ فِیۡهَا قَوۡمًا جَبَّارِیۡنَ ق صلے وَ اِنَّا لَنۡ نَّدۡخُلَهَا حَتّٰی یَخۡرُجُوۡا مِنۡهَاج (مائدہ:۲۲)

(کہ اے قوم اس ارض مقدس میں داخل ہو جاؤ۔ جو اللہ نے تمہارے لیے لکھ رکھی ہے۔ اور پیٹھ نہ پھیرو۔ ورنہ خسارے میں رہو گے کہنے لگے۔ کہ اے موسیٰ! وہاں تو ایک طاقتور قوم (عمالقہ) آباد ہے۔ اور ہم وہاں اسی صورت میں قدم رکھیں گے۔ کہ وہ لوگ خود بخود اپنے وطن کو چھوڑ کر کہیں اور چلے جائیں)

عمالقہ چند وحشی قبائل تھے۔ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں بحیرہ مردار کے مغرب میں آباد تھے۔ اور موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں یہ جنوبی فلسطین اور صحرائے تیہہ پر قابض تھے۔ (گنتی:۱۳/۲۹)

عرب مؤرخین کی رائے یہ ہے۔ کہ پہلے یہ لوگ خلیج ایران کے غربی ساحل پہ رہائش رکھتے تھے۔ وہاں سے اشوری بادشاہوں نے انہیں صحرائے سینا کی طرف دھکیل دیا۔ اصلاً یہ لوگ چرواہے تھے۔ اور ان کے ریوڑ ان کی دولت تھی۔

ا۔ سموئیل کی کتاب (۱۵/۵) میں ان کے ایک شہر کا بھی ذکر آیا ہے۔ لیکن غالباً اس سے مراد ان کی خیمہ گاہیں اور عارضی چار دیواریاں ہیں۔ ان کے بادشاہ اجاج (گنتی:۲۴/۷) کہلاتے تھے۔ ان کا پہلا تصادم بنو اسرائیل سے رفیڈیم (سینا) کے قریب ہوا۔ اور شکست کھائی۔ پھر کنعانیوں کے ساتھ مل کر جنوبی فلسطین میں بنو اسرائیل پہ دوبارہ حملہ کیا۔ اور اسرائیل کو سخت شکست دی۔ چند صدیاں بعد طالوت نے ان پر حملہ کیا۔ اور ان کی تمام بستیاں کنعان سے حدودِ مصر تک روند ڈالیں۔ ان کی باقی ماندہ قوت پہ حضرت داؤدؑ نے ضربیں لگائیں۔ اور یوں یہ مکمل طور پر تباہ ہو گئے۔

نیز دیکھیے:۲۱۔ ''ارم ذات العماد''

مآخذ:۔ ا۔ بائبل: گنتی۔۱۳/۲۹،۲۴/۷، ۲۔ سموئیل۔۱۵/۵، ۳۔ پیپلز۔ ص۴۱، ۴۔ ڈاب۔ ص۳۲، ۵۔ قرآنِ مقدس،

۸۳۔ جبتؔ

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ اُوۡتُوۡا نَصِیۡبًا مِّنَ الۡکِتٰبِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡجِبۡتِ وَالطَّاغُوۡتِ وَیَقُوۡلُوۡنَ لِلَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا هٰۤؤُلَآءِ اَهۡدٰی مِنَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا سَبِیۡلًا ؕ (نساء:۵۱)

(کیا تم نے ان لوگوں کا حال دیکھا۔ جنہیں کتاب کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ لیکن وہ لوگ جبت وطاغوت پہ ایمان لانے کے بعد کفار کے متعلق کہنے لگے۔ کہ یہ مومنوں سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں)

جبت کے معنی ہیں:۔

''بت وکاہن وفال گو وجادو وجادوے کہ دراں خیر نباشد۔ وہر چیز غیر باری تعالیٰ کہ آن را پرستش نمایند۔'' (منتہیٰ: ج۔۱، ص۲۳۲)

عکرمہ کا قول ہے کہ حبشہ کی زبان میں جبت شیطان کو کہتے ہیں۔ (لقر: ص۲۳۷)

ابن جریر طبری فرماتے ہیں:۔

اِنَّ الْمُرَادَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ جِنْسٌ مَّا كَانَ يُعْبُدُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ سِوَآءٍ كَانَ صَنَمًا اَوْ شَيْطَانًا، جِنِّيًّا اَوْ اٰدَمِيًّا فَيَدْخُلُ فِيْهِ السَّاحِرُ وَالْكَاهِنُ

(کہ جبت وطاغوت سے مراد اللہ کے سوا ہر وہ چیز ہے۔ جس کی پرستش کی جاتی ہو۔ خواہ وہ بت ہو۔ یا شیطان۔ جن ہو یا آدمی۔ اس میں ساحر وکاہن بھی شامل ہیں)

(ایضاً: ص۲۳۸)

مآخذ:۔ ۱۔ منتہی الارب۔ ج۔۱، ص۲۳۲، ۲۔ لقر۔ ص۸۔۲۳۷، ۳۔ قرآنِ مقدس،

۸۴۔ جبرِیل

ابوحیان نے البحر المحیط میں اس کے تیرہ تلفظ دیے ہیں۔ یعنی:۔

۱۔ جبریل	۲۔ جَبریل	۳۔ جَبرَئیل
۴۔ جَبرَئِل۔ ہمزہ کے بعد یا ندارد	۵۔ جَبرَئِلّ۔ لام پہ شد	۶۔ جَبرائیل
۷۔ جبرَائِل	۸۔ جَبرَال	۹۔ جبرائیل
۱۰۔ جَبرَیل	۱۱۔ جبرِین	۱۲۔ جبرِین ۱۳۔ جَبرَائین

یہ سُریانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں:۔ اللہ کا بندہ۔

جبر: عبد ، ایل: اللہ

جبریل کا ایک کام اللہ کا پیغام انبیاء تک پہنچانا ہے۔ قرآن میں اسے کئی دیگر ناموں سے بھی یاد کیا گیا ہے۔

مثلاً:۔

☆ رُوح القُدُس ☆ رُوح الامین

☆ شدیدُ القُویٰ ☆ ذُومِرّہ

☆ مُطاع اور مکین

گو ملائکہ نظر نہیں آتے۔ لیکن حضور صلعم نے جبریل کو دو مرتبہ دیکھا تھا:

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۙ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۗ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۙ (نجم:۱۳۔۱۶)

(رسول نے جبریل کو دوسری مرتبہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس نیچے آتے دیکھا تھا۔ قریب ہی جنت تھی۔ اس وقت سِدرہ پر نُور و سُرور کا ایک عجیب عالم چھایا ہوا تھا)

بائبل میں جبریل کا بار بار ذکر آیا ہے۔ لکھا ہے۔ کہ:۔

☆ اس نے جنت سے نکلنے کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو تسلی دی۔

☆ حضرت نوح علیہ السلام کو کشتی بنانے کا فن سکھایا۔

☆ نارِ ابراہیم کو سرد کیا۔

☆ ساحران فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰ کی مدد کی۔

☆ جب بنو اسرائیل قلزم سے گزر چکے۔ تو جبریل نے گھوڑے پر چڑھ کر فرعونیوں کو آواز دی۔ کہ آؤ تم بھی یہاں سے گزرو۔ اور جب وہ آگے گئے، تو سب کو ڈبو دیا۔

☆ داؤد علیہ السلام کو زرہ سازی سکھائی۔

☆ حضرت زکریاؑ اور مریمؑ کو یحییٰ و عیسیٰ (بالترتیب) کی بشارت دی۔

مآخذ:۔ ۱۔ ڈاس۔ ص ۱۳۳، ۲۔ شاس۔ ص ۷۹، ۳۔ لقر۔ ص ۲۳۸، ۴۔ اعلام۔ ص ۹۸، ۵۔ قرآن شریف،

۸۵۔ جن

جن کے متعلق ہمارے ہاں بے شمار آراء و روایات ملتی ہیں۔ جن کا مُلخص یہ کہ جنوں کی پانچ قسمیں ہیں:۔

اول۔ جان:۔ نہایت ضعیف و بزدل جن۔

دوم۔ شیطان:۔ بدروح۔

سوم۔ عفریت:۔ ایک طاقتور بدروح۔

چہارم۔ مَرِید:۔ نہایت طاقتور بدروح۔

پریاں:۔ نیک جن عورتیں۔

ان سب اقسام کا مشترک نام جن ہے۔ (ڈاس۔ص ۱۳۴)

جن کے متعلق متصادم روایات ملتی ہیں۔ ایک روایت کے مطابق ابلیس تمام جنّات کا باپ ہے۔ ایک اور روایت میں یہ مقام جان کو دیا گیا ہے۔

فرشتوں کی تخلیق نُور سے ہوئی تھی۔ اور جنّات کی نار سے۔ نور و نار کی حقیقت ایک ہی ہے۔ فرق یہ کہ نور میں حرارت نہیں ہوتی۔ ان کے اجسام شفاف ہوتے ہیں۔ اور یہ ہر لباس (انسان، حیوان، سانپ وغیرہ) میں جلوہ گر ہو سکتے ہیں۔ ان میں نیک بھی ہوتے ہیں اور بد بھی۔ سورۂ جن میں جنوں کی زبان سے یہ اعتراف ملتا ہے:۔

وَاَنَّا مِنَّا الصّٰلِحُوْنَ وَ مِنَّا دُوْنَ ذٰلِكَ ط (الجن:۱۱)

(ہم جنوں میں سے کچھ نیک ہیں اور کچھ بد)

جس طرح انسانوں کی طرف انبیاء مبعوث ہوتے تھے۔ اسی طرح ان کی طرف بھی رسول آتے رہے۔ کچھ ایسے رسول بھی تھے۔ جو انسان اور جنات ہر دو کی طرف مبعوث ہوئے۔ مثلاً۔ حضرت سلیمان علیہ السلام۔

کہتے ہیں کہ اہرام مصر کے بانی بھی جن تھے۔

ایک روایت کے مطابق آدمؑ سے پہلے زمین پر جن آباد تھے۔ چونکہ یہ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔ اس لیے اللہ نے ان کی گوشمالی کے لیے فرشتے بھیجے۔ انہوں نے جنوں کو سخت سزا دی۔ اور ان کے سردار (ابلیس) کو پکڑ کر آسمانوں پر لے گئے۔ وہاں اس نے تہذیب سیکھی۔ علم حاصل کیا۔ اور فرشتوں کا سردار بن گیا۔ پھر جب اللہ نے آدم کو خلیفہ بنانے کا اعلان کیا۔ تو ابلیس نے مخالفت کی اور یہ آسمانوں سے ہمیشہ کے لیے نکال دیا گیا۔

جنوں کی جو نوع شیطان کہلاتی ہے۔ ابلیس کی اولاد ہے۔ یہ اس وقت تک زندہ رہے گی، جب تک زمین پر ایک انسان بھی باقی ہے۔ اور پھر ابلیس سمیت سب مر جائیں گے۔ ان شیاطین میں پانچ بہت مشہور ہیں:۔

اول۔ تیر:۔ جو حادثوں کا سامان کرتا ہے۔

دوم۔ اَعوَر:۔ جو عیاشی و بدمعاشی سکھاتا ہے۔

سوم۔ سُوط:۔ جو جھوٹ بلواتا ہے۔

چہارم۔ داسم:۔ جو زن و شوہر میں پھوٹ ڈالتا ہے۔

پنجم۔ زَلم بُور:۔ جو قحبہ خانوں کا انتظام کرتا ہے۔ (ڈاس۔ص ۱۳۵)

کچھ جن زمین پہ رہتے ہیں۔ کچھ ہوا میں۔ اور کچھ سمندر پر۔ ان کی کل تعداد اڑھائی کروڑ کے قریب ہے۔ ان میں سے کچھ سانپ کی طرح رینگتے اور کچھ اڑتے بھی ہیں۔ یہ بلی، کتے، چوہے اور بچھو کی صورت بھی اختیار کر لیتے ہیں۔ بگولے میں بھی ایک تند و تلخ جن ہوتا ہے۔

اہل مصر کا عام عقیدہ یہ ہے۔ کہ بستیوں میں ہر محلے کی پاسبانی ایک جن کے سپرد ہوتی ہے۔ جو سانپ بن کر وہاں رہتا ہے۔ جنوں کی ایک قسم غول کہلاتی ہے۔ جو تنہا مسافر کو پکڑ کر کھا جاتی ہے۔ (ڈاس۔ ص ۱۳۳۔۱۳۸)

۸۶۔ جُودی

یہ ارمینیہ و عراق کے درمیان ایک پہاڑ ہے۔ جسے یونانی گوردیاری (Gordyori) اور آج کل جغرافیہ نگار ارادات کہتے ہیں۔

یہ عبرانی زبان کا لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں:۔ مقدس زمین۔

مسٹر وسٹن اپنی تصنیف "تاریخ ارمینیہ" (ص ۳۶۱) میں لکھتا ہے کہ ارارا تیہ پہاڑ کا نام نہیں۔ بلکہ ارمینیہ کے ایک وسطی صوبے کا نام ہے۔ یہ ایک سطح مرتفع ہے۔ جس کے جنوب میں عراق اور شمال میں ارکساس (Araxes) کا میدان ہے۔ (ڈاب۔ ص ۴۹)

سوال یہ ہے۔ کہ نوح کی کشتی کہاں ٹھہری تھی؟

کالڈیہ کا ایک مؤرخ بروسس (Berosus) جو اسکندر یونانی کا ہم عصر تھا، لکھتا ہے۔ (ڈاب۔ ص ۴۹) کہ یہ کُردستان کے پہاڑوں پہ جا رکی تھی۔ جو ارارات سے کافی جنوب میں واقع ہیں۔ یورپی محققین کے ہاں ارارات اس پہاڑ کا نام ہے۔ جسے اہل ارمینیہ ماسِس، تُرک، اگری راغ (اونچا پہاڑ) اور ایرانی کوہِ نوح کہتے ہیں۔ یہ ارکساس کے میدان سے شروع ہو کر ان دو چوٹیوں تک چلا جاتا ہے۔ جو بڑی اور چھوٹی ارارات کے نام سے مشہور ہیں۔ ان چوٹیوں میں سات میل کا فاصلہ ہے۔ بڑی چوٹی کی بلندی ۱۷۲۶۰ فٹ ہے اور چھوٹی کی کوئی ۱۳۰۰۰ فٹ۔ ان پر ہمیشہ برف رہتی ہے۔ یہ پہاڑ آتش فشاں قسم کے ہیں ان کی چوٹیوں پر چڑھنا کارے دارد۔

مسٹر پیرٹ پہلا کوہ پیا ہے۔ جو ۱۸۲۹ء میں شمال مغربی دامن کے ایک گاؤں ارگری (Arguri) سے اس کی چوٹی تک پہنچا تھا۔ یہ گاؤں اسی انگورستان میں تعمیر ہوا تھا۔ جس کی بنا حضرت نوحؑ نے ڈالی تھی۔ ارکساس کے میدان ہی میں وہ مقام واقع ہے۔ جہاں حضرت نوح علیہ السلام دفن ہوئے تھے۔ اور جسے ناچ جیون (Nach Jevan) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ارارات کسی ایک پہاڑ کا نام نہیں۔ بلکہ یہ پہاڑوں کا ایک سلسلہ ہے۔ جو ارمینیہ سے کُردستان تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ آج تین ریاستوں یعنی:۔ روس۔ ترکی اور ایران کی سرحد کا کام دے رہا ہے۔ اس کے دامنوں پر گھاس

بافراط پیدا ہوتی ہے۔ جس میں کردوں کے ریوڑ چرتے ہیں، اس کی وادیوں اور میدانوں میں گندم۔ جو اور انگور بکثرت ہوتے ہیں۔ نوحؑ کی کشتی اسی پہاڑ کے جنوبی دامن پہ جا لگی تھی۔

ماخذ:۔ ا۔ ڈاب۔ ص۴۹، ۲۔ چیمبرز۔ ص۷۵، ۳۔ قرآن شریف،

ح

۸۷۔ حام

حام کیا ہے؟

اس کے متعلق دو قول ہیں:۔

اول۔ مجدالدین فیروز آبادی لکھتا ہے:۔

''حام اس نر اونٹ کو کہتے ہیں۔ جس سے دس اونٹنیاں حاملہ ہو چکی ہوں۔ عرب ایسے اونٹ کو آزاد چھوڑ دیتے۔ اس پر نہ سواری کرتے۔ نہ اس کی اُون کاٹتے۔ اور نہ اسے کسی کھیتی میں چرنے سے روکتے تھے۔'' (منتہی الارب۔ ج اول ص۴۵۲)

دوم۔ ابن عباس کے ہاں حام وہ اونٹ ہے۔ جو اپنی پوتی کو حاملہ کردے۔ ایسے اونٹ کو عرب آزاد کر دیتے تھے۔

قرآن میں ہے:

''جانوروں میں یہ بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام خدا کے تجویز کردہ نام نہیں۔ بلکہ یہ کافروں کا افترا ہے اور ان میں اکثر احمق ہیں۔'' (مائدہ۔۱۰۳)

نیز دیکھیے:۔ ۶۰۔ ''بحیرہ''

ماخذ:۔ ا۔ منتہی الارب۔ ج۔ ا، ص۴۵۲، ۲۔ تفسیر ابن عباس۔ ص۲۹۱، ۳۔ مائدہ۔۱۰۳،

۸۸۔ حجر

دیکھیے:۔ ۳۰۔ اصحابُ الحِجر

۸۹۔ حَمَّالَةَ الحَطَبْ

(زوجۂ بولہب)

ابولہب کی زوجہ جمیل بنت حرب، امیر معاویہ کی پھوپھی اور ابوسفیان کی بہن تھی۔ یہ جنگل سے خاردار شاخیں اپنی پیٹھ پہ اٹھالاتی اور حضور صلعم کی راہ میں بکھیر دیتی۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی:۔

وَّامْرَاَتُهٗ ؕ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۚ (لہب:۴)

(ابولہب کی ایندھن اٹھانے والی بیوی بھڑکتی آگ میں جلے گی)

حَمَّالَةُ الْحَطَبْ کے لفظی معنی ہیں:۔ایندھن اٹھانے والا۔ یہ عربی زبان میں شریر۔غماز اور لگائی بجھائی کرنے والے کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

اتفاق یہ۔ کہ زوجۂ بُولہب میں دونوں باتیں موجود تھیں۔ وہ جنگل سے خاردار شاخیں بھی اٹھالاتی تھی۔ اور شریر و مفسد بھی تھی۔ ایک دن وہ لکڑیوں کا ایک بہت بڑا گٹھ پیٹھ پر اٹھائے جا رہی تھی۔ کہ رسی (کھجور کی چھال کی) سرک کر گلے میں پڑ گئی۔ اس نے گردن کو آزاد کرانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوئی۔ اور جنگل ہی میں تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

فِیْ جِیْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۚ (لہب:۵)

(اس کی گردن میں کھجور کی چھال کی رسّی ڈالی جائے گی)

یہ پیش گوئی حرف بہ حرف پوری ہوئی۔ (شاس۔ص ۱۱)

مآخذ:۔ ۱۔قرآن مقدس، ۲۔جلالین۔(لہب)، ۳۔شاس۔ص ۱۱

۹۰۔ حُنَین

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ ۙ وَّیَوْمَ حُنَیْنٍ ۙ

(توبہ:۲۵)

(اللہ نے بہت سے میدانوں میں تمہاری مدد کی۔ اور حُنین کے دن بھی)

حُنین مکہ وطائف کے درمیان ایک وادی ہے۔ جہاں ہجرت کے آٹھویں سال جب حضور ﷺ فتح مکہ کے بعد مدینہ کو واپس جا رہے تھے۔ تو دو قبائل یعنی بنو ثقیف و بنو ہوازن نے ایک خاصی تعداد (بروایے چار اور بروایے بارہ ہزار) میں حضور ﷺ پہ حملہ کر دیا۔ پہلے تو صحابہ بھاگ نکلے۔ لیکن جلد ہی واپس آ گئے۔ اور پھر اس پامردی و شجاعت سے لڑے۔ کہ قبائل کو مکمل شکست ہوگئی۔ مسلمانوں میں صرف چار شہید ہوئے تھے۔ اور قبائلی مقتولین کی

تعداد ستر تھی۔ اور اسیران جنگ کی چھ ہزار۔ مال غنیمت میں ۲۴ ہزار اونٹ، چالیس ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ[1] چاندی بھی شامل تھی۔ (تلقیح۔ ص ۳۴)

عمالقہ کا ایک سردار حُنین بن قانیہ بن مہلائیل مدتوں اس وادی پہ قابض رہا۔ اور یہ اسی کے نام سے مشہور ہوگئی۔

یاقوت لکھتا ہے۔ کہ:

یہ وادی مکّہ سے ۱۵/۱۶ میل دور طائف کی طرف ہے۔ (معجم۔ ج ۳)

لیکن ابن الجوزی کہتا ہے:

وَ حُنَيْنٍ وَادٍ بَيْنَهٗ وَ بَيْنَ مَكَّةَ ثَلٰثُ لَيَالٍ.

(کہ حنین ایک وادی ہے۔ جو مکّہ سے تین رات کے فاصلے پر واقع ہے)

اور ساتھ ہی لکھتا ہے کہ حضور صلعم مکّہ سے ۶۔ شوال کو نکلے تھے۔ اور ۱۰ شوال کو وادیٔ حُنین میں پہنچے تھے۔ (تلقیح: ص ۳۴)

آج کل کے نقشوں سے پتہ چلتا ہے۔ کہ حنین مکّہ سے اندازاً ۱۵/۱۶ میل شمال مشرق میں ہے اور غالباً یہی فاصلہ صحیح ہے۔

مآخذ:۔ ۱۔ تلقیح۔ ص ۳۴، ۲۔ معجم۔ ج ۳، ۳۔ قرآنِ حکیم

۹۱۔ حواری

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ (عمران: ۵۲)

(جب عیسٰی نے اپنی قوم کا کفر دیکھا۔ تو کہا۔ کوئی ہے۔ جو اللہ کی طرف بلانے میں میری مدد کرے؟ حواریوں نے کہا۔ کہ ہم ہیں اللہ کے مددگار)

حواری کا مادہ حَور ہے۔ جس کے متعدد معانی ہیں۔ مثلاً:۔

دھونا۔ سفیدی۔ خلوص۔ مدد وغیرہ

حضرت مسیح کے مقرب اصحاب میں سے کئی ماہی گیر (مرقس: ۱/۱۶) تھے۔ اور ممکن ہے۔ کہ دھوبی بھی ہوں۔ یہ لوگ ایمان لانے کے بعد سفید کپڑے پہنتے تھے۔ پادری لوگ آج بھی اس سنّت پہ عمل کر رہے ہیں۔ اور مسیح علیہ السلام کے مددگار تو تھے ہی۔ ان صفات کی بنا پر یہ حواری کہلاتے تھے۔ اور ان کا کام لوگوں کے دل دھونا تھا۔

---

[1] اوقیہ کا وزن سوا تین تولے ہوتا ہے۔ بارہ اوقیہ کا ایک رطل یعنی تقریباً نصف سیر۔

حضور صلعم نے بھی صحابہ کو عقبہ[ل] ثانیہ کے موقعہ پر حواری کا خطاب دیا تھا۔ مثلاً:۔ زُبیر بن عوام اور مدینہ کے بارہ مومن۔ جن میں سے نو خزرج سے تعلق رکھتے تھے۔ اور تین اوس سے۔ خاص حواریانِ مسیح کی تعداد بارہ تھی۔ یعنی:۔

"شمعون جو پطرس کہلاتا ہے۔ اور اس کا بھائی اینڈریو، زبیدی کا بیٹا جیمز اور اس کا بھائی یوحنا، فلپ، برتلمو، تھامس، متی محصول لینے والا، حلفئی کا بیٹا جیمز، تدی، سائمن قنانی اور یہوداہ اسکریوتی۔" (متی۔۱۰۔۲/۵)

مختصراً ان کے کوائف یہ ہیں:۔

۱۔ پطرس کا پہلا نام شمعون تھا۔ یونس کا بیٹا۔ صوبہ گلیلی کی ایک بستی بیت سیدا (Bethsaida) کا رہنے والا۔ پیشہ ماہی گیری۔ جو بعد میں حضرت مسیح کا خلیفۂ اول بنا۔

۲۔ اینڈریو پطرس کا بھائی تھا۔ یہ حضرت یحییٰ کا بھی پیرو رہا۔ حضرت مسیح پر ایمان لانے والوں میں سے یہ چوتھا تھا۔

۳۔ زبیدی کا بیٹا جیمز (مرقس۔۱/۹، لوقا ۵/۱۰) پطرس کا ساتھی تھا۔ پیشہ ماہی گیری۔ اسے ۴۴ء میں ہیروڈ اگرپا اول نے قتل کر دیا تھا۔

۴۔ حلفئی کا بیٹا جیمز، جو اوپر والے جیمز سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے جیمز کمتر (The Less) کہلاتا تھا۔ یہ حضرت مریم کی ہمشیرہ کا بیٹا تھا۔ باپ کا نام کلوفس (دیکھیے: متی ۱۰/۳، مرقس ۳/۱۸، لوقا ۶/۱۵)۔

۵۔ یوحنا۔ یہ بھی زبیدی کا بیٹا تھا۔ اور گلیلی میں مچھلیاں پکڑا کرتا تھا۔

۶۔ فلپ، پطرس کا ہم وطن تھا۔ (متی ۱۰/۳، مرقس ۳/۱۸)

۷۔ متی بحیرۂ گلیلی کے مغربی ساحل کی ایک بستی 'کا پرنام' کا رہنے والا، جو حکومت روم کی طرف سے محصولات جمع کیا کرتا تھا۔ پہلی انجیل اسی نے مرتب کی تھی۔

۸۔ برتھل میو۔ گلیلی کی ایک بستی قنا کا رہنے والا۔ جو تبلیغ کے لیے ہندوستان بھی گیا تھا۔

۹۔ تھامس، انطاکیہ کا باشندہ، جو ایران میں تبلیغ کرتا رہا۔ اس کی قبر یونان کے ایک شہر اڈیسہ میں ہے۔

۱۰۔ تدی۔ اس کے حالات معلوم نہیں۔

ل عقبہ کے معنی ہیں گھاٹی، وادی، نشیب، یہاں مراد منیٰ کے قریب ایک نشیب ہے جہاں ۶۲۱ء (ہجرت سے ایک سال پہلے) میں مدینہ کے بیس (اور بروایتے بارہ) آدمیوں (دس خزرجی اور دس اوسی) نے حضور ﷺ کے دستِ مبارک پہ بیعت کی تھی۔ یہ عقبۂ ثانیہ کے نام سے مشہور ہے۔ اس موقعہ پر حضور صلعم نے بارہ افراد کو حواری کا خطاب دیا تھا اور مدینہ میں اسلامی سوسائٹی کے اُمور اُن کے سپرد کر دیے تھے۔ (ڈاس: ص ۲۶)

۱۱۔ سائمن زیلاٹ۔(لوقا۶/۱۵،اعمال۱/۱۳)

۱۲۔ یہوداہ، جس نے حضرت مسیح علیہ السلام کوگرفتار کرایا تھا۔ (یوحنا۱۲/۴۔۶،۱۳/۲۹،۶/۶۶)

ماخذ:۔ ۱۔بائبل۔متی۱۰/۲۔۵،مرقس۱/۹۔۱۶،۱۸/۳،لوقا۵/۱۰،یوحنا۶/۶۶،۱۲/۴۔۶،۱۳/۲۹

۲۔ڈاس۔ص۱۶، ۳۔پیپلز ''اپاسلز''، ۴۔ڈاب۔ایضاً، ۵۔قرآنِ حکیم

۹۲۔حُور

یہ حَوراء کی جمع ہے۔لغوی معنی:۔سُفید۔مراد حسینانِ بہشت۔فارسی میں اسے حُوری بھی کہتے ہیں۔قرآن نے ان کا کئی بار ذکر کیا ہے۔ایک مقام پر فرمایا:۔

فِيهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ يَطْمِثْهُنَّ إِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ کَاَنَّهُنَّ الْیَاقُوْتُ وَالْمَرْجَانُ ۚ (رحمٰن:۵۶-۵۸)

حُوْرٌ مَّقْصُوْرٰتٌ فِی الْخِیَامِ ۚ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّکُمَا تُکَذِّبٰنِ ۚ

(رحمٰن:۷۲۔۷۳)

(جنت میں نیچی نگاہ والی ایسی حوریں ہیں۔جنہیں نہ تو کسی انسان نے چھوا،نہ جن نے۔تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے، گویا وہ یاقوت ومرجان ہیں۔حسین صورت وسیرت کی مالک ہیں۔اور خیموں میں محفوظ ہیں۔تم اللہ کی کن کن نعمتوں کا انکار کروگے)

روایات میں ہے۔کہ حوریں زعفران،عنبر،مشک اور کافور سے پیدا کی گئیں۔یہ چار رنگ کی ہیں۔سرخ۔سفید۔سبز اور زرد۔ان کی چھاتیوں پر دو نام لکھے ہوئے ہیں۔ان کے شوہر کا اور اللہ کا۔ان کی عمر ۳۳ برس ہے اور ہمیشہ یہی رہے گی۔

ماخذ:۔ ۱۔قرآن مقدس، ۲۔شاس۔ص۱۴۰، ۳۔لقر۔ص۲۹۶

خ

۹۳۔ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ص فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا قف ثُمَّ اَحْیَاهُمْ ط اِنَّ اللّٰهَ

لَذُوا فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ (بقرہ:۲۴۳)

(کیا تم نے ان ہزاروں افراد کے حال پہ نظر نہیں ڈالی۔ جو موت کے ڈر سے گھروں کو چھوڑ گئے تھے۔ لیکن اللہ نے انہیں مارنے کے بعد پھر زندہ کر دیا۔ کیوں کہ اللہ لوگوں پہ بہت مہربان ہے)

یاقوت حموی لکھتا ہے۔ کہ:

ایک دفعہ واسط و بصرہ کے درمیانی علاقے سے جو بطیحہ کے نام سے مشہور تھا۔ وباء یا کسی اور وجہ سے لوگ بھاگ نکلے۔ اللہ نے سب کو مار ڈالا۔ پھر ان پہ بارش برسی اور وہ سب جی اٹھے۔

جب یہ کہانی خلیفہ مامون الرشید کے سامنے بیان ہوئی۔ تو اس نے کہا۔ کہ غالباً۔ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِم سے مراد یہی لوگ تھے۔

ماخذ:۔ معجم البلدان۔ ج ۲ "بطیحہ"

۹۴۔ خلیل

لفظی معنی:۔ خاص دوست۔ مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام۔

جن کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ۝ (نساء:۱۲۵)

(کہ اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنا لیا ہے)

علامہ خازن بغدادی فرماتے ہیں۔ کہ دوستی سے مراد عبادت، حمد و ثنا اور گناہوں سے اجتناب کا ذوق و شوق ہے۔ (فتح الباری۔ بحوالہ لغات القرآن۔ ج۔۱، ص ۳۲۳)

د

۹۵۔ دَابَّةُ الْاَرْضِ

قرآن میں ہے:۔

وَاِذَا وَقَعَ الْقَوْلُ عَلَيْهِمْ اَخْرَجْنَا لَهُمْ دَآبَّةً مِّنَ الْاَرْضِ تُكَلِّمُهُمْ لا اَنَّ النَّاسَ كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا لَا يُوْقِنُوْنَ (نمل:۸۲)

(جب ان پر عذاب الٰہی آنے لگے گا۔ تو ہم زمین میں سے ایک ایسا چوپایہ نکالیں گے۔ جو لوگوں سے باتیں کرے گا۔ یہ اس لیے کہ لوگوں کو ہماری آیات کا یقین نہیں رہا)

اس موضوع پر مُتعدّد احادیث ملتی ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ کہ:۔

قیامت سے عین پہلے ایک عجیب الہیئت جانور حرمِ مکّہ یا کوہ صفا سے نکلے گا۔ جس کا سر بیل کا، آنکھیں سؤر کی، کان ہاتھی کے، سینگ بارہ سنگھے کے، گردن شتر مرغ کی، رنگ شیر کا، دُم مینڈھے کی، لاتیں اونٹ کی اور آواز گدھے کی ہوگی۔ یہ دنیا میں صرف تین مقامات پہ نمودار ہوگا۔ اس کے پاس مُوسیٰ کا عصا، اور سلیمان کی خاتم ہوگی۔ اس کا قد ساٹھ ہاتھ (نوے فٹ) ہوگا۔ اس کی رفتار بے حد تیز ہوگی۔ وہ اپنی لاٹھی سے اہل ایمان کے ماتھے پر ''مومن'' اور کفار کی جبیں پہ ''کافر'' لکھتا جائے گا۔

وہ اعلان کرے گا۔ کہ:۔

اسلام کے سوا باقی تمام مذاہب باطل ہیں۔ (ڈاس۔ ص ۵۳۹)

۹۶۔ داوٗدؑ

جَسّی کا سب سے چھوٹا بیٹا۔ جس کا شجرۂ نسب یہ ہے:۔

داوٗد بن جَسّی	بن عُوبید	بن بُوعز	بن سلما	بن نحشون
بن امی نداب	بن رم	بن حضرون	بن فارض	بن عیر
بن یہُوداہ	بن یعقوب	بن اسحاق	بن ابراہیم	

یہ آٹھ بہن۔ بھائی تھے۔ ان کی والدہ کا نام معلوم نہیں۔ آپ کی ولادت بیتِ لحم (یوروشلم کے پاس جنوب میں ایک گاؤں) میں ہوئی تھی۔ یہ وہی گاؤں ہے۔ جہاں بعد میں مسیحؑ پیدا ہوئے۔

جوان ہوئے تو ڈاڑھی رکھ لی۔ قد چھوٹا، آنکھیں روشن، بال بھورے، صورت دلکش، پھرتیلے اور صاحب قُوّت وہیبت۔ (ا۔ تاریخ، باب ۱۶۔ ۱۷)

ان دنوں بیت لحم میں ہر سال پہلے مہینے کی پہلی تاریخ کو جشنِ قُربان (حج کی طرح) مُنعقد ہوا کرتا تھا۔ جس میں جَسّی مہمان خصوصی ہوتے تھے۔ ایک سال اس جشن میں حضرت سیموئیل علیہ السلام بھی جا پہنچے۔ آپ کے ہاتھ میں تیل سے بھرا ہوا ایک سینگ تھا۔ اور آگے آگے ایک بچھڑی۔ بچھڑی ذبح کر دی۔ اور تیل آتش قربان پہ ڈال دیا۔ اسی جشن میں آپ نے حضرت داوٗد سے بھی ملاقات کی۔ حضرت داوٗد کی طاقت کا یہ عالم تھا۔ کہ اگر کوئی شیر یا ریچھ ان کی کوئی بھیڑ اٹھا لے جاتا۔ تو یہ بھاگ کر اسے گرا لیتے اور بھیڑ کو چھڑا لیتے۔ (ا۔ سموئیل۔ ۱۷/۳۴۔ ۳۵)

ایک مرتبہ طالوت پر جنون کا حملہ ہو گیا۔ آپ کے درباری حضرت داوٗدؑ کو لے آئے۔ اور آپ نے ساز پر کوئی

ایسی چیز پیش کی۔ کہ طالوت کو صحت ہوگئی۔ آپ کی خوش الحانی ضرب المثل تھی۔ (اسموئیل۔۱۶/۱۴۔۳۰)

ہم جالُوت (شمار۔۸۰) کے ضمن میں لکھ چکے ہیں۔ کہ یہ فلسطینی دیو حضرت داؤدؑ کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا۔ اس کارنامے کے بعد طالُوت نے انہیں نہ صرف اپنا مشیر و مقرب بلکہ داماد بھی بنالیا۔ اور ملک بھر میں آپ کی شجاعت وجوانمردی کے گیت گائے جانے لگے۔ اس سے طالُوت جلنے لگا اور مخالفت پہ اتر آیا۔

ایک رات حضرت داؤد علیہ السلام چپکے سے کہیں نکل گئے، اور یہ بیوی کو گھر ہی پہ چھوڑ گئے۔ جب برسوں تک آپ کی کوئی خبر نہ ملی۔ تو طالُوت نے آپ کی بیوی کا نکاح کہیں اور کردیا۔

حضرت داؤد علیہ السلام قبیلۂ بن یامین کی ایک بستی رامہ میں حضرت سموئیل کے پاس چلے گئے تھے۔ اور پھر وہاں سے کہیں اور نکل گئے۔ طالُوت نے انہیں ہر طرف تلاش کیا۔ لیکن کامیاب نہ ہوا۔ اس پر برسوں گزر گئے۔ بالآخر طالوت ایک جنگ میں ہلاک ہوگیا۔ اور حبرون والوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کو اپنا بادشاہ بنالیا۔ یہ حبرون اور نواحِ حبرون پر ساڑھے سات برس تک حکومت کرتے رہے۔ (۲۔ سموئیل۔ ۵/۴) پھر یہ رفتہ رفتہ سارے اسرائیل کے بادشاہ بن گئے۔ اور ۳۳ برس مزید سلطنت کی۔

طالُوت سے پہلے اسرائیلیوں کا کوئی بادشاہ نہیں ہوتا تھا۔ ان کے امور کی نگرانی ان کے کاہن، اور قاضی کیا کرتے تھے، جن میں سے ایک سموئیل تھا۔ طالوت پہلا بادشاہ تھا۔ حضرت داؤدؑ دوسرا اور حضرت سلیمانؑ تیسرا۔

سلیمان علیہ السلام کے بعد سلطنت دو حصوں میں تقسیم ہوگئی:۔

۱۔ جنوبی فلسطین یہوداہ کے حصے میں آیا۔

۲۔ اور باقی پر دیگر دس قبائل کی حکومت قائم ہوگئی۔

آپ نے ستر برس کی عمر پائی۔ آپ کی قبر یوروشلم کے جنوب میں ایک پہاڑی پر ہے۔

آپ کی حکومت ۱۰۵۵ ق م میں شروع ہوئی تھی۔ پہلے ساڑھے سات برس نواحِ حبرون تک محدود رہی۔ پھر سارا کنعان ان کی قلمرو میں شامل ہوگیا۔ آپ پورے چالیس برس تک بادشاہ رہے۔ اور ۱۰۱۵ ق م میں وفات پائی۔ (کمپینین۔ ص ۱۸۲)

زبور

یہ حضرت داؤد علیہ السلام کی الہامی کتاب ہے۔ جس میں ۱۵۰ گیت ہیں۔ انہیں محققین نے پانچ حصوں میں تقسیم کیا ہے:۔

اول۔ ۱ سے ۴۱ تک وہ گیت ہیں۔ جو حضرت داؤد علیہ السلام پہ نازل ہوئے تھے۔

دوم۔ ۴۲ سے ۷۲ تک۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں مدوّن ہوئے تھے۔ ان میں سے کچھ گیت

حضرت داؤدؑ کے تھے۔اور کچھ قارُون کے بیٹوں نے (جو موسیقار بھی تھے) لکھے تھے۔

سوم۔ ۷۳ سے ۸۹ تک۔ بنُو لاوی کے ایک مذہبی رہنما آصف نے لکھے تھے۔اسے حضرت داؤد علیہ السلام نے مذہبی امور و عبادات کا امام مقرر کیا تھا۔

چہارم۔ ۹۰ سے ۱۰۶ تک یہوداہ کے سترھویں بادشاہ حزقیاہ (۷۴۴ ق م) کے زمانے میں مدون ہوئے تھے۔

پنجم۔ ۱۰۷ سے ۱۵۰ تک۔جنہیں نحمیاہ[۱] (۴۴۵ ق م زندہ) نے ترتیب دیا تھا۔(ڈاب۔ص ۵۵۵)

تدوین زبور

صدیوں تک یہ گیت یا تو حافظہ سے گائے جاتے رہے۔اور یا کسی نامکمل کتاب سے مدد لی جاتی تھی۔چوتھی صدی قبل مسیح میں علماء کی ایک مجلس نے ان گیتوں کو ڈھونڈنے اور جمع کرنے کا بیڑہ اٹھایا۔حضرت داؤد کے گیتوں کے علاوہ بھی کوئی ایک سو گیت ان کے ہاتھ لگے۔ان تمام کو انہوں نے ایک جلد میں جمع کیا۔اور اس کا نام زبور تجویز کیا۔

چند گیت ملاحظہ ہوں:۔

گیت نمبر ۱

مبارک ہے وہ آدمی جو شریروں کی صلاح پہ نہیں چلتا،اور خطا کاروں کی راہ میں کھڑا نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کی خوشنودی خداوند کی شریعت میں ہے۔اور اس کا دھیان اسی کی شریعت پہ رہتا ہے۔

وہ اس درخت کی مانند ہے۔جو ندی کے پاس لگایا گیا ہو جو اپنے وقت پہ پھلتا ہے۔اور اس کا کوئی پتا نہیں مُرجھاتا۔وہ یقیناً بارور ہوگا۔لیکن شریر ایسے نہیں۔یہ لوگ بھوسے کی طرح ہیں، جسے ہوا اڑا لے جاتی ہے......... خداوند صادقوں کی راہ جانتا ہے۔اور شریروں کی راہ نابُود ہو جائے گی۔

گیت نمبر ۸

اے خداوند! تیرا نام کتنا عظیم ہے۔تیرا جلال آسمانوں پر قائم ہے...... جب میں یہ دیکھتا ہوں۔کہ چاند اور ستارے تیری تخلیق ہیں۔تو ساتھ ہی سوچتا ہوں۔کہ تیرے سامنے انسان کی حقیقت ہی کیا ہے۔تو اسے کیوں یاد رکھے اور کیوں اس کی خبر لے......

---

۱ قبیلۂ یہوداہ کا ایک مقدس آدمی جسے ایران کے بادشاہ کجسرو نے فلسطین کا گورنر مقرر کیا تھا۔

گیت نمبر ۱۱

خداوند کا تخت آسمان پر ہے۔ اس کی آنکھیں بنی آدم کو دیکھتی اور جانچتی ہیں۔ خداوند صادق کو پرکھتا ہے۔ پر شریر اور ظالم سے اسے نفرت ہے۔ وہ شریروں پر جال، گندھک اور لُو برسائے گا۔ خداوند صادق ہے......اور صادق ہی اس کا دیدار حاصل کریں گے......

گیت نمبر ۲۳

خداوند میرا گڈریا ہے۔ وہ مجھے ہری ہری چراگاہوں میں راحت کے چشموں کے پاس لے جاتا ہے...... میں ہمیشہ خداوند کے گھر میں سکونت رکھوں گا......

گیت نمبر ۲۴

خدا نے اس زمین اور اس جہان کی بنیاد سمندروں پہ رکھی اور سیلابوں پہ اسے قائم کیا۔ خداوند کے پہاڑ پر کون چڑھے گا۔ اور اس کے مقدس مقام پہ کون کھڑا ہوگا؟ وہی جس کے ہاتھ صاف ہیں اور دل پاک۔ جس نے باطل پہ دل نہیں لگایا۔ اور جھوٹی قسم نہیں کھائی۔ وہ خداوند کی طرف سے برکت پائے گا......

گیت نمبر ۲۹

اے فرشتو! خداوند کی حمد وثنا کرو۔ اس کے سامنے سجدے میں گر جاؤ۔ خداوند کی آواز بادلوں پر ہے۔ اس کی آواز میں قدرت ہے۔ جلال ہے۔ خدائے ذوالجلال گرجتا ہے۔ اس کی آواز لبنان کے بلند دیوداروں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے...... اس کی آواز بیابانوں کو ہلا دیتی ہے۔ وہ آگ کے شعلوں کو چیر کر نکل جاتی ہے......طوفانوں کی باگ ڈور خداوند کے ہاتھ میں ہے......

قرآن مقدس کی رو سے حضرت داؤد لوہے کو پگھلانے (اَلَنالہ الحدِید)، زرہ بنانے (صَنعة لبُوسٍ) اور دوسروں کو بات سمجھانے (فصل الخطاب) کا فن بھی جانتے تھے۔ ان کے سامنے ہور وجبال تک مسخر تھے۔ جب وہ میٹھی آواز میں حمد الٰہی کے گیت گاتے تھے تو اردگرد کے تمام پہاڑ اور پرندے بھی ان کے ہم نوا بن جاتے تھے۔

مآخذ:۔ ۱۔ پیپلز ''ڈیوڈ نیز سامز''، ۲۔ ڈاب۔ ″ ، ۳۔ باڈ۔ ″ ، ۴۔ شاس۔
۵۔ قصص۔ ص ۵۵، ۶۔ اعلام۔ ص ۱۰۲، ۷۔ بائبل، ۸۔ زبور،
۹۔ قرآنِ مقدس

ذ

۹۷۔ذُوالقَرنَین

لفظی معنی:۔دوسینگوں،دوشاخوں،دوزُلفوں،دوقوموں یا دوملکوں والا۔ (منتہی الارب)

یہ شاہان ذیل کا لقب تھا:۔

اول۔ صَعب بن حارث الرّایش کا، جو یمن کا ایک تُبّع تھا۔اس نے حضر موت کو بھی زیرِ نگیں کر لیا تھا۔اور شاید اسی وجہ سے ذوالقرنین (دوقوموں یا شاخوں والا) کہلاتا تھا۔

اس کے متعلق ایک عرب شاعر کہتا ہے:۔

وَالصَّعْبُ ذُوالْقَرْنَیْنِ عَمَّرَ مُلْکَه اَلْفَیْنِ اَمْسٰی بَعْدَ ذَاكَ رَمِیْماً

(صعب ذوالقرنین نے اپنے ملک کو دو ہزار سال تک آباد رکھا۔اور پھر وہ تباہ ہو گیا)

(کتاب الہدیٰ۔ص ۳۷۰)

۲۔ المُنذِر الاکبر بن ماء السّماء کا۔یہ حیرَہ (عراق کی ایک ریاست) کا ایک طاقتور بادشاہ تھا۔نُعمان بن مُنذِر کا دادا۔اس کے ماتھے کی دونوں جانب گندھی ہوئی مِیڈھیاں لٹکی رہتی تھیں یا انہیں سینگ کی طرح سر کی دونوں طرف جما دیتا تھا۔

ابنِ دُرید (بصرے کا فاضل ادیب م۔۹۳۳ء) کا خیال یہ ہے۔کہ اِمراء القیس نے اپنے ایک قصیدے (اہلوَرد) ''چھ دیوان'' ص ۱۵۸) میں جس ذوالقرنین کا ذکر کیا ہے۔وہ یہی تھا۔ (شاس۔ص ۷۶)

۳۔ یمن کے ایک اور تبع، آلا قرن، کو بھی عرب ذوالقرنین کہتے تھے۔ (ایضاً)

۴۔ بعض حلقوں میں حضرت علیؓ بن ابی طالب کو بھی ذوالقرنین کہا جاتا تھا۔ (ایضاً)

۵۔ اسکندر یونانی کو ذوالقرنین کہنے والے تو درجنوں ہیں۔جن میں کچھ مفسّر اور مؤرخ بھی شامل ہیں۔

۶۔ ایران کے دو بادشاہ فریدوں اور کیقباد بھی ذوالقرنین کہلاتے تھے۔(قصص۔ج ۳،ص ۱۳۰)

سوال یہ ہے۔کہ جس ذوالقرنین کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔وہ کون تھا؟ اس کا جواب پیش کرنے سے پہلے ذوالقرنین کی وہ کہانی سنیے۔جو قرآن نے دی ہے:۔

وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنْ ذِی الْقَرْنَیْنِ ط

''اے رسول! تم سے یہ لوگ ذوالقرنین کے متعلق پوچھتے ہیں۔ کہو۔ کہ میں تمہیں اس کا ذکر سناتا ہوں۔ ہم نے اسے زمین پہ اقتدار، نیز ہر چیز کے اسباب ووسائل عطا کیے تھے۔

ایک مرتبہ اس نے ایک سفر کا سامان کیا۔ جب وہ مغرب میں ایک ایسے مقام پہ پہنچا۔ جہاں سورج ایک کیچڑ والی جھیل میں ڈوب رہا تھا۔ تو وہاں اسے ایک قوم ملی۔ ہم نے اسے کہا۔ کہ تو چاہے تو انہیں ان کے کرتوتوں کی سزا دے۔ یا ان پر رحم کھا۔ کہنے لگا۔ ظالموں کو ہم یہاں بھی سزا دیں گے۔ اور وہ آگے چل کر اللہ کے ہاں بھی سزا پائیں گے۔ لیکن ان میں سے جو لوگ ایمان لانے کے بعد اچھے کام کریں گے۔ تو انہیں اچھا بدلہ ملے گا۔ اور ہم ان کے لیے آسانیاں فراہم کریں گے۔

اس کے بعد اس نے ایک اور سفر کا سامان کیا۔ اور مشرق میں طلوع آفتاب کے مقام پر (یعنی وہ مقام جہاں سے سورج نکلتا نظر آتا تھا) جا پہنچا۔ وہاں ایک ایسی قوم دیکھی۔ جس کے سامنے سورج سے بچنے کے لیے کوئی آڑ (پہاڑ وغیرہ) نہیں تھی۔ بات ایسی ہی تھی۔ ہم ذوالقرنین کے مادی وسائل اور ذہنی صلاحیتوں سے باخبر تھے۔

پھر اس نے تیسرے سفر کا سامان کیا۔ اور چلتے چلتے ایک ایسے درّے میں جا پہنچا۔ جہاں کے رہنے والے اس کی کوئی بات نہیں سمجھتے تھے۔ وہ کہنے لگے۔ کہ اے ذوالقرنین! اس درّے سے آگے یاجوج اور ماجوج آباد ہیں۔ جن کے فتنہ وشر سے ہم تنگ ہیں۔ اگر تو ایک دیوار کھڑی کر کے ان کی آمد ورفت کو روک دے۔ تو مصارف ہم ادا کریں گے۔ کہنے لگا۔ کہ مصارف کی ضرورت نہیں۔ اللہ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔ تم صرف دست و پا سے میری مدد کرو۔ تاکہ میں یہ آڑ بنا سکوں۔ لاؤ لوہے کی چادریں۔ جب وہ درّہ اوپر تک بھر گیا۔ تو کہنے لگا۔ کہ اب آگ جلا کر اسے دھونکو۔ جب لوہا سرخ ہو گیا۔ تو فرمایا۔ کہ لاؤ پگھلا ہوا تانبہ کہ اس پر انڈیل دیں۔ اس کے بعد نہ تو یاجوج وماجوج اس پر چڑھ سکے۔ اور نہ شگاف ڈال سکے۔'' (کہف۔۸۳۔۹۷)

ان آیات سے واضح ہے۔ کہ:۔

ا۔ ذوالقرنین ایک بادشاہ تھا۔ جسے بیشتر مادی وسائل، اور دولت وثروت حاصل تھی۔

ب۔ وہ اس حد تک فیاض تھا۔ کہ جب ایک قوم نے دیوار اٹھانے کے مصارف پیش کیے۔ تو اس نے اس پیشکش کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا۔ کہ اللہ نے مجھے بہت کچھ دے رکھا ہے۔

ج۔ اس نے تین سفر کیے تھے:۔

☆ ایک مغرب

☆ دوسرا مشرق اور

☆ تیسرا ایک پہاڑی درّے کی طرف۔

د۔ کہ وہ ایمان وعمل صالح کی اِفادیت اور گناہ کی مضرّت کا قائل تھا۔

اور حیات اخروی پہ یقین رکھتا تھا۔

ہ۔ وہ ایک عادل حکمران تھا۔

یہ تمام اوصاف نہ تو کسی تبّع میں موجود تھے۔ نہ حیرہ کے سلاطین میں اور نہ اسکندر و کیقباد میں۔ یہ صرف ایک شخصیت میں ملتے ہیں۔ جسے دانیال نبی نے دوسینگوں والا مینڈھا کہا ہے۔ اور مؤرخ اسے سائرس کہتا ہے۔

دانیال کا خواب سنیے:۔

''تب میں نے آنکھ اٹھا کر نظر ڈالی۔ کیا دیکھتا ہوں۔ کہ دریا کے پاس ایک مینڈھا کھڑا ہے۔ جس کے دوسینگ ہیں...... دونوں سینگ اونچے تھے۔ لیکن ان میں سے ایک، دوسرے سے بڑا تھا۔ وہ مغرب۔ شمال اور جنوب کی طرف سینگ مار رہا تھا۔ یہاں تک کہ کوئی جانور اس کے سامنے کھڑا نہ ہو سکا۔ اور نہ اس سے جان بچا سکا۔ یہاں تک کہ وہ بہت بڑا ہو گیا۔

میں اس کے متعلق سوچ ہی رہا تھا۔ کہ مغرب کی طرف سے ایک بکرا آ گیا۔ جو زمین میں ہر طرف گھوم رہا تھا۔ اس کی دو آنکھوں کے درمیان ایک عجیب سینگ تھا۔ یہ دوسینگوں والے مینڈھے پر زور سے حملہ آور ہوا۔ اس کے دونوں سینگ توڑ ڈالے اور اسے زمین پر پٹخ دیا ......'' (دانیال۔۸/۲۔۸)

اسی کتاب میں اس خواب کی تعبیر یوں دی ہوئی ہے۔ کہ:۔

مینڈھے سے مراد میڈیا[ا] اور فارس کا بادشاہ ہے۔ دوسینگوں سے مراد یہی دو ملک ہیں اور ایک سینگ والے بکرے سے مراد شاہ یونان (اسکندر) ہے۔ جس نے ۳۳۰ میں ایران کو سخت شکست دی تھی۔ (دانیال۔۸/۲۰۔۲۱)

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنی کتاب اصحاب کہف کے ص ۳۴ پر سائرس کے ایک مجسمہ کی تصویر دی ہے۔ جو ۱۸۳۸ء میں اصطخر کے کھنڈرات سے برآمد ہوا تھا۔ اس میں سائرس کے سر پر دوسینگ ہیں اور جسم کے ساتھ عقاب کے پَر۔ جو شجاعت، فاتحانہ مہمات اور ملکوتی صفات کی علامت ہیں۔

ا میڈیا کے متعلق بھی شمارہ ۴۲ کے تحت دیکھیے۔ یہاں فارس سے مراد باقی ایران ہے۔

''میں خورس (سائرس) کے متعلق کہتا ہوں۔ کہ وہ میرا چرواہا ہے۔ اور میری مرضی پوری کرے گا۔'' (یسعیاہ۔۴۴/۲۸)

ذرا آگے ارشاد ہوتا ہے:۔

''خداوند اپنے ممسوح خورس (سائرس) کے حق میں فرماتا ہے۔ کہ میں اس کا داہنا ہاتھ پکڑوں گا۔ امتوں کو اس کے سامنے زیر کروں گا۔ بادشاہوں کی کمریں کھلوا دوں گا۔ اور اس کے سامنے دروازے کھول دوں گا۔'' (یسعیاہ۔۴۵/۱)

ان حوالوں سے ظاہر ہے۔ کہ سائرس اللہ کا ایک نیک اور مقرّب بندہ تھا۔ اور دانیال، نیز قرآن کا ذوالقرنین غالباً یہی ہے۔

سائرس کے مختصر حالات

میڈیا[1] کے آخری بادشاہ استیاگس نے خواب میں دیکھا۔ کہ اس کی دختر منڈین (Mandane) کے جسم سے ایک آبشار پھوٹ نکلا ہے۔ جس کا پانی سیلاب کی صورت میں ایشیا، نیز اس کے دارالخلافہ تک پھیل گیا ہے۔ وہ ڈر گیا۔ اور اس نے فیصلہ کر لیا۔ کہ وہ اپنی لڑکی کا نکاح کسی عام آدمی سے کرے گا۔ اور شاہی خاندان کے کسی فرد کو نہیں دے گا۔ چنانچہ اس نے اسے ایک ایرانی ملازم کیمباسز کے نکاح میں دے دیا۔ کچھ عرصہ بعد اس نے پھر خواب میں دیکھا۔ کہ اس کی بیٹی کے جسم سے انگور کی ایک بیل نکل کر سارے ایشیا میں پھیل گئی ہے۔ اس سے اس کے خوف میں مزید اضافہ ہو گیا۔ چنانچہ اس نے اپنی بیٹی کو اپنے گھر بلا لیا۔ اور جب اس کا بچہ پیدا ہوا۔ تو اسے ایک درباری کے حوالے کر دیا۔ کہ اسے زندہ دفن کر دے۔ اس نے ایک گڈریے کو دے دیا۔ کہ اسے جنگل میں درندوں کے آگے پھینک دے۔ اس گڈریے کے ہاں بھی انہی دنوں ایک بچہ پیدا ہوا تھا۔ گڈریے نے اپنا بچہ مار کر اس کی لاش بادشاہ کو بھجوا دی۔ اور شاہی بچہ اپنے ہاں رکھ لیا۔ جب یہ جوان ہوا۔ تو اس کی شجاعت، شرافت، قابلیت اور جسمانی قوت نے اسے ایرانیوں کا لیڈر بنا دیا۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ جب رعایا استیاگس کے ظلم سے کراہ رہی تھی۔ چنانچہ سائرس نے ایک مضبوط فوج ترتیب دے کر ۵۵۹ ق م میں میڈیا پہ حملہ کر دیا۔ اسے شکست دی اور اس کے بادشاہ کو پکڑ لیا۔ تیرہ برس بعد جنوب مغربی ایشیائے صغیر کی ایک ریاست لبدیا کو فتح کر لیا۔ یہ ریاست آبنائے یونان کے سامنے سمرنا کے جنوب میں واقع تھی۔ ۵۳۸ ق م میں بابل اور نینوئ کو دبوچ لیا اور بالآخر ۵۲۹ ق م کی ایک مقامی جنگ میں مارا گیا۔

---

[1] ایران کا شمال مغربی علاقہ جو بحیرۂ خزر کے جنوب مغرب اور عراق کے مشرق میں واقع تھا۔ اس کی لمبائی زیادہ سے زیادہ ساڑھے پانچ سو اور چوڑائی اڑھائی سو میل تھی اس میں آذربیجان، کردستان اور بیشتر لورستان شامل تھا۔ اس کا پایۂ تخت ہمدان تھا۔ ساتویں صدی ق م میں میڈیا نے نینوئ کو فتح کر لیا اور اس کی حدود خزر سے فرات تک وسیع ہو گئیں۔ ۵۵۹ ق م میں اس سلطنت کو سائرس نے مٹا دیا۔ (ڈاب۔ ص ۳۹۳)

سائرس کے زرّیں کارناموں میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر نو اور بابل کی ستر سالہ قید سے یہود کی آزادی بھی ہے۔

(ڈاب۔ص ۱۲۷)

''خداوند یوں فرماتا ہے۔ کہ جب بابل میں ستر سال گزر چکیں گے۔ تو میں تم کو کویاد فرماؤں گا......اور اس جگہ تم کو واپس لاؤں گا۔ کہ جہاں سے تم کو اسیر کر کے بھیجا تھا۔''

(یرمیاہ۔۲۹/۱۰۔۱۵)

سائرس کی تین مہمات

قرآن میں ذوالقرنین کی تین مہمات کا ذکر ہے:۔

اول۔ مغرب یعنی لیڈیا کی طرف۔ جہاں اس نے سورج کو کٹے پھٹے ساحل کی ایک گل آلود کھاڑی میں ڈوبتے دیکھا تھا۔

دوم۔ مشرق کی طرف۔ جس کی تفصیل میں یونان[1] کے دو تاریخ نگاروں ٹی۔ سیاز (Ctesias۔۳۹۸ق م) اور ہیروڈوٹس (پانچویں صدی ق م) نے لکھا ہے۔ کہ سائرس بلخ اور مکران کے بعض قبائل کی بغاوت کو کچلنے کے لیے اس طرف گیا تھا۔

سوم۔ اس پہاڑی درّے کی طرف۔ جسے اس نے لوہے کی چادروں سے بند کیا تھا۔

مولانا ابوالکلام آزاد کی رائے (اصحاب کہف۔ص ۶۴) یہ ہے کہ یہ درّہ کوہ قاف میں بحیرۂ خزر اور اسود کے درمیان واقع تھا۔ ۶۰۰ ق م میں سِتھین قبائل نے اسی درّے سے گزر کر مغربی ایشیا پہ حملہ کیا تھا۔ یہیں سائرس یا بعد کے کسی بادشاہ نے ایک دیوار بنائی تھی۔ جو سمندر کے اندر سے شروع ہو کر تیس میل مغرب میں چلی گئی تھی۔ اس میں ساحل کے قریب ایک بڑا دروازہ تھا۔ جس سے گزر کر آگے دربند[2] کی بستی آتی تھی۔ اس دروازے کو ایرانی در بند اور عرب باب الابواب کہتے تھے۔ ذرا آگے مغرب کی طرف درّۂ داریال تھا۔ جسے سائرس نے لوہے کی چادروں سے پُر کیا تھا۔ اور بعد میں ساسانی بادشاہوں نے وہاں مزید استحکامات کیے تھے۔

کولمبیا یونیورسٹی کے ایک پروفیسر اے۔ وی جیکسن نے اس علاقے کا معائنہ کرنے کے بعد ایک کتاب ''استنبول سے ارضِ عُمر خیام تک'' کے عنوان سے لکھی تھی۔ اس میں اس درّے کے استحکامات کا بھی ذکر کیا ہے۔

دربند کے رہنے والے ایک ترک مصنف کاظم بیگ نے، جو برسوں سینٹ پیٹرز برگ یونیورسٹی میں ترکی و فارسی کا پروفیسر رہا۔ دربند کی تاریخ پر ''دربند نامہ'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی ہے۔ جس میں اس کا ارمنی نام پھاک کورائی (اصحاب کہف۔ص ۱۳۸) دیا ہے۔ ممکن ہے۔ کہ کورئی، کورش (خورس) کا اسم نسبت ہو۔

---

[1] بحوالہ اصحاب کہف۔ص ۶۳

[2] ایک دربند بحیرۂ خزر کے مشرق میں بھی تھا۔

یاقوت حموی نے ایک اور دیوار کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو بحیرۂ خزر کے مشرقی ساحل پر تعمیر ہوئی تھی۔ جس کا مقصد ترک قبائل کے حملوں سے خراسان کی حفاظت تھی۔ اور جو غالباً نوشیروان نے بنوائی تھی۔ (معجم۔ ج ۶، زیرِ عنوانِ ''طمیس'')

کراچی کے ابراہیم احمد بوانی نے ۱۹۶۷ء میں ''یاجوج۔ ماجوج'' کے عنوان سے ایک کتاب لکھی تھی۔ جس میں اس نے ایک تیسری دیوار کا ذکر کیا ہے۔ جو بخارا سے ڈیڑھ سو میل جنوب مشرق میں۔ ترکستان و ہند کی شاہراہ پہ واقع تھی۔ اس کا دروازہ عربوں کے ہاں باب الحدید اور ایرانیوں کے ہاں درِ آہنی کہلاتا تھا۔

مقدسی[1] لکھتا ہے۔ کہ ایک دفعہ واثق عباسی (۸۴۲۔۸۴۶ء) نے ایک مشن باب الحدید کی حقیقت معلوم کرنے کے لیے بھیجا۔ (یاجوج۔ ماجوج۔ ص ۲۷) انہوں نے واپس جا کر بتایا۔ کہ یہ دروازہ ایک ڈیڑھ سو گز چوڑے درّے میں تھا۔ دروازے کی دونوں جانب اینٹوں کی مُہاٹھیں تھیں۔ جن میں گچ یا چونے کی جگہ پگھلا ہوا سِکّہ بھرا ہوا تھا۔ ان کے سہارے دو بڑے بڑے فولادی دروازے کھلتے اور بند ہوتے تھے۔

مصنف قصص (جلد۔ ۳، ص ۲۱۸) کا خیال یہ ہے کہ خلیفہ واثق کا یہ مشن درۂ داریال کی طرف گیا تھا۔

تصریحاتِ بالا کا خلاصہ یہ۔ کہ عہد قدیم میں وحشی قبائل کو روکنے کے لیے کئی دیواریں بنی تھیں۔

اول۔ دیوارِ چین:۔ جو کسی فغفور نے بنائی تھی۔

دوم۔ وہ دیوار، جو ترکستان و ہند کے درمیان بخارا سے ۱۵۰ میل جنوب مشرق میں تعمیر ہوئی تھی۔

سوم۔ جو انوشیروان نے بحیرۂ خزر کے مشرق میں تعمیر کی تھی۔

چہارم۔ بحیرۂ خزر کے مغربی ساحل پہ دو متوازی دیواریں۔ جن میں سے ایک تیس میل لمبی تھی۔

پنجم۔ درۂ داریال کی آہنی دیوار۔

سائرس اس آخری دیوار کا بانی تھا۔ باقی دیواریں دیگر بادشاہوں نے بنائی تھیں۔

ماٰخذ:۔ ۱۔ فرید وجدی۔ دائرۃ المعارف۔ ج ۷، ص ۱۶۱، ۲۔ معجم۔ ج ۶، طمیس،

۳۔ منتہی الارب۔ ج ۲ ''قرن''، ۴۔ دانیال۔ ۸/۲۔ ۸، ۲۰،

۵۔ یسعیاہ۔ ۴۴/۲۸، ۴۵/۱، ۶۔ یرمیاہ۔ ۲۹/۱۰۔ ۱۵،

۷۔ اصحاب کہف۔ ابوالکلام آزاد، ۸۔ یاجوج۔ ماجوج۔ ص ۲۷ ابراہیم احمد بوانی،

۹۔ الیورڈ۔ ''چھ دیوان'' ص ۱۵۸، ۱۰۔ شاس۔ ص ۷۶،

۱۱۔ ڈاب۔ ص ۱۲۷، ۳۹۳، ۱۲۔ قصص۔ ج ۳، ص ۱۳۰،

۱۳۔ قرآن حکیم، ۱۴۔ ڈاس۔ ص ۱۷،

۱۵۔ کتاب الہدیٰ۔ ص ۳۷، ۱۶۔ جلالین۔ انبیاء۔ کہف،

---

[1] عبدالرحمن ابوشاہ بن اسماعیل بن ابراہیم المقدسی جو دمشق سے بیت المقدس کو ہجرت کر گیا تھا۔ اس نے ابن عساکر کی تاریخ دمشق کا اختصار بیس جلدوں میں تیار کیا تھا۔ (فرید وجدی: دائرۃ المعارف۔ ج ۷، ۱۶۱)

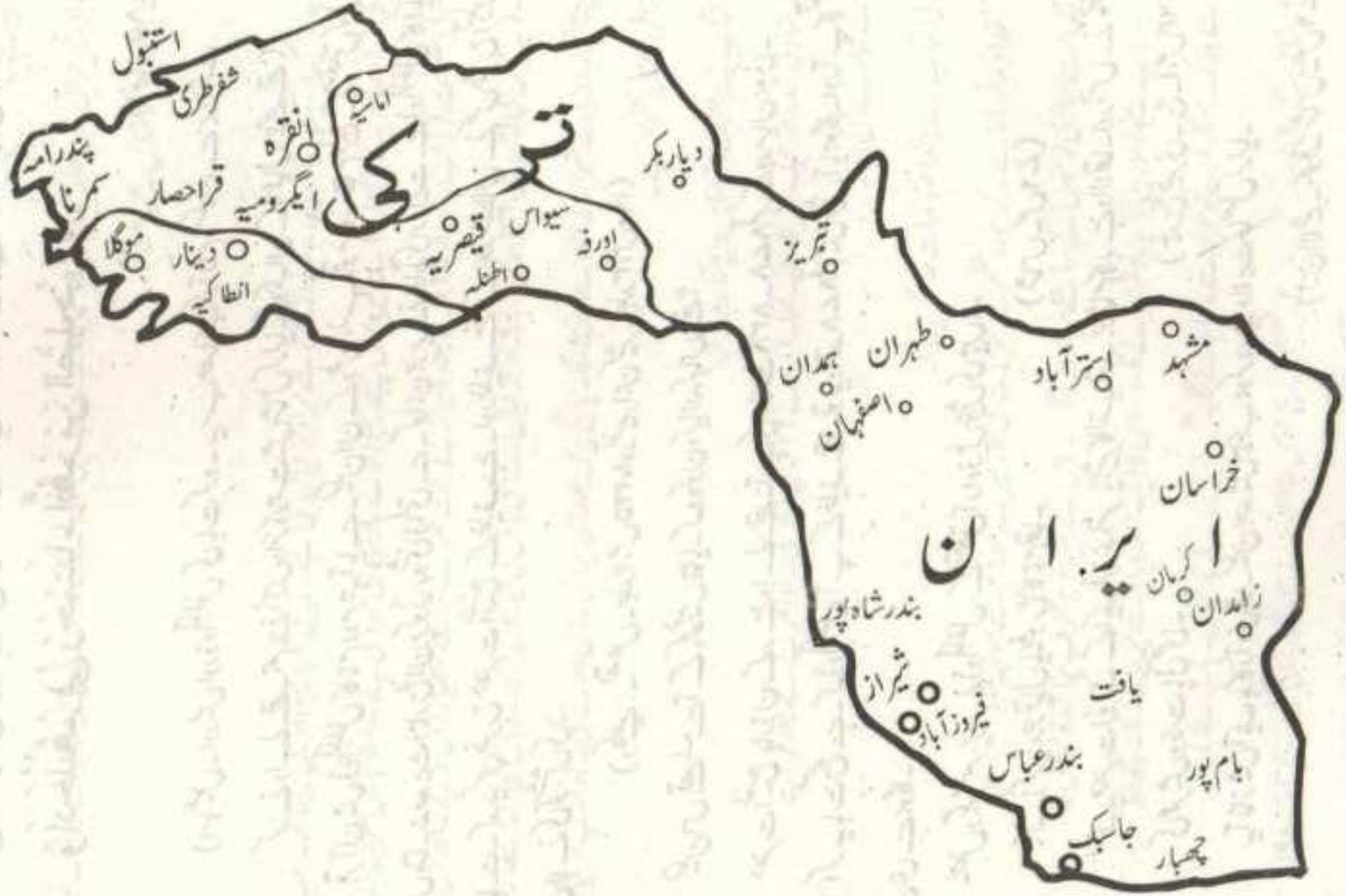

ترکی
ایران
استنبول
شفرطری
پندرامہ
سمرنا
قراحصار
انقرہ
اماسیہ
اگیرومیہ
موگلا
دینار
انطاکیہ
قیصریہ
سیواس
اطنلہ
اورفہ
دیاربکر
تبریز
طہران
ہمدان
اصفہان
استرآباد
مشہد
خراسان
کرمان
زاہدان
بندرشاہ پور
شیراز
فیروزآباد
یافت
بندرعباس
بام پور
جاسک
چھبار

۹۸۔ ذوالکِفل

وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِدۡرِيۡسَ وَذَا الۡكِفۡلِ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰبِرِيۡنَ ۖۚ
وَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ فِىۡ رَحۡمَتِنَا ؕ اِنَّهُمۡ مِّنَ الصّٰلِحِيۡنَ ۝

(انبیاء: ۸۵۔۸۶)

(اسماعیل۔ ادریس اور ذوالکفل کی بات کرو۔ یہ سب مصائب کو آرام وسکون سے برداشت کرنے والے تھے۔ ہم نے انہیں دائرۂ رحمت میں شامل کرلیا۔ کیونکہ ان کے اعمال اچھے تھے)

قرآن میں ذوالکفل کا نام دو مرتبہ آیا ہے۔ لیکن ان کے وطن، نسب، قوم اور مقامِ تبلیغ کے متعلق کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ نہ حدیث وتاریخ ان پر کوئی روشنی ڈالتی ہے۔ گو ابن جریر نے مجاہدؒ کی روایت سے ذوالکفل کا ایک قصہ بیان کیا ہے۔ کہ یہ کس طرح حضرت الیسع کے خلیفہ بنے۔ اور خلیفہ بننے کے بعد شیطان نے کس طرح انہیں اپنے دام میں لانے کی کوشش کی۔

(دیکھیے:۔ قصص۔ جلد۲، ص۲۲۵، اور تفسیر ابن کثیر۔ جلد۳، ص۱۹۰)

لیکن اس قصے[ل] سے آگے کچھ نہیں بتایا۔ کہ وہ کون، کیا اور کہاں تھے؟

حضرت الیسع جارڈن کے رہنے والے تھے۔ آپ کی وفات ۸۳۸۔۸۷۸ ق م کے درمیان ہوئی۔

اگر یہ بات صحیح ہے۔ کہ ذوالکفل آپ کے خلیفہ تھے۔ تو یہ واقعہ ۸۷۸ ق م میں پیش آیا ہوگا۔ اور آپ کا تعلق بھی جارڈن ہی سے ہوگا۔

بعض دیگر مفسرین نے ذوالکفل کے متعلق آراء ذیل پیش کی ہیں:۔

اول۔ کہ یہ زکریاؑ، حزقیال یا یشوع کا نام تھا۔ (شاس۔ ص۷۶)

دوم۔ کہ یہ حضرت ایوبؑ کے ایک فرزند بشر یا بشیر کا لقب تھا۔ جو شام کا رہنے والا تھا۔ اور جس نے پچھتر برس کی عمر میں وفات پائی تھی۔ (تاریخ طبری۔ ج۔۱، ص۳۶۴)

سوم۔ یہ آغاز میں ایک بدکار آدمی تھا۔ لیکن بعد میں تائب ہو کر درجۂ ولایت حاصل کرلیا۔

(ابن الاثیر۔ بحوالۂ شاس۔ ص۷۶)

ل قصے کا خلاصہ یہ کہ:۔
ایک دفعہ حضرت الیسع نے فرمایا کہ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں اور چاہتا ہوں کہ کوئی شب بیدار صائم النہار اور غصہ سے دور رہنے والا شخص میرا خلیفہ بنے۔ مجمع سے ذوالکفل اٹھا اور اپنے آپ کو پیش کیا۔ اس کے بعد شیطان نے اُسے عبادت سے روکنے اور غصہ دلانے کی بہت کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوا۔

فلسطین سے بلخ تک کتنے ہی مقابر ہیں۔ جو ذوالکفل کی طرف منسوب ہیں۔ان میں سے ایک نابلس (فلسطین) کے قریب قبرُ نبی کفل کہلاتی ہے۔اس کے متعلق عام خیال یہی ہے۔کہ اس میں حضرت ایوب کا فرزند بشیر یا بشر مدفون ہے۔

ایک اور قبر عراق میں حلّہ کے قریب نہر ہندیہ کے بائیں کنارے بَرملّاحہ کے پاس ہے جسے وہ لوگ قبر ذوالکفل کہتے ہیں۔ (شاس۔ص ۷۶)

حزقیال

ہمارے بعض محققین کہتے ہیں۔کہ ذوالکفل سے مراد حزقیال نبی ہے۔یہ نبی قلمرو یہوداہ میں رہتا تھا۔جب یوروشلم کی تباہی (بخت نصر کے ہاتھوں) سے تیرہ برس پہلے یہوداہ کے بادشاہ جی ہوچن نے ۵۹۷ق م میں صرف تین ماہ اور دس یوم کی سلطنت (ڈاب۔ص ۲۷۵) کے بعد بن لڑے بخت نصر کے سامنے ہتھیار ڈال دیے۔اور اس کا قیدی بن گیا۔(یہ بابل کی جیل میں ۳۶ سال رہا)۔تو حزقیال نے بھی بابل کی قید قبول کر لی۔وہاں پہنچ کر اسے آزاد کر دیا گیا۔چنانچہ یہ دریائے شبرؔ کے کنارے رہنے لگا۔پانچ برس بعد اس پر وحی نازل ہونے لگی۔جو کتاب حزقیال (بائبل میں شامل) میں محفوظ ہے۔

اس کتاب سے صرف اتنا ہی پتہ چلتا ہے۔کہ:

> یہ شادی شدہ اور ایک گھر کا مالک تھا۔اس نے ۲۲ سال تبلیغ کی۔اور مرنے کے بعد فُرات کے کنارے دفن ہوا۔

اس کی کتاب سے چند اقتباسات حاضر ہیں:۔

> "خداوند فرماتا ہے۔کہ یوروشلم نے شرارت کی اور میرے احکام سے مونہہ موڑا......پس میں اسے ساری قوموں کے سامنے سزا دوں گا......اس کے بقیہ کو ہر طرف پراگندہ کروں گا ......باپ بیٹے کو اور بیٹا باپ کو کھا جائے گا......اس کا ایک حصہ وباء سے مر جائے گا۔کچھ قحط سے ہلاک ہوگا۔اور کچھ تلوار سے مارا جائے گا۔" (حزقیال۔باب۔۵)

مآخذ:۔ ۱۔شاس۔ص ۷۶، ۲۔قصص۔ج ۲،ص ۲۲۵، ۳۔تفسیر ابن کثیر۔ج ۳،ص ۱۹۰، ۴۔اَعلام۔ص ۱۰۷، ۵۔قرآنِ حکیم، ۶۔ڈاب۔ص ۲۷۵، ۷۔طبری۔ج۔۱،ص ۳۶۴، ۸۔حزقیال۔باب ۵،

۹۹۔ ذُوالنُّون (یُونسؑ)

قرآن میں حضرت یونسؑ کا ذکر چھ مرتبہ آیا ہے۔ چار مرتبہ یونس اور ایک ایک دفعہ ذوالنون اور صاحبُ الحوت (مچھلی والا) کے نام سے۔

حضرت یونس جنوبی گلیلی (فلسطین) کے ایک شہر گاتھ ہیفر[1] سے تعلق رکھتے تھے۔ اور ایک اسرائیلی بادشاہ جیروبام (۷۹۰ ق م) کے معاصر تھے۔

اللہ نے انہیں اشوری سلطنت کے پائیگاہ نینویٰ میں جانے کا حکم دیا۔ اس وقت اشوری سلطنت عروج پر تھی اور اس کے بادشاہ کا نام پُول تھا۔ وہاں جا کر حضرت یونسؑ نے اہل نینویٰ کو بہت سمجھایا اور ڈرایا۔ لیکن وہ گناہ سے باز نہ آئے۔ تنگ آ کر آپ نے عذاب کے لیے بددُعا کی۔ وحی نے آپ کو بتایا۔ کہ پورے چالیس دن بعد ان پہ عذاب نازل ہوگا۔

جب ۳۷ دن گذر گئے۔ تو آپ شہر سے باہر ایک مقام پہ عذاب کا انتظار کرنے لگے۔ ان تین دنوں میں اہل نینوا بعض علامات عذاب دیکھ کر ڈر گئے۔ اور ٹاٹ کے کپڑے پہن کر اور راکھ پر بیٹھ کر رونے، گڑگڑانے اور معافی مانگنے لگے۔ چنانچہ اللہ نے ان پر رحم کیا اور عذاب ٹل گیا۔ لیکن وحی نے حضرت یونسؑ کو اطلاع نہ دی۔ جب تین دن گزر گئے۔ اور عذاب نہ آیا۔ تو آپ اللہ سے بگڑ گئے۔ اور نینوا کو چھوڑ کر چل دیے۔ چلتے چلتے ایک گھاٹ پہ پہنچے اور کشتی میں بیٹھ گئے۔ معاً طوفان آ گیا۔ ملاّحوں نے ساحل پہ پہنچنے کی لاکھ کوشش کی۔ لیکن کامیاب نہ ہوئے۔ انہیں خیال آیا۔ کہ کہیں کشتی میں کوئی ایسا غلام نہ ہو۔ جو اپنے آقا کو چھوڑ کر بھاگ آیا ہو۔

انہوں نے دریافت کیا۔ تو حضرت یونسؑ بول اٹھے کہ:

"وہ غلام میں ہی ہوں۔"

انہوں نے مجبوراً آپ کو پانی میں پھینک دیا۔ اور ایک بڑی مچھلی آپ کو نگل گئی۔ ساتھ ہی طوفان تھم گیا۔ تین دن رات کے بعد مچھلی نے آپ کو خشکی پہ اُگل دیا۔ (یوناہ۔ ۲/۱۰) اور ساتھ ہی حکم ہوا کہ نینوا میں دوبارہ جاؤ۔ چنانچہ یہ دوبارہ وہاں پہنچے اور دمِ واپسیں تک وہیں رہے۔ آپ کی قبر موصل کے قریب ہے۔

(ڈاب۔ ص ۳۱۲)

گھاٹ کہاں تھی؟

یہ سوال حل طلب ہے۔ کہ وہ گھاٹ، جہاں سے حضرت یونس علیہ السلام کشتی میں سوار ہوئے تھے، کہاں تھی؟

---

[1] ڈاب: ص ۳۱۲

قصص۔ ج ۲ (ص ۱۹۷) میں ہے۔ کہ آپ دریائے فرات کی ایک گھاٹ سے سوار ہوئے تھے اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں:۔

اول۔ کہ دجلہ بالکل پاس تھا۔ اسے چھوڑ کر آپ مغرب میں دو سومیل دور فرات پہ کیوں گئے؟

دوم۔ انسانوں کو ہڑپ کرنے والی مچھلی یعنی شارک۔ جو گہرے سمندروں میں ملتی ہے۔ اسے تیرنے، جھپٹنے، غوطہ لگانے اور شکار کھیلنے کے لیے پانی کی ایک وسیع دنیا چاہیے۔ جو سمندروں ہی میں مل سکتی ہے نہ کہ دجلہ وفرات میں۔

نینوا کے اطراف میں چار سمندر تھے:۔

☆ شمال میں چار سومیل دور بحیرۂ اسود

☆ مشرق میں ساڑھے تین سومیل کی مسافت پر بحیرۂ خزر

☆ جنوب میں ساڑھے پانچ سومیل دور خلیج ایران

☆ اور مغرب میں پونے پانچ سومیل کی مسافت پر بحیرۂ روم

انہیں کسی اور سمندر سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ انہیں گھر کی یاد ستا رہی تھی۔ اس لیے وہ نینوا سے نکل کر پہلے اپنے وطن (گلیلی) میں پہنچے۔ اور پھر جافہ کی بندرگاہ پر جا کر طرشیس یا طرسوس کے ارادے سے کشتی میں سوار ہو گئے۔ اس کے بعد وہ طوفان کا واقعہ پیش آیا۔ یہیں وہ مچھلی کے شکم میں پہنچے اور تین دن کے بعد اسی ساحل پہ مچھلی نے انہیں دوبارہ اگل دیا۔

> ''یوناہ (یونس) خداوند کے حضور سے طرشیس کو بھاگا۔ اور یافہ (جافہ) میں پہنچا۔ وہاں اسے طرشیس جانے والا جہاز ملا۔ اور وہ کرایہ دے کر اس میں سوار ہو گیا۔ لیکن خداوند نے سمندر پر بڑی آندھی بھیجی......'' (یوناہ۔ ۱/۱۔۴)

طرشیس

طرشیس جنوبی ہسپانیہ کا ایک شہر تھا۔ جبرالٹر سے ساٹھ ستر میل مغرب کی طرف بحرِ اوقیانوس میں عین اس مقام پر، جہاں دریائے وادی الکبیر دو شاخہ بنا کر سمندر میں گرتا ہے۔ یہ شہر اس دو شاخے میں واقع تھا۔ وہاں ٹین کی کانیں تھیں اور کنعان (فلسطین) کے جہاز ٹین خریدنے کے لیے عموماً وہاں جاتے رہتے تھے۔

رہا طرسوس۔ تو یہ شہر گو طرابلس الشام کے شمال اور قبرص سے عین مشرق کی طرف آج بھی موجود ہے۔ لیکن شام و فلسطین کے قدیم نقشوں میں اس کا نام نہیں ملتا۔ اس لیے علمائے بائبل کا خیال یہی ہے۔ کہ حضرت یونس کا سفر ہسپانیہ کی طرف تھا۔ ممکن ہے کہ آپ کے کچھ تاجر رشتہ دار بغرض تجارت طرشیس کو جا رہے ہوں۔ اور آپ بھی سیاحت یا تجارت کے لیے ساتھ شامل ہو گئے ہوں۔

دجلہ وفرات کا نقشہ

فی انچ: ۱۵۸ میل

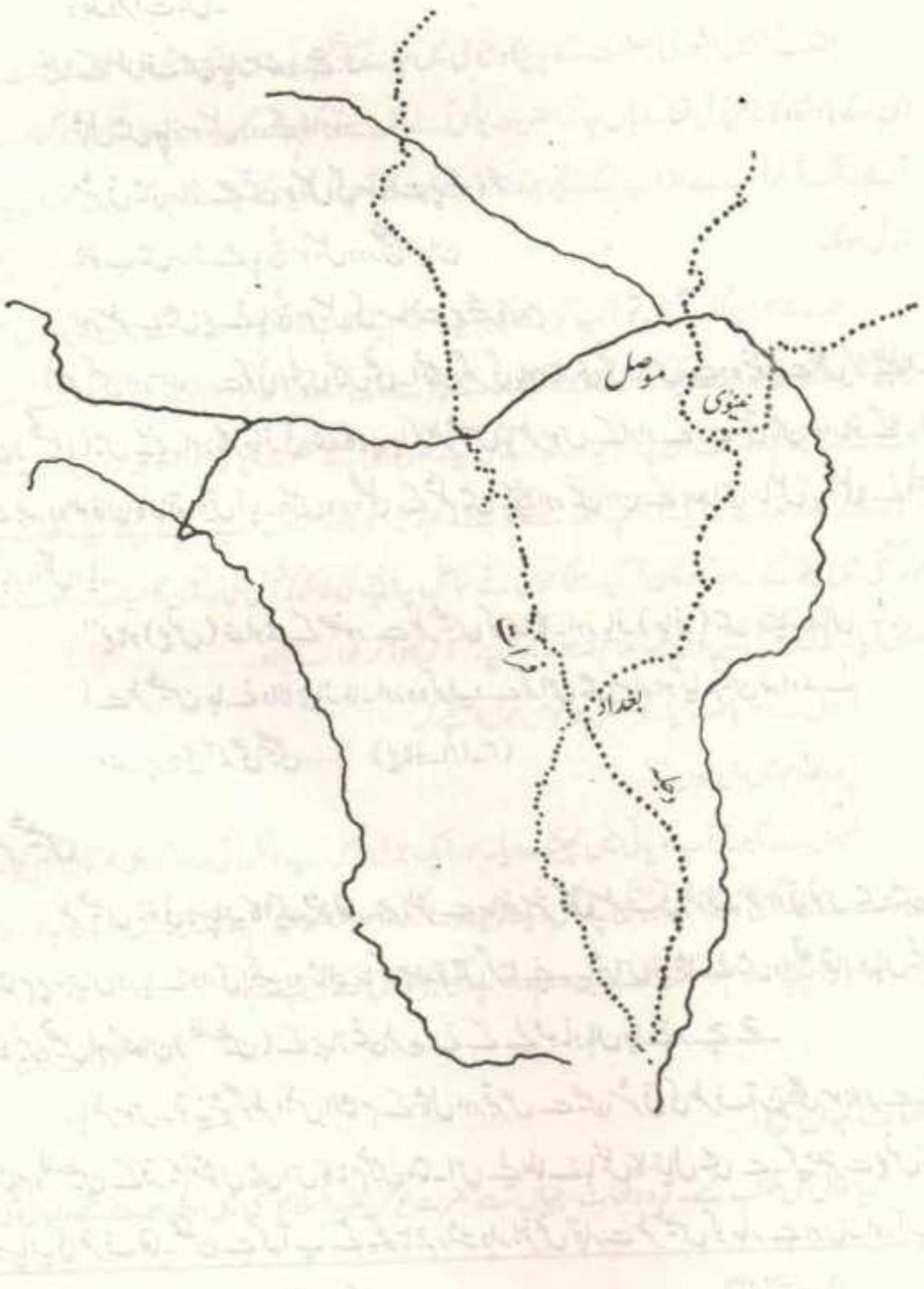

وَذَا النُّوْنِ اِذْ ذَّهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَيْهِ فَنَادٰى فِى الظُّلُمٰتِ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّىْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ وَنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْغَمِّ ۭ وَكَذٰلِكَ نُـنْجِي الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (انبیاء۔۸۷۔۸۸)

(مچھلی والے کی بات کرو۔ جب وہ اللہ سے ناراض ہو کر چل دیا۔ تو اس کا خیال یہ تھا۔ کہ وہ ہماری گرفت سے آزاد ہو گیا ہے پھر اس نے بطنِ ماہی کے اندھیروں سے ہمیں آواز دی کہ تو ہی کائنات کا مقدس خدا ہے۔ اور میں ظالم ہوں۔ ہم نے اس کی پکار سنی۔ اسے غم سے نجات دی اور ہم اہل ایمان کو اسی طرح بچایا کرتے ہیں)

ماخذ:۔ ا۔قصص۔ج ۲،ص ۱۹۶، ۲۔شاس۔ص ۶۴۵، ۳۔ڈاب۔ص ۳۱۲، ۴۔اعلام۔ص ۲۰۵، ۵۔بائبل۔یُوناہ، ۶۔قرآنِ حکیم،

ر

۱۰۰۔ رَبْوَہ

لفظی معنی: ٹیلہ۔ بلند پشتہ اور چھوٹی سی پہاڑی۔

قرآن میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق ایک ایسی بات درج ہے۔ جو پیروانِ مسیح کی کتابوں، مسیح کے سوانح اور اناجیل میں کہیں نہیں ملتی۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗٓ اٰيَةً وَّاٰوَيْنٰهُمَآ اِلٰى رَبْوَةٍ ذَاتِ قَرَارٍ وَّمَعِيْنٍ ۝ (مومنون:۵۰)

(ہم نے ابن مریم اور اس کی والدہ کو ایک نشان (اعجاز) بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ اور ان دونوں کو ایک پرسکون شاداب اور سرسبز ٹیلے پہ جا بسایا)

یہ ٹیلہ کہاں تھا؟

اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ شاید مصر میں ہو۔ جہاں یُوسف نجار خواب میں اشارہ پا کر نومولود مسیح اور حضرت

مریم کو لے گیا تھا۔

"خداوند کے فرشتے نے یوسف کو خواب میں کہا۔ کہ اُٹھ، بچے اور اس کی ماں کو ساتھ لے کر مصر میں بھاگ جا اور جب تک میں تم سے نہ کہوں وہیں رہنا۔ کیونکہ ہیروڈ[1] اس بچے کی تلاش میں ہے۔" (متی: ۲/۱۳)

یہ بھی ممکن ہے۔ کہ:۔

نام نہاد واقعہ صلیب کے بعد مریم اور ابن مریم کسی شاداب مقام کی طرف چلے گئے ہوں۔

یاقوت حموی کا خیال یہ ہے۔ کہ:۔

"یہ سرسبز ٹیلہ دمشق یا اس کے نواح میں تھا۔" (مُعجم۔ ج ۴ "دمشق")

مرزا غلام احمد قادیانی کی رائے یہ ہے۔ کہ:۔

ربوہ سے مراد سری نگر کا ایک محلہ خانیار ہے۔ جہاں حضرت مسیح مدفون ہیں۔

(کشتی نوح۔ ص ۱۵)

لیکن کسی اور قدیم و جدید مآخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔

مآخذ:۔ ۱۔ متی۔ ۲/۱۳، ۲۔ مُعجم۔ ج ۴ "دمشق"، ۳۔ کشتی نوح۔ ص ۱۵،

۱۰۱۔ رَس

دیکھیے:۔ "اصحاب الرّس"

۱۰۲۔ رُوحُ الاَمِین

(۸۴۔ جبریل)

آسمانوں کی وہ عظیم روح، جو اللہ کا پیغام انبیاء تک پہنچاتی ہے۔ وہ کریم، صاحب قوت، مطاع اور امین (تکویر۔ ۱۹۔ ۲۱) ہے۔

اس کا معروف نام جبریل ہے۔

۱۰۳۔ رُوحُ القُدُس

(جبریل)

مبارک اور مُقدس رُوح۔ یعنی: جبریل

---

[1] ہیروڈ کو ۴۷ ق م میں سیزر نے یہودا کا گورنر، اور انیٹنی نے بادشاہ بنادیا تھا۔

۱۰۴۔ رُوم

تاریخِ رُوم کے دو دور ہیں:۔

اول: غربی رومہ (اٹلی) کی جمہوریت۔

جو ۵۰۹ قم سے ۵۰ قم تک جاری رہی۔ اس دور میں تمام اختیارات ایک اسمبلی (پارلیمان) کے پاس تھے۔ ۵۰ قم میں شہنشاہوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ جو ۴۷۶ء تک جاری رہا۔

ان بادشاہوں کی تعداد پچاس تھی۔

پہلا جولیس سیزر تھا۔

اور آخری رِیُومُلس۔

دوسرا: دور رومہ کی شرقی شاخ سے شروع ہوا تھا۔

بات یوں ہوئی۔ کہ:۔

جب غربی رومہ میں قسطنطین اوّل (۳۰۵۔۳۳۷ء) مسند نشین ہوا۔ تو بعض مصالح کی بناء پر اس نے ۳۳۰ء میں قُسطنطُنیہ کے قریب ایک گاؤں بائزنٹیم کو دارالحکومت بنا لیا۔ جب ۳۳۷ء میں اس کی وفات ہو گئی۔ تو اس کے بیٹوں نے سلطنت تقسیم کر لی۔ ایک مشرقی اور دوسرا مغربی شاخ کا سربراہ بن گیا۔

شرقی شاخ کے سلاطین قیاصرہ کہلاتے تھے۔ ان کی تعداد بیاسی تھی۔ آخری قسطنطین یازدہم تھا۔

۱۴۵۳ء میں سلطان محمد ثانی (۱۴۵۱۔۱۴۸۱ء) نے قسطنطنیہ پہ قبضہ کر لیا۔ اور یہ سلطنت ختم ہو گئی۔

رُوم اور ایران کی اس جنگ، جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے:

(غُلِبَتِ الرُّومُ) کی تفصیل:

اَدْنَی الْاَرْضِ (شمار۔۲۰) کے تحت دیکھیے۔

مآخذ:۔ ۱۔ گبن۔ تاریخ رومہ، ۲۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا،

۳۔ سی۔ ڈبلیو۔ سی۔ اُومان:۔ سٹوری آف نیشنز،

۱۰۵۔ رھبان

(دیکھیے:۔ ۱۱۔ ''احبار'')

ز

۱۰۶ا۔زبُور

حضرت داؤد علیہ السلام کے الہامی گیت، جوآپ نے اللہ کی تعریف وتقدیس میں گائے تھے۔

☆ یہ عبرانی میں : تھلیم

☆ انگریزی میں : سامز

☆ اورعربی میں : زبور کہلاتے ہیں۔

زبور کے ایک گیت (شمار۔۱۴۵) کوتحِلّہ کہا گیا ہے۔

عربی کا ایک لفظ تھلیل اس کا ہم ماخذ معلوم ہوتا ہے۔ تھلیل کا مادہ ھل ہے۔اور باب ہے:۔
ھَلَّلَ تھلیلاً ۔یعنی اس نے خدا کی تعریف وتقدیس کی۔

تِھلّہ کے معنی بھی حمد ہیں۔

بنواسرائیل میں اللہ کے مقبول نام دو تھے:۔

ا۔جُھووَا اور

۲۔اُلوھیم

زبور میں ان کا استعمال حساب ذیل سے ہوا ہے:۔

زبور	جُھووَا کا استعمال	اُلوہیم کا استعمال	
کتاب اول	۲۷۲مرتبہ	۱۵۔مرتبہ	
دوم	جُھووَا کی نسبت	الوہیم کا استعمال	پانچ گنا زیادہ ہوا
سوم	دونوں	برابر۔برابر	
چہارم	صرف جُھووَا کا	استعمال ہوا ہے	
پنجم	زیادہ تر جُھووَا۔الوہیم	صرف دومرتبہ	

ان گیتوں کی تعداد تدوین۔اور عہد تدوین کے متعلق دیکھیے۔''داؤد''۔شمار۹۶

(ڈاب۔ص۵۵۵)

۱۰۷۔ زکریا

زکریا نام کی کئی تاریخی شخصیتیں گزری ہیں۔ مثلاً:۔

۱۔ یہوداہ کے ایک بادشاہ جیہوش فات (۹۱۴ قم) کا ایک شاہزادہ۔

۲۔ یہوداہ کے ایک بادشاہ جوش (۸۷۸ قم) کے زمانے میں سب سے بڑے کاہن جی ہودا (Jehoiada) کا ایک بیٹا۔

۳۔ بابل سے حضرت عُزیر کے ہمراہ لوٹنے والے اسرائیلیوں کا ایک سردار۔

۴۔ حضرت عُزیرؑ کے زمانے میں اسرائیل کا ایک مذہبی عالم۔

۵۔ جہازیل نبی (۲۔تاریخ ۲۰/۱۴) کا والد۔

۶۔ یہوداہ کے ایک بادشاہ ابی جاہ (مسند نشینی۔۹۵۷ قم) کا والد۔

۷۔ جوشیا (یہوداہ کا ایک بادشاہ۔ جلوس ۶۴۰ قم) کے عہد میں معبدِ یوروشلم کا نگران۔

۸۔ ایران کے ایک بادشاہ دارا[۱] کے زمانے میں ایک پیغمبر۔ جس کا نام تھا:۔ زکریا بن برخیاہ بن عِدُّو۔ یہ اس زکریا سے جدا ہے۔ جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ پہلا حضرت مسیحؑ سے اندازاً سوا پانچ سو سال پہلے تھا۔ اور دوسرا مسیحؑ کا معاصر۔ بائبل کا صحیفہ "زکریاہ" پہلے زکریا کا تھا۔

"دارا کے دوسرے برس کے آٹھویں مہینے خداوند کا کلام زکریا نبی بن بَرَخیاہ بن عِدُّو پہ نازل ہوا" (زکریا۔۱/۱)

۹۔ قرآن کا زکریا حضرت مریم کا خالو، مسجد اقصیٰ کا متوتی اور اپنے عہد کا رسول تھا۔ جب حضرت مریم کی والدہ حنہ نے نذر مانی۔ کہ وہ اپنا بچہ معبد یوروشلم کی خدمت کے لیے وقف کر دے گی۔ تو ان کے ہاں ایک لڑکی (مریم) پیدا ہوئی۔ جس کی نگرانی و پرورش حضرت زکریا علیہ السلام کے سپرد ہوئی۔

جب مریم ذرا بڑی ہوئی۔ تو اس کے پاس غیب سے ہر قسم کے پھل آنے لگے۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت زکریا نے دعا کی۔ کہ اے معجزے دکھانے والے رب! مجھ پر بھی کرم کر۔ اور:۔

---

[۱] دارا نام کے کئی بادشاہ گزرے ہیں:۔

اوّل: میڈیا کا بادشاہ دارا ابن احاشُرس (شاید لہراسپ) جس کا ذکر دانیال کی کتاب میں بار بار آتا ہے۔ دیکھیے دانیال ۱/۶،۱۰/۱۱، ۱۷/۵، ۲۵/۶ وغیرہ۔

دوم:۔ دارا بن گشتاسپ جو ۵۲۱ قم میں مسند نشین ہوا۔ یہ ہندوستان پر بھی حملہ آور ہوا تھا۔ یہ سائرس کی طرح بنو اسرائیل کا دوست تھا اور زکریا بن برخیاہ اسی کے زمانے میں تھا۔

سوم:۔ دارا جو ۳۳۶ قم سے ۳۳۰ قم تک ایران کا بادشاہ رہا اور اسے سکندر یونانی نے شکست دی تھی۔ (ڈاب: ص ۱۳۲)

هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ج اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ٥

(عمران:۳۸)

(مجھے پاکیزہ اولاد عطا کر۔ تو دعائیں سنتا ہے)

اس پر انہیں ایک فرشتے نے بشارت دی۔ کہ آپ کے ہاں عنقریب ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ اس کا نام یحییٰ رکھنا۔ چنانچہ یہ بشارت پوری ہوئی۔ یحییٰ پیدا ہوئے۔ اور اللہ نے انہیں بھی نبوت سے نوازا۔

یٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ط (مریم:۱۲)

(اے یحییٰ! کتاب کو مضبوطی سے پکڑو)

یحییٰ کی ولادت کے وقت حضرت زکریا کی عمر ایک روایت کے مطابق:۔ ۱۲۰ سال

دوسری کے مطابق	:	۹۰ سال	
اور تیسری کے مطابق	:	۷۰ سال تھی۔	(قصص۔ ج ۲، ص ۲۵۴)

آپ کا پیشہ نجاری تھا۔

ابو ہریرہ نے حضور صلعم سے روایت کی ہے۔ کہ:۔

كَانَ زَكَرِيَّا نَجَّارًا (مسند احمد بن حنبل)

جب پہلے ہیروڈ (جلوس ۴۷ قم) کے فرزند، حیروڈ انٹیپاس (۳۹ء) نے، جو گلیلی کا گورنر تھا۔ حضرت یحییٰ کو قتل کر دیا۔ تو حضرت زکریا ایک بڑے درخت کے کھوکھلے تنے میں چھپ گئے۔ کسی نے دیکھ کر رپورٹ کر دی اور آپ کو تنے سمیت چیر دیا گیا۔ (قصص۔ ج ۲، ص ۲۷۳)

مآخذ:۔ ۱۔ قصص۔ ج ۲، ص ۲۴۹، ۲۵۴، ۲۷۳، ۲۔ ڈاب۔ ص ۱۳۳، ۷۶۵، ۳۔ ڈاس۔ ص ۶۹۹، ۴۔ شاس۔ ص ۶۵۳، ۵۔ بائبل، ۶۔ قرآن حکیم

۱۰۸۔ زیتون

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۙ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۙ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۙ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْٓ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ ۙ (التین: ۱۔۴)

(تین۔ زیتون۔ طور سینا اور اس پر امن شہر (مکہ) کی قسم۔ کہ ہم نے انسان کو بہترین ہیئت (بہترین قویٰ کے ساتھ) پہ خلق کیا ہے)

تین شام کا ایک پہاڑ ہے۔ دمشق کے قریب۔

زیتون کے متعلق یاقوت (معجم) لکھتا ہے۔ کہ یہ وہ پہاڑی ہے۔ جس پر مسجدِ اقصیٰ تعمیر ہوئی تھی۔

لیکن بائبل میں ہے:۔

''تب خداوند خروج کرے گا...... اور اس روز وہ کوہِ زیتون پر جو یوروشلم کے مشرق میں ہے کھڑا ہوگا۔'' (زکریا۔۱۴/۴)

یہ پہاڑی صرف ایک میل لمبی ہے۔ اور یوروشلم کے مشرق میں شمالاً۔ جنوباً پھیلی ہوئی ہے۔ اس کی بلندی گردو نواح سے تین سو فٹ کے قریب ہے۔ اس پر بے شمار زیتون کے درخت ہیں۔ اور مسیحؑ کے زمانے میں اس پر متعدد چھوٹے چھوٹے گرجے بھی تھے۔ جو بعد میں رفتہ رفتہ گر گئے۔

حضرت ابراہیمؑ شام میں آباد ہو گئے تھے۔ اس لیے ان کا تعلق تین سے تھا۔ عیسیٰؑ کا زیتون سے، حضرت موسیٰؑ کا طور سے اور حضورؐ کا مکّہ سے۔ ان مقامات سے ان چار الوالعزم انبیاء کا پیدا ہونا اس حقیقت کی دلیل ہے کہ انسان بہترین فطرت کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ ورنہ بت پرستوں کے گھر میں یہ سلیم الفطرت لوگ کبھی پیدا نہ ہوتے۔

مآخذ:۔ ۱۔معجم۔ج۲، ۲۔ڈاب۔ص۴۷۴، ۳۔کمالین۔ص۵۰۰، ۴۔بائبل (زکریاہ)

۱۰۹۔زَید

سیرت نگاروں نے حضور صلعم کے تقریباً چالیس غلاموں کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً:۔ اسلم، اُسامہ، افلح، اَحمر، ثوبان، سابق، سالم، شُقران، ورَدان وغیرہ۔ ان میں سے بعض کو حضور صلعم نے خود خریدا تھا۔ اور بعض انہیں احباب و اقارب سے تحفۃً ملے تھے۔

حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کی خدمت میں اسلم پیش کیا تھا۔

حضرت عبدالرحمان بن عوف نے شُقران دیا تھا۔

اور زید بن حارثہ (اس مقالے کا موضوع) حضرت خدیجہؓ کا عطیہ تھا۔ (تلقیح۔ص۱۶) یہ دس سال کی عمر میں کسی بردہ فروش کے ہتھے چڑھ گیا۔ اور شام میں جا بکا۔ اسے حضرت خدیجہؓ کے ایک بھتیجے حکیم بن عوام نے خرید کر حضرت خدیجہؓ کے حوالے کر دیا۔ اور آپ نے حضور ﷺ کو دے دیا۔ حضور ﷺ کا دستور تھا۔ کہ غلاموں کو فوراً آزاد کر دیتے تھے۔ آپ ﷺ نے زید کو بھی آزاد کر دیا۔ لیکن اسے حضور ﷺ کی جدائی گوارا نہ ہوئی۔ اور آپ ﷺ ہی کی خدمت میں رہنے لگا۔ حضور ﷺ نے اسے متبنّٰی بنالیا اور جب یہ جوان ہو گیا۔ تو اپنی پھوپھی امیمہ کی بیٹی زینب بنت جَحش سے اس کا نکاح کرا دیا۔ لیکن ان کے مزاجوں میں اتنا اختلاف تھا۔ کہ طلاق ہو گئی۔ اور حضورؐ نے ۵ھ میں زینبؓ

کو اپنے نکاح میں لے لیا۔ حضرت زینبؓ کی وفات ۲۰ھ میں ہوئی۔ اور اس وقت آپ کی عمر ۵۳ برس تھی۔

زید کا پورا نام ابو امامہ زید بن حارثہ بن شراجیل الکلبی تھا۔ اس کے والدین نصرانی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر پہنچ کر یہ اسلام لے آیا۔ بدر، اُحد اور خندق میں دادِ شجاعت دی۔ بارہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غیر حاضری میں نیابت کے فرائض سرانجام دیے۔

جب حضور صلعم نے ۸ھ میں مُوتہ (شمالی عرب کا ایک سرحدی شہر) کی طرف ایک لشکر بھیجا۔ تو اس کی سرداری زید کے حوالے کی۔ اور آپ نے اسی جنگ میں منصب شہادت حاصل کیا۔ (کانس۔ ص ۵۷۷)

ماخذ:۔ ا۔ تلقیح۔ ص ۱۱، ۱۶، ۲۔ کانس۔ ص ۵۷۷، ۳۔ اعلام۔ ص ۱۶۶

س

۱۱۰۔ سَائِبَہ

(بحیرہ۔ حام۔ وصیلہ)

جاہلیت میں یہ دستور تھا۔ کہ جب کوئی اونٹنی دس بچے دے چکتی۔ تو اس کے کان چیر کر اسے آزاد چھوڑ دیتے۔ وہ بحیرہ کہلاتی۔ اور اس کی ماں سائبہ۔

ایک اور رائے یہ ہے۔ کہ جب کوئی اونٹنی دس بچے جن چکتی اور وہ سب کے سب مادہ ہوتے۔ تو اسے آزاد کر دیتے۔ اس پر نہ سوار ہوتے اور نہ اس کا دودھ پیتے۔

ایک اور صورت یہ تھی۔ کہ جب کوئی آدمی بیمار پڑ جاتا۔ یا لمبے سفر پہ روانہ ہوتا۔ تو وہ نذر مانتا۔ کہ اگر میں بخیریت واپس آیا۔ یا شفا پا گیا تو فلاں ناقہ کو آزاد (سائبہ) کر دوں گا۔

ماخذ:۔ ا۔ منتہی الارب۔ ج۔ ا، ص ۴۰۹، ۲۔ مولانا احمد رضا خان۔ ترجمۂ قرآن۔ ص ۱۸۱

۱۱۱۔ سامری

قرآنِ مقدس میں یہ ہے۔ کہ:

جب اللہ نے چالیس راتوں کے لیے حضرت موسیٰؑ کو طور پر طلب فرمایا۔ تو ان کی غیر حاضری میں سامری نے سونے کا ایک بچھڑا بنا کر قوم کو گئوسالہ پرستی پہ لگا دیا۔ حضرت موسیٰؑ واپس آئے۔ تو سخت ناراض ہوئے۔ غصے میں دس احکام والی تختیاں پرے پھینک دیں۔

حضرت ہارونؑ کو بالوں سے پکڑ کر گھسیٹا۔ اور سامری پر لعنت برسانے کے بعد فرمایا۔ کہ تم جلد ایک ایسی بیماری میں پھنسو گے۔ کہ ''مجھے مت چھونا'' تمہارا تکیۂ کلام بن جائے گا۔

(طٰہٰ۔۷۷۔۹۸)

سامری کون تھا؟

اس کے متعلق جلالین میں مذکور ہے۔ کہ یہ ایک گئوسالہ پرست منافق تھا۔ نام موسیٰ بن ظفر، جو بنو اسرائیل میں شامل ہو گیا تھا۔ (جلالین۔ص ۲۶۳)

مولانا عبدالماجد دریابادی فرماتے ہیں (أعلام۔ص ۱۱۹)۔ کہ اس دور کی مصری زبان میں سامری کے معنی تھے:۔ اجنبی۔ ممکن ہے۔ کہ یہ شخص مصر سے یا سفر کی کسی منزل پر کہیں سے شامل ہو گیا ہو۔

طبری (شاس۔ص ۵۰۱) کی رائے یہ ہے۔ کہ یہ سماریہ کا ایک اسرائیلی تھا۔

لیکن سوال یہ ہے۔ کہ حضرت یعقوبؑ کی ساری اولاد (بنو اسرائیل) تو مصر میں آباد ہو گئی تھی۔ ان میں یہ سامرہ یا سماریہ کا اسرائیلی کہاں سے آ گیا تھا۔

اس کی ایک ہی توجیہہ ممکن ہے۔ کہ شاید یہ اسرائیلی مصر سے سامرہ میں آ گیا ہو۔ اور پھر واپس چلا گیا ہو۔ سامرہ اسرائیل کے دس قبائل کی سلطنت کا دارالحکومت تھا۔ جو بحیرۂ مُردار سے تقریباً تیس میل شمال مغرب میں واقع تھا۔ اسے ۹۲۵ قم میں اسرائیل کے ایک بادشاہ عُمری نے تعمیر کیا تھا۔ پہلے وہاں ایک آٹھ میل لمبی شاداب وادی تھی۔ جس کے تین طرف پہاڑ تھے۔ اور بیچ میں منتشر بستیاں۔ ان کے باشندے سامری کہلاتے تھے۔

۷۲۲ قم میں اشوریہ کے ایک بادشاہ شال مَنیسر چہارم نے اور بعد ازاں اس کے جانشین سارگن دوم نے سامرہ پہ حملہ کر کے اسے بہت نقصان پہنچایا۔ اور اسرائیل کی حکومت کا خاتمہ کر دیا۔ (پیپلز۔ص ۹۶۵)

ولیم سِمتھ کی رائے یہ ہے۔ کہ:

> سماریہ (یا سامرہ) اس پہاڑی کے مالک کا نام تھا۔ جس پر دارالحکومت تعمیر ہوا تھا۔ اسی شہر میں احاب بادشاہ (۸۷۵ قم) نے بَعل (بت) کا معبد بنوایا تھا۔ (ڈاب۔ص ۶۰۱)

اسرائیل کی حکومت کے خاتمہ کے بعد سامرہ میں ایک ایسی تورات رائج ہو گئی تھی۔ جو اصل تورات سے قدرے مختلف تھی۔ اس کے پیرو بھی سامری[۱] کہلاتے تھے۔ لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامری کا اس فرقے سے کوئی تعلق نہ تھا۔ کیونکہ وہ صدیوں پہلے فوت ہو چکا تھا۔

---

[۱] سامرہ کے متعلق شہرستانی (۵۴۸ھ = ۱۱۵۴ء) لکھتے ہیں کہ یہوداہ کا یہ فرقہ، بیت المقدس کے پہاڑوں میں آباد تھا۔ یہ حضرت یُوشع کے بعد صرف ایک نبی کے آنے کا قائل تھا۔ ان کے کئی فرقے تھے۔ مثلاً کوستانیہ جو آخرت کا قائل تھا۔ (دوستانیہ، جو آخرت کا منکر تھا اور یہ ایک جھوٹے مدعیٔ نبوت (اَلفان) کے پیرو تھے۔ ان کا قبلہ بیت المقدس اور نابلس کے درمیان ایک پہاڑ تھا جس کا نام تھا:۔ غزِیْزِیْم۔ (الملل والنحل ۔ص ۲۱۸)

مآخذ:۔ ۱۔ڈاب۔ص ۱۰۲ ، ۲۔چیپلز۔ص ۹۶۵، ۳۔اعلام۔ص ۱۱۹،
۴۔شاس۔ص ۵۰۱، ۵۔قرآنِ حکیم، ۶۔الملل والنحل۔ص ۲۱۸،

۱۱۲۔سَبَا

سبا ایک قحطانی قبیلے کا جدِ اول تھا۔نام عبد شمس اور لقب سبا۔
عربوں کے ہاں اس کا شجرۂ نسب یوں ہے:۔
سبا بن یشجب بن یعرُب بن قحطان۔ (قصص۔ج ۳،ص ۲۸۷)
لیکن تورات (پ۲۵/۱۰۔۳۰) میں یُوں:۔
سبا بن قحطان بن عبرَ بن سَلَح بن اَرفکسد بن سام بن نوح۔

جب آل سبا نے صَنعاء سے حضرموت تک حکومت قائم کر لی۔تو ان کا ملک نیز دارالحکومت بھی سَبا کہلانے لگا۔اس کا دوسرا نام مآرب تھا۔بعض لوگ سَبا و مآرب میں کچھ تمیز کرتے ہیں۔لیکن تاریخی لحاظ سے اس کی کوئی نبیاد نہیں۔ (ارض۔ج۔ا،ص ۲۴۷)

حکومتِ سَبا

آل سبا نے حکومت کی بنیاد کب ڈالی تھی؟
تاریخ اس کا قطعی جواب نہیں دے سکتی۔
مؤرخین کا اندازہ یہ ہے۔کہ اس حکومت کے تین دور تھے:۔

پہلا۔ ۱۱۰۰ق م سے ۵۵۰ق م تک۔یہ سلاطین مکارب کہلاتے تھے۔

دوسرا۔ ۵۵۰ق م سے ۱۱۵ ق م تک۔سیلِ عرم کا حادثہ اسی دور میں پیش آیا تھا۔اور اس کے بادشاہ ملوکِ سبا کے نام سے مشہور تھے۔

اس کے بعد ملوکِ حِمیر کا زمانہ آیا۔
ان کے دو سلسلے تھے:۔

اول۔ ملوکِ حمیر۔جن کی حکومت صرف یمن پر تھی۔اور جن کا زمانہ ۱۱۵ق م سے ۲۸۰ میلادی تک تھا۔

دوم۔ تبابعہ۔جو ۲۸۰ء سے ۵۲۵ء تک یمن اور حضرموت ہر دو پر حکومت کرتے رہے۔
(قصص۔ج ۳،ص ۲۹۷)

اس طویل دور میں ان کا دارالحکومت کبھی سبا[1] رہا۔کبھی صنعا اور کبھی ظفار[2] (ڈاب۔ص ۶۳۴)

---

[1] موجودہ نقشوں میں صنعاء کے قریب مشرق کی طرف ایک شہر مآرب کے نام سے نظر آتا ہے۔پرانے زمانے میں اسی کو سَبا کہتے تھے۔

[2] حضرموت کے قریب عمان کا ایک صوبہ نیز ایک قصبہ۔

شاہانِ سَبا

سلطنتِ سَبا کے تین ادوار میں سلاطین کے نام کیا تھے؟

ترتیب کیا تھی؟

اور تاریخیں کون سی؟

ہمیں کچھ معلوم نہیں۔ یمن کی حضریات وکتبات سے صرف چند ناموں کا پتہ چل سکا ہے۔ اور وہ یہ ہیں:۔

۱۔ سلاطینِ مکارب:

ذمرعلی مکارب۔ کرب ایل

وتار۔ بن ذمرعلی

سمی علی۔ نیوف۔ بن ذمرعلی

شمع امر ینین۔ یدع ایل ذرّح

شمع امر وتار۔ کرب ایل بیّن

یدع ایل بیّن۔

سمی علی نیوف بن شمع امر۔

شجرۂ نسب:۔

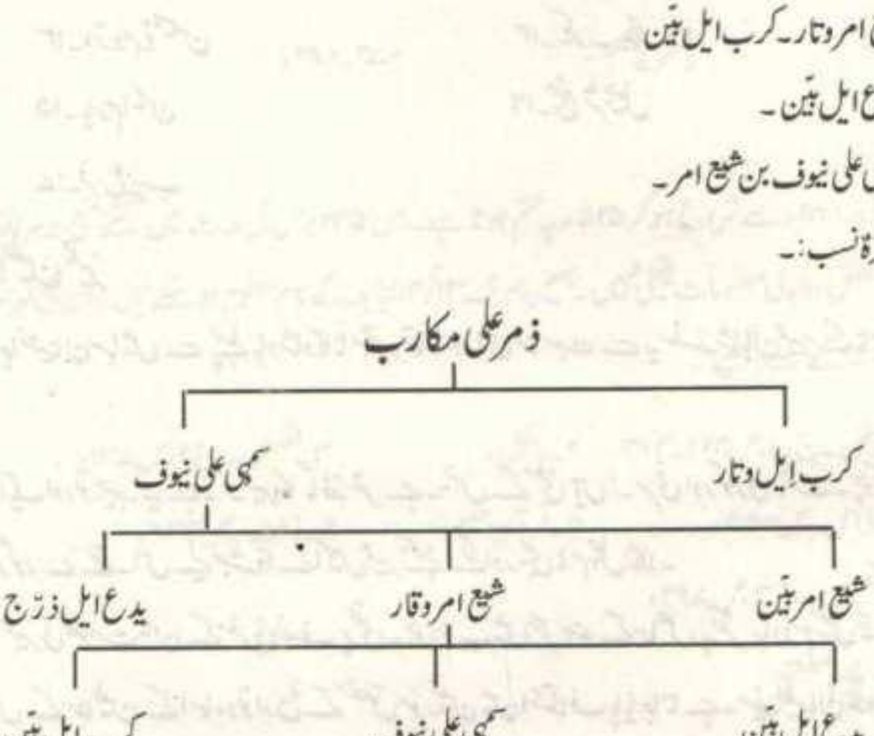

(ارض: ج۔۱، ص ۲۴۶)

۲۔ ملوکِ سَبا

ان کا دارالحکومت مآرب تھا۔ جسے سبا بھی کہتے ہیں۔ یہ یمن کے مشرق میں واقع تھا۔ اس دور کے سکوں میں مآرب کے ساتھ سلحین کا ذکر بھی ملتا ہے۔ یہ ایک قصرِ شاہی کا نام تھا۔ ان بادشاہوں کا زمانہ ۵۵۰ ق م سے ۱۱۵ ق م

تک پھیلا ہوا ہے۔

سید سلیمان ندوی نے ارض القرآن (ج۔ا،ص ۲۴۸) میں اس دور کے ملوک کی ایک فہرست دی ہے۔ جس کے بعض نام مشکوک ہیں۔ اور فہرست نامکمل بھی ہے۔ کیونکہ ۴۸۴ برس میں کم از کم تیس چالیس بادشاہوں نے حکومت کی ہوگی۔

لیکن اس فہرست میں صرف سترہ کا ذکر ہے۔ یعنی:۔

ا۔ سمہ علی ذرح	۲۔ کرب ایل بن سمہ علی ذرح
۳۔ الیشرح بن سمہ علی	۴۔ سمہ علی بن الیشرح
۵۔ شیع امر	۶۔ کرب ایل وتار بن شیعر امر
۷۔ یدع ایل بیّن شیع امر	۸۔ وہب ایل یاحوذ
۹۔ کرب ایل وتار یوہنعم بن وہب ایل	۱۰۔ یُوہیمن بن وہب ایل
۱۱۔ ذمر علی ذرح	۱۲۔ نشا کریب یُوہیمن
۱۳۔ وترم یُوہیمن	۱۴۔ یکرب ملک وتار
۱۵۔ یارم ایمن	۱۶۔ تبع شرحبیل
۱۷۔ فرع ینہب	

۳۔ سلاطینِ حمیرَ

جانشینانِ سبا میں سے پہلے بادشاہ کا نام حمیر تھا۔ اور اسی مناسبت سے یہ سلسلہ شاہانِ حمیر کے نام سے مشہور ہوگیا۔

ایک اور توجیہہ یہ ہے۔ کہ حمیر کا مآخذ حمر ہے۔ جس کے معنی ہیں:۔ سرخی اور گوری رنگت۔ چونکہ اہل یمن سُرخ اور گورے تھے۔ اس لیے حبشہ والے انہیں حمیر کہنے لگے اور یہی نام چل نکلا۔

حمیر کی حکومت یمن کے مغربی نصف پر تھی۔ جو جنوب میں بحرِ ہند کے ساحل پہ تقریباً دوسو میل تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے سلاطین کے اسماء و تواریخ کے متعلق مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ سیّد سلیمان ندوی نے بڑی تلاش و تحقیق کے بعد مندرجۂ ذیل فہرست تیار کی ہے:۔

ا	:	الیشرح یحضب	۵۰۔۳۰ق م
۲	:	شمّیل یہّن	۳۰۔۲۰ق م
۳	:	الیشرح یحمل	۲۰۔ق م

۴	:	ذمر علی ینن	ا۔۳۰ء
۵	:	کرب ایل وتار یوہنعم	۳۰۔۶۰ء
۶	:	ملک امر	۶۰۔۸۰ء
۷	:	ذمر علی ذرح	۸۰۔۱۰۰ء
۸	:	یفرع ینعم	۱۰۰۔۱۲۰ء
۹	:	ہوفعثت اشوع	۱۲۰۔۱۴۰ء
۱۰	:	شید وایمن	۱۴۰۔۱۶۰ء
۱۱	:	وہب ایل بخر	۱۶۰۔۱۹۰ء
۱۲	:	لغزنوفان یہصدق	۱۹۰۔۲۲۰ء
۱۳	:	یاسر یہصدق	۲۲۰۔۲۴۰ء
۱۴	:	ذمر علی یہبر	۲۴۰۔۲۷۰ء
۱۵	:	یاسر یونعم	۲۷۰۔۲۸۰ء

۴۔تبابعہ

تبابعہ کا دور ۲۸۰ء سے شروع ہو کر ۵۲۵ء پہ ختم ہوتا ہے۔ اس ۲۴۵ برس کی مدت میں کتنے تبع بر سر اقتدار رہے۔ اس کے متعلق ہماری معلومات یقینی نہیں۔ ہمیں صرف ۱۳/۱۴ تبابعہ کے نام معلوم ہو سکے ہیں۔ ان کی فہرست عنوان تبع۔ شمار ۴۷ کے تحت دیکھیے۔

ماخذ:۔ ا۔ارض۔ج۔ا،ص ۲۲۴۔۳۰۴، ۲۔بائبل، ۳۔قصص۔ج ۲،ص ۱۳۷، ۴۔ڈاس۔ص ۵۵۰، ۵۔قرآن حکیم، ۶۔ڈاب۔ص ۶۳۴، ۷۔قصص۔ج ۳،ص ۲۹۷،

۱۱۳۔سِدرۃُ المُنتہیٰ

قرآن کی سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں نزول جبریل کی صورت یوں بیان ہوئی ہے:۔

''اس ستارے کی قسم جو افق سے نکل کر اوپر کو چڑھتا ہے۔ کہ تمہارا ساتھی (محمدؐ) نہ تو بہکا اور بھٹکا ہے۔ نہ کوئی بات دل سے گھڑتا ہے۔ بلکہ جو کچھ کہتا ہے۔ وہ وحی ہوتی ہے۔ اسے ایک مُہیب اور طاقت ور فرشتے نے یوں تعلیم دی۔ کہ وہ پہلے ایک بلند افق پہ نمودار ہوا۔ پھر نیچے

اترا۔ اور اترتا ہی چلا گیا۔ یہاں تک کہ اس میں اور رسول میں دو کمانوں (ایک ہاتھ) کا یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔ پھر اللہ نے اپنے بندے کو جو کہنا تھا۔ سو کہا۔ رسول کے دل نے اس کے مشاہدہ کی تصدیق کی۔ کہ تمہیں اس کے مشاہدات میں شک ہے؟ رسول نے جبریل کو ایک مرتبہ اور بھی دیکھا تھا۔ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔ جس کے نواح میں پرسکون جنت ہے۔ اس وقت سدرہ پر نور و سرور کا عجیب عالم تھا۔ آنکھ کو اس منظر کے دیکھنے میں کوئی غلطی نہیں لگی۔" نجم۔۱۔۱۶)

ان آیات سے اتنا تو واضح ہے۔ کہ:

سدرۃ المنتہیٰ آسمانی وسعتوں میں ایک ایسا مقام ہے۔ جس کے پاس ہی جنت ہے۔ لیکن یہ کسی کو معلوم نہیں۔ کہ یہ مقام کہاں اور کتنی دور ہے؟

مفسّرین نے صرف اتنا ہی کہا ہے۔ کہ یہ بیری کا ایک گھنا اور اونچا درخت ہے: جس کی جڑیں چھٹے آسمان میں ہیں۔ اور شاخیں ساتویں آسمان پر۔ انسان کے برے اعمال بطن زمین (جہنم) کی طرف جاتے ہیں۔ اور اعمال صالحہ بلندیوں کی طرف، جن کی آخری حد سدرہ ہے۔ اس سے آگے کوئی عمل قطعاً نہیں جا سکتا۔ یہ مقام[1] عرش کی دائیں جانب واقع ہے۔

مآخذ:۔ ۱۔ منتہیٰ الارب۔ ج۔۱ص۔۳۱۷، ۲۔ جلالین اور دیگر تفاسیر و تراجم،

۱۱۴۔ سُلیمانؑ

حضرت داؤد علیہ السلام کا سب سے چھوٹا بچہ۔ جو بڑھاپے میں پیدا ہوا تھا۔ اس کی والدہ کا نام بت شُوع تھا۔ (۱۔تواریخ۔۳/۵)

چیپلز (ص۱۰۴۳) میں اس کا سال ولادت ۹۹۰ق م دیا ہوا ہے۔ اور بعض دیگر مآخذ میں ۱۰۳۵۔ اور ۱۰۴۵ق م۔ اس کے اٹھارہ بھائی اور بھی تھے۔ جن میں سے چھ (امنون۔ دانیال۔ ابی سلوم وغیرہ) ان سات سالوں میں پیدا ہوئے۔ جب حضرت داؤد کی حکومت صرف حبرون پر تھی۔ بعد میں جب آپ یوروشلم پر بھی قابض ہو گئے۔ تو اس ۳۳ سالہ دور میں آپ کے ہاں مزید بارہ بیٹے پیدا ہوئے۔ مثلاً:۔ سمعا۔ سُوباب۔ ابحار وغیرہ۔

(۱۔تواریخ۔۳/۱۔۶)

ان میں سلیمان سب سے یا اپنے حقیقی تین بھائیوں سے چھوٹا تھا۔ اس کا نام ماں نے سلیمان (خدائے امن و سلام) رکھا۔ لیکن اس دور کے ایک نبی "ناتن" نے لفظِ "داؤد" (محبوب۔ پیارا) کی مناسبت سے اسے یدیدیہ (محبوب خدا) کا نام دیا۔ (۲۔سیموئیل۔۱۲/۲۵)

---

[1] آج انسان کے بنائے ہوئے راکٹ مریخ تک پہنچ چکے ہیں اور وہاں کی تصاویر نیچے بھیج رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ کل یہ سدرہ و جنت کو بھی ڈھونڈ نکالیں۔

جب سلیمان ۱۰/ ۱۱ برس کی عمر کو پہنچا۔ تو اس کے ایک بھائی ابی سلوم نے باپ کے خلاف بغاوت کر دی۔ اور حضرت داؤد، سلیمان کو ہمراہ لے کر یوروشلم سے چلے گئے۔ دریائے جارڈن کے مشرقی کنارے پر باپ۔ بیٹے میں جنگ ہوئی۔ ابی سلوم مارا گیا۔ اور حضرت داؤد علیہ السلام یوروشلم میں واپس آ گئے۔ (۲۔ سیموئیل۔ ۱۵۔ ۱۸)

چونکہ اب آپ بوڑھے ہو چکے تھے۔ اور ان کے بعض بیٹے اقتدار کے لیے بے تاب ہو رہے تھے۔ اس لیے آپ نے سلیمان کو اپنا جانشین بنا لیا۔

سلیمان کا رنگ گورا۔ قد اونچا۔ جسم توانا۔ سر بڑا۔ آنکھیں چمکیلی۔ بال گھنے اور چال متوازن تھی۔ آپ شگفتہ ظرافت اور تیز ذہانت کے مالک تھے۔ کردار بلند اور روح پاکیزہ۔ آپ نے ۱۰۱۵ ق م سے ۹۷۵ ق م تک چالیس برس سلطنت کی۔ ۱۰۱۱ ق م میں مسجدِ اقصیٰ کی تعمیر شروع کرائی۔ اور یہ ۱۰۰۴ ق م میں مکمل ہو گئی۔ آپ نے فرعون کی ایک بیٹی سے شادی کر کے مصر سے بھی تعلقات استوار کر لیے تھے۔ (ڈاب۔ ص ۶۶۱)

آپ بڑی شان و شوکت سے رہتے تھے۔ آپ کے پاس چالیس ہزار طویلے اور بارہ ہزار سوار سپاہی تھے۔ (۱۔ سلاطین۔ ۴/ ۲۶)

آپ کی حکومت فرات سے مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ (۱۔ سلاطین۔ ۴/ ۲۱)

اللہ نے دانش و حکمت سے بھی آپ کو بہرہ وافر دیا تھا۔ اس پر آپ کی کتاب ''امثال'' (بائبل میں شامل) شاہد ہے۔

آپ علم سحر کے ماہر۔ پرندوں کی زبان سے آشنا اور جنات و ارواح کے آقا تھے۔ آپ کا تخت ہوا میں اڑ سکتا تھا۔ آپ کا وزیر آصف بن برخیاہ بھی علم سحر کا امام تھا۔ اور آپ عربی رسم الخط کے موجد تھے۔ (شاس۔ ص ۵۵۱)

گلاسکو کے ایک مستشرق مسٹر ڈبلیو۔ بی۔ سٹیونسن نے ۱۹۲۰ء میں ''سلیمان اور چشم بد'' کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون لکھا تھا۔ جس میں بتایا تھا۔ کہ کس طرح اسرائیلی و غیر اسرائیلی مائیں اپنے بچوں کو نظر بد سے بچانے کے لیے سلیمان کے نام اور کلام سے مدد لیتی ہیں۔ یہ مضمون گلاسکو ہی کے ایک جریدے (Studia Semitica el Orientalia) میں شائع ہوا تھا۔ (شاس۔ ص ۵۵۱)

سلیمان و بلقیس کی کہانی شمارہ ۴۸ میں گذر چکی ہے۔ آپ کے متعلق باقی تفاصیل مثلاً آپ کی قوتِ فیصلہ۔ آپ کا لشکر اور وادیٔ نملہ۔ ایک شام چند گھوڑوں کو کاٹ پھینکنا۔ جنات سے خدمت لینا۔ ہُد ہُد کی حقیقت وغیرہ، قصص القرآن کی جلد دوم میں صفحہ ۹۶ سے ۱۷۵ تک دیکھیے۔

تاریخِ وفات

گو اسرائیلی تاریخ کے اکثر واقعات پہ محققین کا اتفاق نہیں ہے۔ اور ہمیں ایک ہی واقعہ کی مختلف تاریخیں ملتی

ہیں۔تاہم عام رائے یہ ہے۔کہ "کمپینین ٹو بائبل" کی تاریخیں صحت کے قریب تر ہیں۔

اس میں لکھا ہے (ص۔۱۸۲)۔کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی وفات ۱۰۱۵ق م میں ہوئی تھی۔اور سلیمان داؤدؑ کی وفات سے چند ماہ پہلے بادشاہ بنے تھے۔

قاضی بیضاوی لکھتے ہیں (قصص۔ج ۲،ص ۱۶۸)۔کہ جلوس (تخت نشینی) کے وقت آپ کی عمر صرف تیرہ سال تھی۔

ممکن ہے۔کہ روایت صحیح ہی ہو۔کیونکہ یوروشلم کے ۳۳ سالہ دورِ حکومت میں حضرت داؤد کے ہاں بارہ بچے پیدا ہوئے تھے۔ان میں سے سلیمان یا تو سب سے چھوٹا تھا۔اس صورت میں تخت نشینی کے وقت اس کی عمر تیرہ کے قریب ہی بنتی ہے۔اور یا اپنے تین حقیقی بھائیوں سے چھوٹا تھا۔اگر یہ صورت ہو۔تو پھر جلوس کے وقت وہ ۱۹/ ۲۰ سال کا ہوگا۔اس کی تائید حضرت داؤد علیہ السلام کے ایک قول سے ہوتی ہے۔آپ نے سلیمان کو بادشاہ بنانے کے بعد اپنے درباریوں سے کہا تھا:۔

"کہ خدا نے فقط میرے بیٹے سلیمان کو بادشاہی کے لیے چنا ہے،اور وہ ہنوز لڑکا اور ناتجربہ کار ہے،اور کام بڑا ہے......" (ا۔تواریخ۔۱/۲۹)

لڑکپن ۷/ ۸ برس سے شروع ہو کر ۱۹/ ۲۰ برس تک رہتا ہے۔اس حساب سے آپ کی ولادت ۱۰۳۵ق م میں بنتی ہے۔

چونکہ آپ نے چالیس سال بادشاہی کی تھی۔اس لیے آپ کا سال وفات ۹۷۵ ق م نکلتا ہے۔

مزار

آپ کے مزار کے متعلق تین روایات ہیں:۔

اول۔ کہ آپ مسجد اقصیٰ میں دفن ہوئے تھے۔

دوم۔ کہ آپ کی قبر بحیرۂ طبریہ کے مغربی ساحل پہ تھی۔

سوم۔ کہ آپ کا مزار طبریہ میں ڈوب گیا تھا۔اور بعد کی کھدائیوں میں برآمد ہوا ہے۔

قبر کی ہیئت یُوں ہے کہ:۔

ایک تہ خانے میں تخت بچھا ہوا ہے۔اوپر حضرت سلیمان لیٹے ہوئے ہیں۔خاتم بدستور انگلی میں ہے۔اور بارہ محافظ اردگرد پہرہ دے رہے ہیں۔ (شاس۔ص ۵۵۱)

ماخذ:۔ ۱۔شاس۔ص ۵۵۱، ۲۔ڈاب۔ص ۶۶۱، ۳۔قصص۔ج ۲،ص ۹۶،۱۶۸،۱۷۵، ۴۔ڈاس۔ص ۶۰۱، ۵۔أعلام۔ص ۱۲۱، ۶۔بائبل۔، ۷۔قرآن مقدس، ۸۔پیپلز۔ص ۱۰۴۳،

۱۱۵۔ سُواع

قومِ نوح کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

وَمَكَرُوا مَكْرًا كُبَّارًا ۝ وَقَالُوا لَا تَذَرُنَّ آلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَلَا سُوَاعًا ۝ وَلَا يَغُوثَ وَيَعُوقَ وَنَسْرًا ۝

(نوح:۲۲۔۲۳)

(قومِ نوح کے رؤساء نے سازشیں کیں۔ اور لوگوں سے کہا۔ کہ اپنے خداؤں کو مت چھوڑو۔ اور وَدّ۔ سُواع۔ یغُوث۔ یعُوق اور نسر کی عبادت ترک نہ کرو)

یاقوت حموی (معجم۔ ج۔۸ "وَدّ") لکھتا ہے کہ آلِ قابیل کے پانچ دانشمندوں کا نام:۔ وَد، سُواع، یغُوث، یعُوق اور نسر تھا۔ اتفاقاً یہ کسی وبا کی وجہ سے فوت ہو گئے۔ اور ساری قوم غم میں ڈوب گئی۔ اس پر ایک سنگتراش نے ان کے مجسمے تیار کیے۔ تا کہ انہیں دیکھ کر لوگ کچھ تسکین حاصل کریں۔ پہلے تو ان کی تعظیم ہوتی تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ عبادت میں بدل گئی۔ جب طوفان نوح عرب کی طرف بڑھا۔ تو یہ بُت بھی بہہ نکلے۔ اور بحرِ احمر کے ساحل تک جا پہنچے۔ جب طوفان تھما۔ تو لوگوں نے انہیں ادھر ادھر سے سمیٹ کر جدّہ کے قریب جمع کر دیا۔

ایک دفعہ قبیلۂ ازد (یمن) کا ایک سردار عَمرو بن لُحی وہاں جا نکلا۔ اپنے ایک جن ملازم ابوثمامہ کو حکم دیا۔ کہ وہ ان بتوں کو تہامہ میں پہنچا دے۔ اور پھر حج کے موقعہ پر اعلان کیا کہ اسے اسلاف کے چند قدیم اصنام ملے ہیں۔ جو قبیلہ ان کی پرستش کرنا چاہے۔ وہ لے سکتا ہے۔ چنانچہ:۔

- ☆ بنو قُضاعہ کے رئیس عَوف بن عذرہ نے وَد لیا۔ اور اسے دُومۃ الجَندَل (شمال عرب کا سرحدی قصبہ) میں جا نصب کر دیا۔
- ☆ سُواع تہامہ کے بنُو ہذیل کو ملا۔
- ☆ یعُوق کو بنو ہمدان (یمن) کا ایک سردار مالک بن مرثد بن جُشم اٹھا لایا۔ اور اپنے قبیلہ کی ایک بستی خیوان میں نصب کر دیا۔
- ☆ نَسر بنو حِمیَر کے معدی کرب کو مل گیا۔ اور
- ☆ یغوث یمن کے ایک قبیلے مَذحج کے حصے میں آیا۔ جس کی عبادت میں بنو مراد بھی شامل ہو گئے۔

ایک دفعہ بنو مراد نے اس بت کو بنو مذحج سے چھیننے کے لیے ان پہ حملہ کر دیا۔ لیکن شکست کھائی۔ یہ جنگ یومِ بدر کو ہوئی تھی۔ کچھ دیر بعد نجران کا ایک قبیلہ (بنو عفیف) اس بت کو چھین کر نجران میں لے گیا۔ (معجم۔ ج۔۸، ص۵۱۰)

مولانا احمد رضا خان بریلوی اس آیت کے متعلق حاشیے پہ لکھتے ہیں۔ کہ:

☆ وَدّ کی ہیئت مرد کی تھی۔
☆ سُواع کی شکل عورت کی۔
☆ یغوث شیر کی ہیئت پہ تھا۔
☆ یعوق گھوڑے کی اور
☆ نسر کرگس کی۔ (القرآن الحکیم۔ ترجمہ مولانا احمد رضا خان۔ ص ۸۳۱)

۱۱۶۔ سَیلِ عَرِم

ملوکِ سبا نے مآرب کے پاس دو پہاڑیوں کے درمیان ایک بند لگا کر پانی روک لیا تھا۔ جس سے وہ اپنی زمینوں اور باغوں کو سیراب کرتے تھے۔ جب یہ لوگ عیاشی میں پڑ گئے۔ تو انہیں سزا دینے کے لیے اللہ نے یہ بند توڑ دیا۔

فَاَعْرَضُوا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ (سبا:۱۶)

(ان لوگوں نے ہم سے منہ موڑ لیا۔ اور ہم نے انہیں سیل عرم سے تباہ کر دیا)

عِرِم جمع ہے عَرِمہ کی۔ جس کے معنی ہیں:۔ بند۔ کسی وادی میں دیوار۔ اور شدید بارش (مُنجد)

اہلِ یمن اس وادی کو، جس میں بند لگایا گیا تھا۔ عَرِم کہتے تھے۔ (ارض۔ ج۔ ا، ص ۲۵۴)

یہ وادی کوہِ ابلق میں تھی۔ جو مآرب کے جنوب میں شرقاً۔ غرباً پھیلا ہوا تھا۔ وادی کا نام اُذینہ تھا۔ اس کا بند سلاطینِ مکارب میں سے کسی نے بنوایا تھا۔ کانس (ص ۳۴۹) میں اس کا نام لقمان بن عاد یا عبد شمس سبا تھا۔ لیکن وہاں کے کتبوں میں چند اور ملوک کے نام بھی درج ہیں۔ جنہوں نے اس کی تعمیر اول یا ثانی یا مرمت میں حصہ لیا تھا۔

ان کتبات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے۔ کہ یہ بند مکمل تباہی سے پہلے دو دفعہ ٹوٹا تھا:۔

اولاً۔ پانچویں صدی میلادی کے وسط میں۔ اور

ثانیاً۔ چھٹی صدی میلادی کے نصفِ اول میں۔

تعمیر و مرمت میں حصہ لینے والوں کے نام یہ ہیں:۔

☆ شمّر یہرعش ☆ علی ینوف ☆ سمہ علی ینوف
☆ کرب علی بیّن ☆ ذمر علی ذرح اور
☆ یدع ایل اوتار (ارض۔ ج۔ ا، ص ۲۵۵، اور کانس۔ ص ۳۴۹)

سید سلیمان ایک یورپی سیاح "ارناؤ" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ:۔

یہ بند ڈیڑھ سو فٹ لمبا اور پچاس فٹ چوڑا تھا۔ اور اس کی ایک تہائی اب بھی موجود ہے۔

(ارض۔ ج۔ ا، ص ۲۵۵)

لیکن کانس (ص ۳۴۹) میں اس کی لمبائی ۱۷۶۰ فٹ، چوڑائی ساٹھ فٹ دی ہوئی ہے۔ سدِ مآرب کے ایک کتبہ کے مطابق، جو ابرھہ نے وہاں نصب کیا تھا۔ سیلِ عَرم ۵۴۲ء میں آیا تھا۔ (ارض۔ ج۔ ا،ص ۳۱۸)

یاقوت حموی (معجم۔ ج ۷ مآرب) لکھتا ہے۔ کہ سبا، یمن کا ایک رئیس تھا۔ جس کے دو بیٹوں کا نام کہلان و حمیرؔ تھا۔ سَیلِ عرم کے زمانے میں ان کی اولاد یمن پہ حکمران تھی۔

☆ کہلانی مآرب کے حاکم تھے۔ اور ☆ حمیری باقی یمن کے۔

کہلانیوں کا سردار عمرو بن عامر تھا۔ جو بند ٹوٹنے سے قدرے پہلے مرگیا تھا۔ اس کے بعد اسکا بھائی عمران بن عامر مسند نشین ہوا۔

ایک دن مآرب کی ایک کاہنہ عمران کے ہاں گئی۔ اور کہنے لگی۔ کہ بہت جلد ایک سیلاب آ رہا ہے۔ جس سے مآرب تباہ ہو جائے گا۔

چونکہ سیلاب کا خطرہ سدِ عرم کی طرف سے ہو سکتا تھا۔ اس لیے عمران اس کے معائنہ کے لیے گیا۔ دیکھا۔ کہ وہاں چوہوں نے جابجا سوراخ کر دیے ہیں۔ واپس آتے ہی اس نے اپنی قوم کو تو سب کچھ بتا دیا۔ لیکن آلِ حمیر سے بات چھپالی۔ پھر اپنی ساری جائیداد حمیرؔ کے پاس بیچ کر اقارب سمیت مآرب سے نکل پڑا۔

ان کی منازل یہ تھیں:۔

نام	تعارف	منزل
عمران بن عمرو بن عامر	مآرب کا سردار	عُمان
جفنہ بن عمرو بن عامر	عمران کا بھائی	شام
ثعلبہ	عمران کا بھتیجا	حجاز
حارثہ ابن ثعلبہ	ثعلبہ کا بیٹا	مدینہ: اوس وخزرج اسی کی اولاد ہیں
حارثہ	عمران کا بھائی	مکہ میں سے بنو جرہم کو نکال کر قابض ہو گیا تھا
کِندہ۔ قضاعہ	کہلان کی شاخیں	نجد
غسّان	״ شاخ	شام
لخم۔ جذام	״ شاخیں	عراق

دیگر تفاصیل کے لیے دیکھیے:۔ ''سبا''۔۱۱۲

مآخذ:۔ ۱۔ارض۔ج۔۱،ص۲۵۴۔۳۲۱،   ۲۔معجم۔ج۷،"مآرب"،   ۳۔قصص۔ج۲،ص۱۳۷،
۴۔منجد"عرم"،   ۵۔قرآنِ حکیم،

۱۱۷۔سَیناء(طُور)

قرآن میں سَیناء بفتح سین آیا ہے۔لیکن بکسر سین بھی صحیح ہے۔

(جلالین۔ص۲۸۳)

وَشَجَرَةً تَخْرُجُ مِنْ طُوْرِ سَيْنَآءَ تَنْبُتُ بِالدُّهْنِ وَصِبْغٍ لِّلْاٰكِلِيْنَ ۝ (مومنون:۲۰)

(اللہ طورِ سَینا سے ایک ایسا درخت (زیتون) پیدا کرتا ہے۔جس سے تیل اور کھانے والوں کے لیے سالن نکلتا ہے۔یعنی لوگ گھی کی طرح اس تیل کو روٹی کے ساتھ کھاتے ہیں)

سورۂ التین میں طور کے ساتھ سینین کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔جس کے معنی، جلالین کے مطابق (ص۵۰۰)،مبارک۔اور خوش منظر ہیں۔

چیمبرز انسائیکلو پیڈیا میں لفظ "سینا" کے تحت لکھا ہے(ص۱۰۳۵)۔کہ یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے۔

جس کے معنی ہیں:۔خاردار اور کٹی پھٹی زمین۔

ایک اور توجیہہ یہ ہے۔کہ یہ "سن" سے ماخوذ ہے۔

جس کے معنی ہیں:۔چاند دیوتا۔

چاند کی پرستش پہلے بابل میں ہوتی تھی۔وہاں سے یہ صحرائے سینا تک پھیل گئی۔اور اسی مناسبت سے یہ سینا کہلانے لگا۔

حمیر کے ایک کتبے سے معلوم ہوتا ہے۔کہ یمن میں بھی چاند کی پوجا ہوتی تھی۔

سَینا کیا ہے؟

آج کل سیناء اس مثلث خطۂ زمین یا جزیرہ نما کا نام ہے۔جو خلیج عقبہ اور خلیج سویز کے مابین واقع ہے۔اس کی لمبائی ۲۴۰ میل اور چوڑائی ۱۲۰ میل کے قریب ہے۔لیکن عہدِ موسیٰ میں یہ چار حصوں میں منقسم تھا:۔

☆ نیچے جنوب میں صحرائے سن۔   ☆ شمال مغرب میں صحرائے شُور۔
☆ شمال مشرق میں صحرائے زِین۔   اور
☆ اس سے ذرا نیچے صحرائے[1] فاران تھا۔

[1] فاران نام کے دو صحرا تھے:۔
ایک جزیرہ نمائے سینا میں تھا اور دوسرا وہ۔جس میں مکہ واقع ہے۔

سَینا اس پہاڑ کا نام بھی تھا۔ جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دس احکام عطا ہوئے تھے۔ یہ پہاڑ ایک بڑے پہاڑ یعنی حوراب کا ایک حصہ تھا۔ حوراب خلیج عقبہ سے دور تک مغرب میں پھیلا ہوا تھا۔ اور اس کے دامن میں جا بجا سر سبز ٹیلے تھے۔ جو گردونواح کے ہموار میدانوں سے ملے ہوئے تھے۔ اس کی بلند ترین چوٹی نو ہزار تین سو فٹ تھی۔ یہ تین حصوں میں منقسم تھا:۔

اوّل۔ شمال مغربی حصہ۔ جس کے شمال میں وادیٔ فاران تھی۔ بلندی ۶۷۵۹ فٹ، اور اس کا نام جبلِ سَربَل تھا۔ یہ وسطی حصے (جبل موسیٰ) سے تیس میل مغرب میں تھا۔

دوم۔ وسطی حصہ۔ جس کے شمال میں وادی الشیخ تھی۔ یہ سینا نیز جبلِ موسیٰ کے نام سے مشہور تھا۔

سوم۔ جبلِ موسیٰ کے مشرق میں کوہِ کتھرین[1] کی چوٹی۔ جو ۸۷۰۵ فٹ اونچی تھی۔

(ڈاب۔ ص ۶۵۵)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا دیدار کہاں ہوا تھا؟

اس کے متعلق علما میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں۔ کہ:۔

کوہِ سَربَل پہ ہوا تھا۔

اور بعض جبل موسیٰ کی ایک بلند چوٹی کا نام لیتے ہیں۔

لیکن یہ اس بات کو بھول جاتے ہیں۔ کہ ان پہاڑوں کے دامن میں سوا چھ لاکھ اسرائیلیوں کو ٹھہرانے کا کوئی انتظام نہیں ہوسکتا تھا۔ کیوں کہ وہاں ہر طرف چٹانیں اور خاردار پودے تھے۔ اور تورات میں بوضاحت مذکور ہے۔ کہ:۔

جب حضرت موسیٰ پہ تجلّی نازل ہوئی۔ تو اس منظر کو دامن کوہ سے تمام اسرائیلی دیکھ رہے تھے۔

اس سے ظاہر ہے۔ کہ تجلّی ایک ایسے مقام پہ ہوئی ہوگی۔ جس کے دامن میں دور تک ہموار میدان ہو۔ اور یہ مقام جَبلِ موسیٰ کا وہ شمال مغربی حصہ ہی ہوسکتا ہے۔ جس کی بلندی ذرا کم ہے۔ اور جس کے ساتھ سینکڑوں ٹیلے سامنے کے شمالی میدان الرّاحہ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یہیں ہم کلام ہوا تھا۔ یہیں آپ کو الواح عطا ہوئی تھیں اور اسی کا نام طورِ سینا ہے۔

مآخذ:۔ ۱۔ پیپلز۔ ص ۱۰۳۵، ۲۔ ڈاب۔ ص ۶۵۵، ۳۔ جلالین۔ ص ۵۰۰، ۴۔ قرآن حکیم، ۵۔ بائبل،

---

[1] ایک عیسائی عابدہ یا عابد جو یہاں عبادت کرتا رہا۔

عہدِ موسیٰؑ میں جزیرہ نمائے سینا کی تقسیم

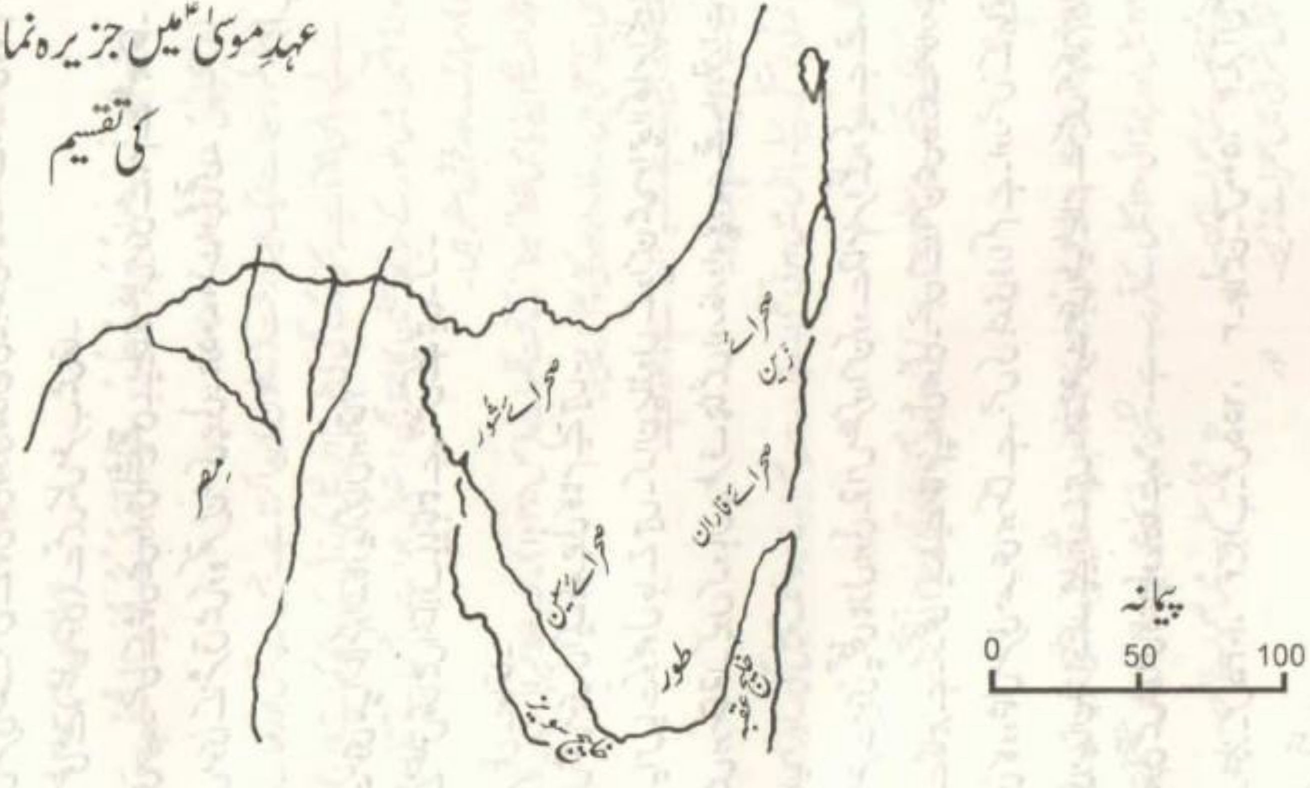

ش

۱۱۸۔ الشّجرَ ہ

لفظی معنی:۔ درخت

اس سے مراد وہ درخت ہے۔ جس کے نیچے حضور صلعم نے حدیبیہ میں صحابہٗ کرام سے بیعت لی تھی۔ عربوں کے ہاں اس درخت کا نام سَمُرہ تھا۔

بات یوں ہوئی۔ کہ حضور ﷺ نے خواب میں دیکھا۔ کہ وہ کعبہ کا طواف کر رہے ہیں۔ اس سے حضور ﷺ کو بے اندازہ مسّرت ہوئی اور پندرہ سو صحابہ کو ہمراہ لے کر چھٹے سال ہجری کے ذی القعدہ میں مکّہ کو چل دیے۔ اور تمام امورِ ریاست عبداللہ بن اُمِ مکتُوم کے سپرد کر گئے۔

جب یہ خبر اہلِ مکّہ تک پہنچی۔ تو ان کے لشکر مکّہ کے باہر مقابلہ کے لیے آ گئے۔

حضور صلعم حدودِ حرم کے قریب چاہِ حدیبیہ پہ جا ٹھہرے (یہ مقام مکّہ سے آٹھ میل دور تھا) اور حضرت عثمانؓ کو اپنا سفیر بنا کر مکّہ میں بایں پیغام بھیجا۔ کہ ہم لڑنے کے لیے نہیں، بلکہ عمرہ کے لیے آئے ہیں۔ اس لیے ہمیں مت روکیے۔

جب حضرت عثمانؓ د. تک واپس نہ آئے اور ہر طرف یہ افواہ پھیل گئی۔ کہ حضرت عثمانؓ کو مکّہ والوں نے شہید کر ڈالا ہے۔ تو آپ ﷺ نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تمام صحابہٗ کرام سے جہاد پہ بیعت لی۔ یہ خبر مکّہ میں پہنچی۔ تو اہلِ مکّہ نے حضرت عثمانؓ کو رہا کر دیا۔ اور ساتھ ہی عروہ بن مسعود اور سہیل کو اپنا سفیر بنا کر بھیجا۔ انہوں نے شرائط ذیل پر حضور ﷺ سے صلح کر لی۔

ا۔ کہ جانبین دس سال تک ایک دوسرے پہ حملہ نہیں کریں گے۔

ب۔ کہ مسلمانوں کو اگلے سال طواف کی اجازت ہوگی۔

ج۔ کہ قبائل عرب کو اہلِ مکّہ یا مسلمانوں کی مدد کرنے کی پوری آزادی ہوگی۔

د۔ کہ اگر کوئی قریشی مدینہ میں جا کر مسلمان ہوگیا تو حضور ﷺ اس کو لوٹا دیں گے اور اگر کوئی مسلمان مدینہ سے مکّہ میں آ گیا۔ تو قریش اسے واپس نہیں کریں گے۔

یہ تھا معاہدۂ حدیبیہ۔

اور وہ تھی بیعت رضوان جو سَمُرہ درخت کے نیچے لی گئی تھی۔

حضور صلعم حدیبیہ میں بیس یوم رہے۔ اور پھر واپس چل پڑے۔ جب ایک مقام ضجنان میں پہنچے۔ تو سورۃ

الفتح نازل ہوئی۔جس میں اس معاہدہ کو فتح کہا گیا۔اور بیعت کرنے والوں کو اللہ نے اپنی رضا (رضوان) وخوشنودی کی خبر دی۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ

(فتح:۱۸)

(جب مومن درخت کے نیچے تمہارے ہاتھ پہ بیعت کر رہے تھے۔تو اللہ ان کے اس عمل سے بہت خوش ہوا)

ماخذ:۔ ۱۔تلقیح۔ص۳۰، ۲۔رحمۃ اللعالمین۔ج۔ا،ص۲۷۹، ۳۔ترجمہ قرآن از احمد رضا خان۔ص۷۴۲

۱۱۹۔شِعریٰ

وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰىۙ وَاَنَّهٗۤ اَهْلَكَ عَادَاۨ الْاُوْلٰىۙ وَثَمُوْدَ فَمَاۤ اَبْقٰىۙ (نجم:۴۹۔۵۱)

(وہ شعریٰ ستارے کا ربّ ہے۔اس نے عادِ اُولیٰ کو تباہ کیا۔اور ثمود کو بھی باقی نہ چھوڑا)

صاحب جلالین لکھتا ہے۔کہ:۔

شِعریٰ برج جوزا کے ایک ستارے کا نام ہے۔جو گرمیوں میں طلوع ہوتا ہے۔اور عرب کا ایک قبیلہ ''بنوخزاعہ'' اس کی عبادت کیا کرتا تھا۔ (جلالین۔ص۴۳۷)

۱۲۰۔شُعَیب

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کو قتل کرنے کے بعد مصر سے بھاگ نکلے۔تو سفر کے دوران مدین کے ایک کنویں پہ دم لینے کے لیے رکے۔وہاں ان کی نظر دولڑکیوں پہ پڑی۔جو اپنے ریوڑ کے ساتھ اس انتظار میں کھڑی تھیں۔کہ باقی گڈریے ہٹیں۔تو یہ آگے بڑھیں۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی بے بسی پہ رحم آ گیا۔اٹھے،کنویں سے پانی نکال کر ان کے ریوڑ کو پلایا۔اور دوبارہ درخت کے نیچے لیٹ گئے۔

کچھ دیر کے بعد ایک لڑکی آپ کے پاس آئی اور کہنے لگی۔کہ میرے ابا آپ کو یاد کر رہے ہیں۔چنانچہ حضرت موسیٰ اس کے ساتھ ہو لیے اور وہاں جا کر اپنی ساری کہانی اس کے والد کو سنائی۔

اس بزرگ نے پہلے اسے ظالموں سے نجات پانے پہ مبارک دی اور پھر کہا۔کہ اگر تم یہاں رہ کر سات سال تک میرے کام کرو گے تو میں اپنی ایک لڑکی تمہارے نکاح میں دے دوں گا۔

جب یہ معیاد گذر گئی۔ تو ایک شام حضرت موسیٰ اپنی زوجہ کو ساتھ لے کر کہیں چل دیئے۔ کچھ ہی فاصلہ طے کیا تھا۔ کہ وادئ حوراب کے ایک درخت میں آپ کو آگ نظر آئی۔ اس کے قریب گئے۔ تو آواز آئی:۔

> اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں۔ یہ ایک مقدس وادی ہے جُوتے اتار کر ہم سے کلام کرو۔ ہم نے تمہیں نبوّت کے لیے انتخاب کر لیا ہے۔ اس لیے مصر میں جاؤ۔ اور اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلاؤ۔ (قصص۔۳۰۔۳۲)

ہماری تمام تفسیریں اور تاریخیں اس بات پہ متفق ہیں۔ کہ مَدیَن کے اس بزرگ سے مراد حضرت شعیب علیہ السلام ہیں۔ یہ انہی کی ہشت سالہ تعلیم و تربیت کا اثر تھا۔ کہ موسیٰ منصبِ نبوت کے قابل بنے۔

اگر کوئی شعیب آئے مُیَسّر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے (اقبال)

مَدیَن ایک وسیع علاقے کا نام تھا۔ جو خلیج عَقبہ کے شرقی و غربی کنارے پہ پھیلا ہوا تھا۔ اس علاقے کے مرکزی شہر کا نام بھی مدین تھا۔ یہ دراصل حضرت ابراہیمؑ کے ایک فرزند کا نام تھا۔ جو آپ کی ایک بیوی قطورہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ (پیدائش۔۲۵/۱) اور اس علاقے میں آباد ہو گیا۔ یہ حضرت شعیب کی چوتھی پشت میں تھا۔ شعیب بن میکائیل بن یشجر (عفر) بن مَدیَن بن ابراہیم۔ (اَعلام۔ص ۱۲۷)

حضرت شعیب کی قوم۔ جو مَدیَن اور قریب کے جنگلات (اَیکہ) میں آباد تھی۔ مشرک اور بد دیانت تھی۔ ان کے ہاں لینے کے تول الگ تھے اور دینے کے الگ۔ شعیب علیہ السلام نے انہیں بہتیرا سمجھایا۔ لیکن یہ نہ مانے۔ اور اللہ نے انہیں ایک زلزلے سے تباہ کر دیا۔

فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِیْ دَارِهِمْ جٰثِمِیْنَ ○

(اعراف:۹۱)

(انہیں بھونچال نے آلیا۔ اور صبح کے وقت وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے ہوئے تھے)

بائبل میں شعیب کے دو نام دیئے ہوئے ہیں:۔

اول۔ جتھرو (Jethro)۔ دیکھیے:۔ خروج۔۳/۱

دوم۔ رَعوایل (Reuel)۔ ملاحظہ ہو:۔ گنتی۔۱۰/۲۹

بعض اسے حُوباب بھی کہتے ہیں۔ لیکن گنتی (۱۰/۲۹) کے مطابق حوباب، رعوایل کا بیٹا تھا۔ جسے حضرت موسیٰ کنعان کے سفر میں مشورے اور رہ نمائی کے لیے ساتھ لے گئے تھے۔

حضرت شعیب کی اس بیٹی کا نام جو حضرت موسیٰ کے نکاح میں آئی تھی۔ صفُورہ (Zipporah) تھا۔ اس

کے بطن سے دو بچے پیدا ہوئے تھے:۔

۱۔ جرشوم اور

۲۔ الیعزر (خروج ۔۸/۱۔۴)

جب وادیٔ طور میں حضرت موسیٰ کو فرعون کے ہاں جانے کا حکم ملا۔ تو وہ اپنی بیوی بچوں کو حضرت شعیبؑ کے ہاں چھوڑ گئے۔

جب واپسی پر کوہِ طور سے الواح لے کر ساتھ کے بیاباں میں خیمہ زن ہوئے تو وہاں حضرت شعیب، صفورہ اور اس کے بچوں کو ساتھ لے کر آ گئے۔ (خروج ۔۱۸/۵)

یہ واقعہ ۱۴۹۱ ق م کا ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عمر اسی برس تھی اور حضرت شعیب کی ایک سو تیس کے قریب۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں چالیس برس رہے تھے۔ (باڈ ۔ص ۴۸۵) اور جس روز آپ نے لڑکیوں کے ریوڑ کو پانی پلایا تھا۔ ایک لڑکی نے کہا تھا۔ کہ:

یہاں ریوڑ ہمیں ہی لانا پڑتا ہے۔ کیونکہ:

وَاَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ [ا]

ہمارا والد بہت بوڑھا ہو چکا ہے اور وہ یہاں تک نہیں آ سکتا۔

قیاس یہ ہے کہ اس وقت ان کی عمر نوے کے قریب ہوگی۔ اور چالیس سال بعد اندازاً ایک سو تیس سال۔

ان کی وفات کب ہوئی؟

تمام تاریخیں بائبل سمیت خاموش ہیں۔

خیال یہی ہے۔ کہ:۔

طور سے واپس جانے کے بعد وہ جلد ہی فوت ہو گئے ہوں گے۔

مآخذ:۔ ۱۔ بائبل ۔ خروج ۔ احبار اور گنتی، ۲۔ عہد بائبل کی کہانی ۔ص ۲۶،

۳۔ ڈاب ۔ ''جتھرو'' اور ''Zipporah''،

۴۔ کتاب الہدیٰ ۔ص ۵۰۶، ۵۔ باڈ ۔ص ۴۸۵، ۶۔ قرآن حکیم

ا۔ قصص ۔۲۳

۱۲۱۔ شہرِ حرام

لفظی معنی:۔ عزت والا مہینہ۔

عہد رسول ﷺ میں عرب چار مہینوں کو مقدس سمجھتے تھے۔ یعنی:۔

۱۔ ذُو القَعدہ ۲۔ ذُو الحِجّہ

۳۔ مُحَرَّم ۴۔ رجب

اور ان میں جنگ وجدال کو حرام قرار دیتے تھے۔

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط (توبہ:۳۶)

(اللہ کی کتاب میں، اُس دن سے، جب اللہ نے ارض وسما کو پیدا کیا تھا۔ مہینوں کی تعداد بارہ رہی ہے۔ ان میں سے چار حُرمت والے ہیں)

۱۲۲۔ شیطان

دیکھیے: ''ابلیس'' شمار۔ ۵

ص

۱۲۳۔ صابئین

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِئِيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج ص وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ٥ (بقرہ:۶۲)

(مومن ہوں یا یہود، نصاریٰ ہوں یا صابیٔ۔ ان میں سے جو بھی خدا و آخرت پہ ایمان لانے کے بعد اچھے کام کرے گا۔ اسے اللہ سے اجر ملے گا۔ اور وہ خوف وغم سے محفوظ رہے گا)

صابیٔ کون تھے؟ علماء نے اس کے مختلف جواب دیے ہیں۔

ایک گروہ کے ہاں یہ عراق کے ان عیسائیوں کا نام تھا۔ جنہوں نے اپنے مذہب میں بعض یہودی نیز پادری رسوم وعقائد شامل کر لیے تھے۔ اور حضرت یحییٰ کو حضرت مسیح پہ ترجیح دیتے تھے۔ یہ پہلی صدی میلادی میں ظاہر ہوئے

تھے۔اوران کے کچھ افراد بعض ممالک میں اب تک موجود ہیں۔

ایک اور گروہ کے ہاں یہ حرّ ان (شام) کا ایک لا مذہب فرقہ تھا۔ جو اپنے آپ کو محض اس لیے صابئ کہتا تھا۔ تا کہ وہ اسلامی سلطنت سے وہی رعایات لے سکے۔ جو یہود و نصاریٰ کو حاصل تھیں۔ (شاس۔ص ۴۷۷)

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں۔کہ:

صابئ، صَبَاء سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی ہیں:۔ایک طرف کو جھک جانا۔اور ٹیڑھا ہونا۔ چونکہ یہ لوگ راہِ صداقت کو چھوڑ بیٹھے تھے۔اس لیے صابئ کے نام سے مشہور ہو گئے۔

(الملل۔ج ۲،ص ۵)

شہرستانی نے الملل میں صابئین پر ۳۵ صفحات کا ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔جس کا خلاصہ یہ کہ:۔ یہ لوگ روحانی طاقتوں (فرشتے۔ارواح) کا احترام عبادت کی حد تک کیا کرتے تھے۔ان کا اعتقاد یہ تھا۔کہ بندے خدائے مقدس تک، جو عقل کل، حی و قیوم اور عظیم بھی ہے، انہی روحانی طاقتوں کی وساطت سے پہنچ سکتے ہیں اور اس کی صورت یہ کہ ہم خواہشات کو کچلیں۔ گناہوں سے بچیں اور عبادت سے روح کو پاک کریں۔سورج، چاند، ستاروں اور عناصر پہ انہی طاقتوں کی حکومت ہے۔انہی کی خواہش سے مادہ مختلف صورتیں بدلتا ہے۔زلزلوں، بجلیوں اور سیلابوں پہ انہی کی سلطانی ہے۔یہ تین نمازیں پڑھتے۔سؤر، کتے، پنجوں سے پکڑنے والے پرندوں اور کبوتر کو حرام سمجھتے تھے۔

چند عباسی خلفا مثلاً مامون۔القاہر اور المطیع نے انہیں مٹانا چاہا۔لیکن بعض صابئ فضلا (جو ان کے درباروں میں تھے) کی سفارش کی وجہ سے رُک گئے۔ (شاس۔ص ۴۷۷)

بغداد کے بیت الحکمۃ اور عباسی خلفا کے درباروں میں متعدد صابئ علماء علمی وطبّی خدمات سرانجام دیتے رہے۔ان میں سے قابلِ ذکر یہ ہیں:۔

☆ ثابت بن قُرّہ	☆ سنان بن ثابت
☆ ثابت بن سنان	☆ ابراہیم بن سنان
☆ ہلال بن المحسن	☆ ابراہیم بن ہلال
☆ ابو اسحٰق بن ہلال۔	☆ ابراہیم بن زہرون
☆ ثابت بن ابراہیم بن زہرون	☆ البتانی
☆ خازن	☆ ابن الوحشیہ

(حکمائے عالم)

حران میں صابئہ کا ایک مشہور معبد تھا۔ جس میں چاند کی پرستش ہوتی تھی۔ اسے مصر کے فاطمیوں نے گرا دیا۔ اور گیارھویں صدی میلادی میں حران سے اس فرقے کے آخری آثار مٹ گئے۔ (شاس۔ ص ۴۷۷)

یہ صرف دو پیغمبروں پہ ایمان رکھتے تھے۔ یعنی:۔

☆ ادریس (ہرمس) اور

☆ شیث (عاذیمون) (ملل۔ ج ۲، ص ۴)

ان کا قبلہ جنوب کی طرف تھا۔ اور ایک روایت کے مطابق یہ دین نوح کے پیرو تھے۔

(ڈاس۔ ص ۵۵۱)

ماخذ:۔ ۱۔ الملل۔ ج ۲، ص ۴۔ ۳۹، ۲۔ شاس۔ ص ۴۷۷، ۳۔ ڈاس۔ ص ۵۵۱، ۴۔ قرآنِ حکیم، ۵۔ حکمائے عالم،

۱۲۴۔ صاحب الحوت

دیکھیے:۔

۹۹۔ ''ذُوالنُّون''

۱۲۵۔ صاحِبِہٖ

لفظی معنی:۔ رسول کا ساتھی۔ مراد ابوبکرؓ۔ ان کا ذکر آیۂ ذیل میں ہوا ہے:۔

اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (توبہ:۴۰)

(اگر تم رسول کی مدد نہیں کرتے۔ تو نہ سہی۔ اللہ نے اس کی اس وقت مدد کی۔ جب کفار نے اسے گھر سے نکال دیا تھا۔ اور وہ دو میں دوسرا تھا۔ جب وہ غار ثور میں پناہ گیر ہوئے۔ (اور کسی بات پہ ابوبکر مضطرب ہوئے) تو اپنے رفیق سفر سے کہنے لگے۔ کہ گھبراؤ مت۔ اللہ ہمارے ساتھ ہے)

ابوبکر عبداللہ بن ابی قُحافہ عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مُرّہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر حضور صلعم سے اندازاً دو سال چھوٹے تھے۔ آپ کی ولادت غالباً ۵۷۲ء میں ہوئی تھی۔ والد نے آپ کا نام

عبدالکعبہ رکھا تھا۔ جسے بعد از بعثت حضور ﷺ نے عبداللہ میں بدل دیا والدہ کا نام اُم الخیر سلمٰی بنت صخر تھا۔
(استیعاب۔ج۔۱،ص ۳۲۹)

آپ ایک دولت مند تاجر (بزاز) تھے۔ اسلام قبول کرتے وقت آپ کا سرمایہ چالیس ہزار درہم تھا۔ آپ نوشت وخواند سے آشنا اور انساب کے عالم تھے۔ جاہلیت میں بھی آپ فقراء ومساکین کے دستگیر، مہمان نواز اور کمزوروں کے مددگار تھے۔ رسالت سے پہلے بھی حضور ﷺ سے آپ کے تعلقات نہایت مخلصانہ وبرادرانہ تھے۔ یہ ہر روز ایک دوسرے سے ملتے تھے۔ مردوں میں ابوبکرؓ سب سے پہلے مسلمان تھے۔ بچوں میں یہ فخر علیؓ کو اور عورتوں میں حضرت خدیجہؓ کو حاصل ہوا۔ آپ کی اولاد میں سے عبدالرحمٰن، بدر اور احد میں کفار کے ساتھ تھے۔ لیکن حضرت ابوبکرؓ تمام غزوات میں حضورؐ کے ہمراہ رہے۔ معاہدۂ حدیبیہ پر آپ کے دستخط بھی تھے۔ آپ نے حضور صلعم کی آخری علالت میں فرائض امامت سرانجام دیئے۔

آپ کی پانچ بیویاں تھیں:۔

اول۔ قُتَیلہ عامر کی قُتَیلہ بنتِ عبدالعزیٰ۔ جس سے عبداللہ واسماء پیدا ہوئے۔ چونکہ یہ اسلام لانے پہ آمادہ نہیں تھی۔ اس لیے اسے طلاق ہوگئی۔

دوم۔ قبیلۂ کنانہ کی اُمِ رُومان۔ عائشہ وعبدالرحمٰن کی ماں۔

سوم۔ قبیلۂ کلب کی اُمِ بکر۔ جس کی کوئی اولاد نہیں تھی۔

چہارم۔ خَثعم کی اسماء بنتِ عُمیس۔ جس سے محمد بن ابی بکر پیدا ہوئے تھے۔

پنجم۔ مدینہ میں قبیلۂ خزرج کی حُبیبہ بنتِ خارجہ جس سے حضرت ابوبکرؓ کی وفات کے بعد اُم کلثوم پیدا ہوئی تھی۔
(دائرۂ معارف اسلامیہ۔ج۔۱،ص ۷۵۰)

خلافت ابوبکرؓ

آپ ۶۳۲ء سے ۶۳۴ء تک دو سال تین ماہ اور گیارہ دن مسند خلافت پہ متمکن رہے۔ اس عرصے میں آپ نے سب سے پہلے اسامہ بن زید کو سرحد شام پر رومیوں کی گوشمالی کے لیے بھیجا۔ پھر جھوٹے نبیوں یعنی یمن کے اَلاَسوَدُ العنسی، یمامہ کے مُسَیلمہ، قبائل اسد وغطفان کے طُلیحہ اور تمیم کی کاہنہ سَجاح کی سرکوبی کی۔ بعد ازاں زکوٰۃ نہ دینے والے قبائل کے خلاف جو یمن، عُمان، بحرین اور ساحل قلزم تک پھیلے ہوئے تھے۔ لشکر کشی کی۔ اور ان تمام فتنوں کا سر چند ماہ میں کچل کر ریاست میں امن قائم کر دیا۔

وفات

آپ وفات سے پہلے پندرہ دن بیمار رہے۔ اور ۲۰ یا ۲۲ جمادی الآخرہ ۱۳ھ کو جمعہ یا سوموار یا منگل کے دن

اللہ سے جا ملے۔ نماز جنازہ حضرت عمرؓ نے پڑھائی۔ لحد میں آپ کو حضرت عمرؓ، عثمانؓ، طلحہؓ اور عبدالرحمٰنؓ بن ابو بکرؓ نے اتارا۔ اور حضور صلعم سے بے شمار قرابتوں کی بنا پر آپ حضور ﷺ ہی کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ماٰخذ:۔ ا۔استیعاب۔ج۔ا،ص۳۲۹، ۲۔دائرۂ معارف اسلامیہ۔ج۔ا،ص۷۵۰،
۳۔الامامۃ والسیاستہ۔ج۔ا،ص۲، قرآنِ مقدس،

۱۲۶۔صالح

نیز دیکھیے:۔۳۰۔"اصحاب الحجر"
اور ۷۹۔"ثمود"

حضرت صالح قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔ یہ قوم وادی القرٰی کے پہاڑوں میں آباد تھی۔ اور انہیں کاٹ کر گھر بناتی تھی۔ یہ پہاڑ اثالث کے نام سے مشہور تھے۔ (معجم۔ج۔ا)

تورات (پیدائش۔۱۱/۱۰) میں نوح کا نسب نامہ یوں درج ہے:۔

نُوح
|
حام ———— سام ———— یافث
|
ارفکسد
|
سالح
|
عبر
|
فلج
|
رعو
|
سروج
|
نحور
|
آزر
|
ابراہیم

یورپ کے ایک محقق بوچر (Bochart) کا خیال یہ ہے۔ کہ عرب، عبر کے بیٹے فلج کو صالح کہتے ہیں۔ اور ڈ۔ ہربالٹ (D. Herbolot) سالح کو صالح سمجھتا ہے۔ (ڈاس۔ ص ۵۶۳)

ثمود کا زمانہ حضرت ابراہیم (پیدائش۔ ۱۹۹۶ ق م) سے اندازاً تین سو سال پہلے تھا۔ یہ لوگ بت پرست، بدکار اور آخرت کے منکر تھے۔ حضرت صالح علیہ السلام نے انہیں راہِ راست پر لانے کی بہت کوشش کی۔ لیکن وہ نہ مانے:

''اللہ کے رسول (صالحؑ) نے ان سے کہا۔ کہ اللہ کی ناقہ کا خیال رکھو۔ اور اسے اپنی باری پہ پانی پینے دو۔ لیکن وہ نہ مانے۔ اور ناقہ کو مار ڈالا۔ سو اللہ نے ان پر وہ تباہی نازل کی۔ کہ ان کی بستیاں زمین کے برابر کر دیں۔ اور اللہ کو کسی انتقام کا قطعاً کوئی خوف نہیں ہے۔''

(الشمس۔ ۱۳۔ ۱۵)

كَذَّبَتْ ثَمُودُ وَعَادٌۢ بِالْقَارِعَةِ ۝ فَأَمَّا ثَمُودُ فَأُهْلِكُوا بِالطَّاغِيَةِ ۝ وَأَمَّا عَادٌ فَأُهْلِكُوا بِرِيحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۝

(الحاقہ۔ ۴۔ ۶)

(ثمود و عاد نے قیامت کا انکار کر دیا تھا۔ سو ثمود کو ہم نے ایک خوفناک چنگھاڑ سے ہلاک کیا۔ اور عاد کو ایک دھاڑتی اور گرجتی آندھی سے)

مآخذ:۔ ۱۔ قرآنِ حکیم، ۲۔ ڈاس۔ ص ۵۶۲، ۳۔ شاس۔ ص ۴۹۹، ۴۔ کتاب الہدیٰ۔ ج۔ ۲، ص ۳۴۵،

۱۲۷۔ صُحفِ اُولیٰ

سورۂ الاعلیٰ کی آخری آیات یہ ہیں:۔

قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّىٰ ۝ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّىٰ ۝ بَلْ تُؤْثِرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ وَأَبْقَىٰ ۝ إِنَّ هَٰذَا لَفِي الصُّحُفِ الْأُولَىٰ ۝ صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ ۝ (اعلیٰ: ۱۴۔ ۱۹)

(وہ شخص جیت گیا۔ جس نے اپنے آپ کو پاک کر لیا۔ اللہ کو یاد کرتا رہا۔ اور نماز کا پابند بن گیا۔ لیکن تم (ان باتوں کو چھوڑ کر) حیاتِ دنیا کو ترجیح دیتے ہو۔ حالانکہ حیاتِ اخروی اس سے بہتر اور باقی رہنے والی ہے۔ یہ باتیں پہلے صحیفوں میں بھی تھیں۔ یعنی ابراہیم و موسیٰ کے صحائف میں)

ان آیات میں دو صحائف کا ذکر ہوا ہے:۔

۱۔ صحیفۂ ابراہیم۔ اور

۲۔ صحیفۂ موسیٰ کا۔

آخر الذکر کی تو پانچ کتابیں موجود ہیں۔ (دیکھیے: ۷۵۔ توراۃ) لیکن صحیفۂ ابراہیم کا کہیں سراغ نہیں ملتا۔ البتہ قرآن میں ابراہیم علیہ السلام کے کتنے ہی اقوال منقول ہیں۔ مثلاً:۔

☆ انہوں نے مکّہ کی آسودگی و خوشحالی، اپنی اولاد کے لیے اسلام اور آلِ اسماعیل سے ایک رسول پیدا کرنے کی دعا مانگی تھی۔ (بقرہ۔۱۲۶۔۱۲۹)

☆ اپنی اولاد کو اسلام پہ قائم رہنے کی وصیت کی تھی۔ (بقرہ:۱۳۲)

☆ نمرود سے مناظرہ کرتے وقت کہا تھا۔ کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکال کر مغرب کی طرف لے جاتا ہے۔ تو ذرا اس کے الٹ کر دکھا۔ نیز کہا تھا۔ کہ موت و حیات اللہ کے اختیار میں ہے۔

(بقرہ۔۲۵۸)

☆ اپنے والد آزر کو بُت پرستی سے روکا تھا۔ غروب ہونے والی اشیاء کی الوہیت سے انکار کیا تھا۔

(انعام:۷۵۔۸۵)

☆ اپنے اور اپنی اولاد کے لیے پابندیٔ صلوٰۃ۔ اپنے والدین اور اہل ایمان کے لیے مغفرت کی دُعا کی تھی۔

(ابراہیم:۴۱)

☆ اہل بابل کے بُت توڑ کر انہیں خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلایا تھا۔

(انبیاء:۵۱۔۷۰)

☆ اور اللہ سے اشارہ پا کر بیٹے کی گردن پہ چھری رکھ دی تھی۔ • (صافات:۱۰۲۔۱۰۷)

ظاہر ہے۔ کہ یہ تمام باتیں صحیفۂ ابراہیمؑ میں بھی موجود ہوں گی۔ ایک مقام پہ اللہ نے صحیفۂ ابراہیمؑ کی تعلیمات پر ذرا تفصیل سے روشنی ڈالی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:۔

''کیا اُسے علم نہیں۔ کہ ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں میں کیا لکھا ہے؟ وہاں درج ہے۔ کہ کوئی شخص دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ کہ انسان کو صرف اس کی کوشش کا پھل ملے گا۔ اس کی کوشش کا پورا جائزہ لینے کے بعد اسے پوری جزا ملے گی۔ کہ حیات انسانی کی آخری منزل اللہ ہے۔ وہی جو ہنساتا اور رُلاتا۔ مارتا اور زندہ کرتا ہے۔ جس نے نطفہ سے نر و مادہ کے

جوڑے پیدا کیے۔ جو موت کے بعد پھر زندہ کرے گا۔ جو کسی کو دولت اور کسی کو قناعت دیتا ہے۔ جو شعریٰ ستارے کا مالک ہے۔ جس نے عادِ اولیٰ، ثمود اور قوم نوح کو اس لیے تباہ کیا تھا۔ کہ وہ لوگ ظالم و سرکش تھے۔ نیز قوم لوط کی بستیاں الٹادی تھیں۔" النجم: ۳۶۔۵۳)

علامہ شہرستانی فرماتے ہیں:۔

فَبَيَّنَ اِنَّ الَّذِي اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ الصُّحُفِ هُوَ الَّذِي اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ هٰذِهِ السُّوْرَةَ. (الملل: ج۔۱،ص۲۳۰)

(ظاہر ہے کہ ابراہیم و موسیٰ کے صحیفوں میں وہی کچھ ہے۔ جو سورۃ الاعلیٰ (نیز دیگر سورتوں) میں بیان ہوا ہے)

مآخذ:۔ ۱۔قرآنِ حکیم، ۲۔الملل۔ج۔۱،ص۲۳۰

۱۲۸۔الصَّخرہ

سورۂ کہف میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ واقعہ درج ہے۔ کہ ایک مرتبہ وہ اپنے ایک خادم کے ہمراہ کسی سفر پر روانہ ہوئے۔ اور کہنے لگے:۔

...... لَآ اَبْرَحُ حَتّٰى اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَيْنِ اَوْ اَمْضِيَ حُقُبًا ○ فَلَمَّا بَلَغَا مَجْمَعَ بَيْنِهِمَا نَسِيَا حُوْتَهُمَا فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ سَرَبًا ○ فَلَمَّا جَاوَزَا قَالَ لِفَتٰهُ اٰتِنَا غَدَآءَنَا لَقَدْ لَقِيْنَا مِنْ سَفَرِنَا هٰذَا نَصَبًا ○ قَالَ اَرَءَيْتَ اِذْ اَوَيْنَآ اِلَى الصَّخْرَةِ فَاِنِّيْ نَسِيْتُ الْحُوْتَ وَمَآ اَنْسٰنِيْهُ اِلَّا الشَّيْطٰنُ اَنْ اَذْكُرَهٗ وَاتَّخَذَ سَبِيْلَهٗ فِي الْبَحْرِ عَجَبًا ○ (کہف: ۶۰۔۶۳)

(کہ میں دو سمندروں کے مقام اتصال تک پہنچنے کے لیے مسلسل چلتا رہوں گا۔ خواہ اس پر کئی برس لگ جائیں۔ جب یہ اس مقام پہ پہنچے۔ تو اپنی مچھلی بھول گئے۔ اور وہ ایک سرنگ سی بنا کر سمندر میں چلی گئی۔ جب یہ آگے نکل گئے۔ تو حضرت موسیٰ خادم سے کہنے لگے۔ کہ

لاؤ ناشتہ۔ آج ہم بہت تھک گئے ہیں۔ وہ بولا۔ کہ دیکھیے۔ جب ہم فلاں چٹان کے پاس ٹھہرے۔ تو مجھے مچھلی کا خیال نہ رہا۔ شیطان نے اسے میرے ذہن سے نکال دیا۔ اور وہ بڑے عجیب طریقے سے سرک کر سمندر میں چلی گئی)

اس آیت میں تین باتیں حل طلب ہیں:۔

اوّل۔ خادم کون تھا۔

مفسرین نے اس سوال کا ایک ہی جواب دیا ہے۔ کہ اس سے مراد حضرت یُوشعؑ ہیں۔ جو مصر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ہمراہ آئے تھے۔ اور آپ کی وفات کے بعد آپ کے جانشین بنے تھے۔ آپ حضرت یوسف کی پشت سے تھے۔

یُوشعؑ بن نُون بن اُلیسمَع بن عمّی ہُود بن لعدان بن تحَن بن تلاح بن رفح بن بریعہ بن افرائیم بن یُوسف بن یعقوب۔ (ا۔تواریخ:۷/۲۰۔۲۷)

دوم۔ یہ کس زمانے کا واقعہ ہے؟

اگر خادم سے مراد حضرت یُوشعؑ ہیں۔ جو مصر سے آئے تھے اور چالیس برس تک صحرائے تیہہ میں حضرت موسیٰ کے ساتھ رہے تھے۔ تو پھر یہ واقعہ صحرائے تیہہ کے زمانہ قیام میں پیش آیا ہوگا۔ یہاں یہ ذکر نا مناسب نہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سو بیس سال کی عمر میں فوت ہوئے تھے۔ آپ نے ابتدائی چالیس برس مصر میں، اگلے چالیس برس مدین میں اور آخری چالیس برس صحرائے تیہہ میں گزارے۔ (باذ:ص ۴۸۵)

سوم۔ مجمع البحرین سے مراد کیا ہے؟

اس کا ایک جواب تو وہ ہے۔ جو صاحبِ جلالین نے دیا ہے۔

فرماتے ہیں۔ کہ:

مجمع البحرین سے مراد بحرِ روم اور بحرِ ایران کا مقامِ اتصال ہے۔

جغرافیہ کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ کہ بحرِ روم افریقہ و یورپ کے درمیان واقع ہے۔ اور بحرِ ایران، ایران و عرب کے درمیان۔ ان دونوں میں آٹھ سو میل کی خشکی حائل ہے۔ اور یہ آج تک کبھی جمع نہیں ہوئے۔ اور نہ آئندہ کوئی امکان ہے۔

حاشیے پہ صاحبِ کمالین لکھتے ہیں۔ کہ:

ممکن ہے۔ اس سے مراد دریائے جارڈن اور بحیرۂ قلزم کا مقامِ اتصال ہو۔

اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں:۔

اول۔ کہ بحر کا اطلاق دریا پہ نہیں بلکہ سمندر پہ ہوتا ہے اور دریا کے لیے تین الگ لفظ موجود ہیں:۔

ا۔یَم ۲۔وادیٰ اور ۳۔نہر

دوم۔ دوسرا اعتراض یہ کہ:۔

دریائے جارڈن شمال سے آتا ہے اور بُحیرۂ مُردار میں جذب ہو جاتا ہے یہ از ابتداء تا انتہا بحیرۂ قلزم سے تیس تا پچاس میل دور بہتا ہے۔

یاقوت حموی (معجم۔ج۵ "صخرہ") لکھتا ہے۔ کہ جس چٹان کے پاس مچھلی کے سرکنے کا واقعہ پیش آیا تھا۔ وہ شیروان میں تھی۔ شیروان روسی آذر بائیجان کے شمال اور بُحیرۂ خزر کے مغرب میں ایک علاقہ نیز شہر ہے۔ اس کے مشرق میں کچھ دور صرف ایک سمندر (خزر) ہے۔ دوسرا کہیں نظر نہیں آتا۔ علاوہ ازیں یہ مقام مَدیَن یا صحرائے تیہہ سے اندازاً بارہ سو میل دور ہے۔ راستے نہایت دشوار گزار۔ حضرت موسیٰ کو کیا پڑی تھی۔ کہ وہ سوا چھ لاکھ اسرائیلیوں کو تیہہ میں چھوڑ کر خود بارہ سو میل مشرق میں نکل جائیں۔

میری ذاتی رائے یہ ہے کہ یہ واقعہ اس وقت پیش آیا۔ جب آپ مَدیَن میں حضرت شعیب کے پاس مقیم تھے۔ یہاں آپ کا عرصۂ قیام چالیس برس تھا۔ اور مجمع البحرین سے مراد خلیج عقبہ کا وہ حصہ ہے۔ جہاں یہ خلیج بحیرۂ قلزم میں شامل ہوتی ہے۔ یہ مقام مَدیَن سے ۲۰/۳۰ میل جنوب میں تھا۔ مَدیَن خلیج عقبہ کے دونوں کناروں پر واقع تھا۔ اور کوہِ حوراب کا شرقی حصہ بھی مَدیَن میں شامل تھا۔

حضرت موسیٰ کو کسی نے بتایا ہوگا۔ کہ مجمع البحرین کے پاس (کوہِ طور کے جنوب میں) کوئی خدا رسیدہ انسان رہتا ہے۔ چنانچہ یہ کسی خادم کو ساتھ لے کر اس کی زیارت کو چل دیے۔ اور پھر "کشتیٔ مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم" کے واقعات پیش آئے۔

ایک اور امکان یہ ہے۔ کہ:۔

حضرت موسیٰ قیامِ طور کے دوران وہاں گئے ہوں۔ کیوں کہ طور سے یہ مقام بہت قریب تھا۔

یہ بھی احتمال ہے۔ کہ:۔

صحرائے تیہہ سے گئے ہوں۔

اس پر دو اعتراض وارد ہوتے ہیں:۔

اول۔ کہ کوہِ طور کی مقدس الواح اور صحرائے تیہہ کی مفصل شریعت کے بعد موسیٰ علیہ السلام کی کسی عابد و عارف سے مزید ہدایات لینے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

دوم۔ تیمہ سے یہ مقام اڑھائی سو میل دور تھا۔ اور راستہ ریگستانوں اور پہاڑوں سے گزرتا تھا۔ تیمہ میں خیمہ اندازی کے وقت حضرت موسیٰ کی عمر ۸۱ برس کی تھی۔ ۸۱ برس کے ایک پیرِ ناتواں میں یہ ہمت کہاں۔ کہ وہ پانچ سو میل کا سفر کرے۔ اور سوا چھ لاکھ اسرائیلیوں کو ۸۰/۹۰ دن کے لیے تنہا چھوڑ جائے۔

آپ قلۂ طور پر صرف چالیس دن کے لیے گئے تھے۔ اور بعد میں یہ لوگ بچھڑے کی پوجا کرنے لگے تھے۔ اگر انہیں ۸۰/۹۰ دن مل جاتے تو نہ جانے کیا کر گزرتے۔

مآخذ:۔ ۱۔ معجم۔ ج ۵ "صحرۃ"، ۲۔ باڈ۔ ص ۴۸۵، ۳۔ جلالین۔ ص ۲۴۶، ۴۔ بائبل، ۵۔ قرآنِ حکیم

۱۲۹۔ صَفا و مَروہ

طواف کعبہ کے بعد ایک حاجی بابُ الصفا سے نکل کر صفا و مروہ کے درمیان سات دوڑیں لگاتا یا تیز چلتا ہے۔ اور اس طرح ہاجرہ و اسماعیل کے ایک تاریخی واقعہ کو عملاً دہراتا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ جب حضرت ابراہیمؑ ہاجرہ و اسماعیل کو فاران کے ویرانے میں چھوڑ کر واپس چلے گئے۔ تو اسماعیل کو اتنی پیاس لگی۔ کہ وہ ایڑیاں رگڑنے لگے۔ ہاجرہ مضطرب ہو کر پانی کی تلاش میں نکلی۔ قریب کی دو پہاڑیوں پر سات سات مرتبہ چڑھی۔ کہ شاید کہیں کوئی چشمہ یا مسافر نظر آ جائے۔ لیکن ناکام رہی۔ مایوسی کے اس عالم میں اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور اسماعیل کی ایڑیوں کے نیچے سے پانی ابل پڑا۔ یہ چشمہ آج بھی موجود ہے اور چاہِ زم زم کہلاتا ہے۔ یہ دونوں پہاڑیاں کعبہ سے کوئی ایک فرلانگ مشرق کی طرف ہیں۔

☆ شمالی مَروہ ہے۔ اور

☆ جنوبی صَفا۔

مآخذ:۔ ۱۔ شاس۔ ص ۴۸۷، ۲۔ قرآنِ حکیم

۱۳۰۔ صَلوٰتٌ

قرآن میں ہے:۔

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا ؕ

(حج:۴۰)

(اگر اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے نہ روکتا، تو تمام خانقاہیں، گرجے، یہود کی عبادت گاہیں اور مسجدیں، جہاں اللہ کا بہت ذکر ہوتا ہے۔ تباہ ہو جاتیں)

صَوامع: وہ خانقاہیں (یا حُجرے) جن میں ایک راہب تنہا یا کسی ایک آدھ ساتھی کے ساتھ عبادت کرتا ہے۔

واحد: صَومَعَۃ

بِیَعٌ: گرجے   واحد: بِیعَۃ

صَلَوٰتٌ: یہود کی عبادت گاہیں۔   واحد: صَلوٰۃ

مآخذ:۔ ا۔ جلالین۔ ص ۲۸۱،   ۲۔ مُنتہی الارب،   ۳۔ مُنجد

۱۳۱۔ صوامع

صومعہ کی جمع۔ مراد: وہ خانقاہیں یا حجرے جن میں عیسائی راہب تنہا یا ایک آدھ ساتھی کے ساتھ عبادت کیا کرتا تھا۔ (منتہی۔ ج۔ ا، ''صومعہ'')

ض

۱۳۲۔ ضَیفِ ابراہیم

لفظ ضیف کے معنی ہیں:۔ مہمان۔ یہ مفرد ہے۔ لیکن جمع و مفرد دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں مہمانانِ ابراہیم کی کہانی دو جگہ بیان ہوئی ہے۔ سورۂ حجر اور پھر الذاریات میں۔ جس کا خلاصہ یہ۔ کہ:۔

ایک مرتبہ تین فرشتے نوعمر لڑکوں کی ہیئت میں حضرت ابراہیمؑ کے ہاں فروکش ہوئے۔ جب آپ نے ان کے سامنے بچھڑے کا بُھنا ہوا گوشت رکھا۔ اور انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ تو آپ کو ان سے خوف آنے لگا۔ وہ بھانپ گئے۔ اور کہنے لگے۔ کہ ہم فرشتے ہیں۔ اور دو باتیں بتانے آئے ہیں:۔

اول۔ کہ آپ کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوگا۔

دوم۔ کہ جلد لوط کو بستیاں زیروزبر ہو جائیں گی۔

بچے کی بشارت سن کر حضرت سارہ کو سخت حیرت ہوئی اور کہنے لگیں کہ میں بانجھ ہوں اور میرا شوہر سو برس کا ضعیف۔ یہ کیسے ممکن ہے؟

فرمایا۔ اللہ ہر بات پہ قادر ہے۔

باقی تفاصیل ۴۔''ابراہیم''

اور ۲۳۔''اسحاق'' کے تحت دیکھیے۔

ط

۱۳۳۔طاغوت

یہ لفظ قرآن میں سات مرتبہ استعمال ہوا ہے۔اس کا مادہ ''طغی'' ہے۔جس کا مفہوم ہے:۔بغاوت۔سرکشی اور نافرمانی۔

طاغوت کے معنی ہیں:۔سرکش۔اللہ کا باغی۔گمراہ۔بُت اور شیطان۔

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ط (بقرہ:۲۵۷)

(کافروں کی دوستی شیطانوں سے ہے۔یہ انہیں روشنی سے نکال کر اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں)

شیطانوں کے متعلق دیگر تفاصیل ۵۔''ابلیس'' کے تحت دیکھیے۔

۱۳۴۔طالُوت

(نیز دیکھیے ۸۰۔''جالوت'')

اسرائیل کا پہلا بادشاہ،جس کا انتخاب حضرت سیموئیل کی وساطت سے خود اللہ نے کیا تھا۔(بقرہ:۲۴۵) دراز قد۔قوی۔صحت مند۔بہادر۔صاحب علم اور خوش صورت طالوت بیتِ لحم کے قریب ایک وادی ریفام کا رہنے والا تھا۔اس کے والد کا نام قیس بن اَبئیل بن ضرَور بن بکورت بن اَفیح تھا۔وہ اپنے قبیلے بن یمین کا ایک فارغ البال اور متموّل رئیس تھا۔اس کے پاس گدھوں کی بھی خاصی تعداد تھی۔ایک دن کچھ گدھے پہاڑوں میں بھٹک گئے۔قیس نے طالوت کو ایک نوکر کے ساتھ ان کی تلاش کے لیے بھیجا۔یہ چلتے چلتے سیموئیل کے گاؤں میں جا نکلے۔نبی نے انہیں خوش آمدید کہا۔بڑی خاطر مدارات کی۔رات کو اپنے گھر میں ٹھہرایا۔اور صبح کو اس کے سر پر مقدس تیل ڈال کر کہا۔کہ تم بہت جلد بادشاہ بن جاؤ گے۔چند روز بعد،جب قبائل اسرائیل نے ایک بادشاہ کا مطالبہ کیا۔تو سیموئیل نبی نے روسائے قبائل کی ایک میٹنگ بلائی۔اور قرعہ ڈالا۔طالوت کا نام نکلا۔جس پر لوگوں نے ''شاہ زندہ باد'' کا پہلی

دفعہ نعرہ لگایا اور یہ نعرہ آج تک چل رہا ہے۔ (ا۔سیموئیل ۲۴/۱۰)۔اس نے بادشاہ بننے کے بعد سب سے پہلے اس فلسطینی ریاست کی خبر لی۔جو بحرِ رُوم کے شرقی ساحل پہ قائم تھی۔اور جس کے بادشاہ بار بار کنعان پہ حملے کرتے تھے۔ اس کے بعد دیگر ریاستوں مثلاً:۔ایڈوم، موآب، عمان اور عمالقہ پہ حملہ کیا۔کچھ عرصے کے بعد طالوت نے سیموئیل کو ناراض کرلیا۔اور وہ طالوت سے الگ ہو گئے۔ان کا جانا تھا۔کہ طالوت پر مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔سب سے پہلے وہ ایک رُوحِ بد کے پنجے میں پھنس گیا۔جو نہ صرف اسے بار بار پاگل بنا دیتی۔بلکہ اس کا گلا تک داب لیتی۔ اس مصیبت سے نجات پانے کے لیے کسی طبیب نے علاج موسیقی تجویز کیا۔

اس زمانے میں حضرت داؤد علیہ السلام نے انہیں بلایا۔اور ان کی موسیقی سے اسے شفا ہوگئی۔لیکن معاً بعد فلسطینی پھر ریاست اسرائیل پر چڑھ آئے۔اور مظالم ڈھانے لگے۔اس جنگ میں طالوت کے تین بیٹے مارے گئے۔خود زخمی ہوا۔اور خود کشی کرلی۔

ایک اور روایت یہ ہے۔کہ:

> اس نے ایک عملیقی سپاہی کو گریہ و زاری سے مجبور کیا۔کہ وہ اسے قتل کر ڈالے۔چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

یہ واقعہ ۱۰۵۵ ق م میں پیش آیا تھا۔اس کے بعد لوگوں نے حضرت داؤد کو بادشاہ بنالیا اور آپ نے ۱۰۱۵ ق م تک حکومت کی۔

مآخذ:۔ ۱۔بائبل، ۲۔قرآنِ حکیم، ۳۔ڈاب۔ص ۶۱۳

۱۳۵۔طُویٰ

کوہِ حوراب، جس کی ایک چوٹی کا نام طور ہے۔خلیجِ عقبہ و قلزوم کے درمیان شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے۔اس کا مشرقی دامن مدین کا ایک حصہ تھا۔انہی دامنوں اور ان کی وادیوں میں حضرت موسیٰ اپنے خسر حضرت شعیبؑ کے ریوڑ چرایا کرتے تھے۔

> ''موسیٰ اپنے خسر یتھرو (شعیب) کی، جو مدین کا کاہن تھا۔بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ ایک دن وہ بھیڑ بکریوں کو ہانکتا ہوا بیابان کی پرلی طرف سے خدا کے پہاڑ حوراب کے نزدیک لے گیا۔وہاں خداوند کا ایک فرشتہ ایک جھاڑی سے آگ کی صورت میں اس پر ظاہر ہوا۔وہ کیا دیکھتا ہے۔کہ ایک جھاڑی میں آگ لگی ہوئی ہے۔اور وہ جھاڑی بھسم نہیں ہوتی ......تب خدا نے اسے جھاڑی میں سے پکارا اور کہا کہ:

اے مُوسیٰ...... پاؤں سے جوتا اتار کہ جس جگہ تو کھڑا ہے۔ وہ مقدس زمین ہے۔"

(خروج:۳/۱۔۶)

یہ آگ والی جھاڑی وادیٔ طویٰ میں تھی۔

قرآن اس واقعہ کو یوں بیان کرتا ہے:۔

"کیا تمہیں موسیٰ کی وہ کہانی معلوم ہے؟ جب اس نے آگ دیکھ کر اپنی بی بی سے کہا تھا۔ کہ تم ذرا یہیں ٹھہرو۔ مجھے آگ نظر آ رہی ہے۔ شاید میں تمہارے لیے کوئی دہکتا ہوا کوئلہ لے آؤں۔ یا وہاں مجھے کوئی راستہ بتانے والا مل جائے۔ جب وہ آگ کے قریب گیا۔ تو آواز آئی:

اے موسیٰ! میں تمہارا رب ہوں۔ جوتے اتارو۔ کہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو۔"

(طٰہٰ:۱۰۔۱۲)

ایک اور مقام پر ہے:۔

"جب موسیٰ آگ کے قریب گیا۔ تو اسے اس مقدس خطے میں ایک درخت سے جو وادی کے دائیں کنارے پہ تھا، آواز آئی۔ کہ:

اے موسیٰ! میں اللہ ہوں۔ سارے جہانوں کا ربّ!" (قصص:۳۰)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ:

حضرت موسیٰ اپنی اہلیہ کے ساتھ کہیں جا رہے تھے کہ شام کے وقت یہ واقعہ پیش آیا۔

اور بائبل کہتی ہے۔ کہ:

اس وقت آپ ریوڑ چرا رہے تھے۔

چونکہ بائبل کی تمام تاریخی و سوانحی تحریریں انسانی قلم کا نتیجہ ہیں اور قرآن سرتاپا الہام ہے۔ اس لیے قرآن حکیم ہی کا بیان قابل تسلیم ہے۔

ماخذ:۔ ۱۔ بائبل (خروج۔۳/۱۔۶)، ۲۔ قرآن حکیم

۱۳۶۔ طُور

(دیکھیے: ۱۱۷۔ سینا)

ظ

۱۳۷۔ الظُّلَّہ

قرآن میں ہے۔ کہ:

جب قوم شعیب نے حضرت شعیبؑ کو جھٹلایا۔ تو:

فَاَخَذَهُمْ عَذَابُ يَوْمِ الظُّلَّةِ ط اِنَّهٗ كَانَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ (شعراء:۱۸۹)

(انہیں سائبان والے دن کے عذاب نے آلیا۔ اور وہ ایک بڑے دن کا عذاب تھا)

ہوا یوں۔ کہ:

ہوا بند ہو گئی۔ اور گرمی کی شدت میں اس قدر اضافہ ہوا۔ کہ لوگوں کو کہیں چین نہ ملتا۔ نہ سطح زمین پر۔ نہ تہ خانوں میں۔ سات دن کے بعد سیاہ بادل کا ایک ٹکڑا ان کی بستیوں کی طرف بڑھا۔ لوگ ٹھنڈک کی خاطر اس کے سایہ میں جمع ہو گئے۔ پہلے وہ گرجا، پھر اس سے آگ برسنے لگی اور سب تباہ ہو گئے۔ (جلالین: ص ۳۱۳)

عربوں میں یہ دن یوم الظُّلّہ کے نام سے مشہور رہا ہے۔

ع

۱۳۸۔ عاد

عرب کی ایک قدیم قوم، جسے مؤرخین نے دو حصوں میں تقسیم کر رکھا ہے:۔

☆ عادِ اُولیٰ:

جس کا زمانہ اندازاً ۲۵۰۰ ق م سے ۱۵۰۰ ق م تک تھا۔ اور

☆ عادِ ثانیہ (ثمود):

جس کا عہد ۱۵۰۰ (یا ۱۲۰۰ ق م) سے اندازاً ۷۰۰ ق م تک تھا۔

تفصیل کے لیے دیکھیے:۔

۲۱۔ ''اِرَم ذاتِ العماد'' اور ۷۹۔ ''ثمود''

۱۳۹۔ عبداً من عبادنا

ہم عنوان ۱۲۸۔ ''الصخرۃ'' کے تحت لکھ چکے ہیں۔ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک سفر پہ روانہ ہوئے۔ تو راہ میں ایک چٹان کے پاس خادم موسیٰ کی مچھلی سمندر میں سرک گئی۔ جب خادم نے یہ واقعہ حضرت موسیٰ کو بتایا۔ تو آپ نے فرمایا:۔

قَالَ ذٰلِكَ مَا كُنَّا نَبْغِ ۖ فَارْتَدَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمَا قَصَصًا ۙ فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ۝ (کہف: ۶۴۔۶۵)

(یہی تو ہماری منزل مقصود تھی۔ چنانچہ وہ اپنے نشانات پا پہ واپس چل پڑے۔ وہاں پہنچے تو ہمارا ایک ایسا بندہ دیکھا۔ جسے ہم نے اپنی رحمت اور خاص علم سے نواز رکھا تھا)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سے کچھ سیکھنے کی استدعا کی۔ تو اس نے کہا۔ کہ تم میرے علم کا حوصلہ و ظرف نہیں رکھتے۔

جب موسیٰ علیہ السلام نے اصرار کیا تو وہ موسیٰ کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ اور اس کے بعد ''کشتی مسکین و جانِ پاک و دیوار یتیم'' کے تین واقعات پیش آئے۔

صاحب جلالین صحیح بخاری کے حوالے سے لکھتے ہیں۔ کہ یہ خضرؑ تھے۔ (جلالین۔ ص ۲۴۷)

۱۴۰۔ عجوز (زوجۂ لوط)

قرآن حکیم میں یہ لفظ چار مرتبہ آیا ہے۔ دو دفعہ حضرت سارہ (زوجۂ ابراہیمؑ) کے لیے اور دو دفعہ حضرت لوط کی بیوی کے لیے۔

وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ۝ اِلَّا عَجُوْزًا فِى الْغٰبِرِيْنَ ۝ (صافات: ۱۳۳۔۱۳۵)

(بے شک لوط ہمارا رسول تھا۔ ہم نے اسے اور اس کے اہل و عیال کو عذاب سے بچا لیا۔ لیکن ایک بڑھیا (ان کی زوجہ) اپنی ہٹ دھرمی کی وجہ سے پیچھے رہ گئی اور تباہ ہوگئی)

''تب خداوند نے سدوم اور عمورہ پر گندھک اور آگ برسائی اور اس نے ان شہروں، ان کے باشندوں اور اس سب کچھ کو جو زمین سے اگا تھا تباہ کر دیا اور اس کی بیوی ...... نمک کا

ایک ستون بن گئی۔"   (پیدائش۔۱۹/۲۴۔۲۶)

طبری لکھتا ہے (بحوالۂ شاس۔ص ۲۹۰) کہ:۔

اس کا نام واعلہ حلسا کا تھا۔

ماخذ:۔ ۱۔بائبل،   ۲۔قرآن شریف،   ۳۔شاس۔ص ۲۹۰

۱۴۱۔عربی (لِسان)

وَّهٰذَا لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ ۝   (نحل:۱۰۳)

(اور یہ (قرآن کی زبان) روشن عربی زبان ہے)

عربی زبان کی ابتداء کب اور کیسے ہوئی؟

مختلف علماء نے اس سوال کے مختلف جواب دیے ہیں۔ہشام الکلبی[۱] کی رائے یہ ہے۔کہ عربی خط کے موجد چھ افراد تھے۔یعنی:۔

۱۔ابوجاد	۲۔ھواز	۳۔حطی
۴۔کلمون	۵۔صعفص	۶۔قریسات

یہ عرب تھے۔جو مدین میں آباد ہو گئے تھے۔اور یوم الظُلّۃ (شمار۔۱۳۷) کی زد میں آ گئے تھے۔

ابن عباسؓ (۶۸ھ) کی رائے یہ ہے۔کہ سب سے پہلے عربی لکھنے والے قبیلۂ بولان (انبار۔عراق) کے تین آدمی تھے۔یعنی:۔

۱۔ مرامر بن مُرّہ   ۲۔ عامر بن جدرہ   اور

۳۔ اسلم بن سدرہ

عام عربوں کا عقیدہ یہ ہے۔کہ حضرت اسماعیلؑ (تقریباً ۲۰۰۰ق م) کی زبان عربی تھی۔نیز قدیم عرب قبائل مثلاً طسم۔جدیس اور عاد اُولیٰ (۲۵۰۰۔۱۵۰۰ق م) بھی عربی بولتے تھے۔ (ابن ندیم۔الفہرست۔ص ۱۲)

صاحب فقہ اللسان اپنی کتاب کے مقدمہ (ص ۳) میں بدلائل ثابت کرتے ہیں۔کہ عربی یا تو سامی زبانوں یعنی عبرانی۔آرامی۔فنیقی۔اشوری وغیرہ کی ماں تھی اور یا کسی مجہول الاسم ماں کی پہلی بیٹی۔

پروفیسر نکلسن کی "تاریخ ادب عربی" نیز انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں "سامی زبانیں" اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں عنوان "عَربیۃ" کے تحت عربی زبان پر طویل اور مفصل مقالات ملتے ہیں۔جن کی بعض تفاصیل ایک دوسرے سے ٹکراتی ہیں۔لیکن بعض میں وہ متفق ہیں۔

۱؎ المُنذر ہشام بن محمد بن سائب الکلبی (۲۰۶ھ) انساب واخبار کا عالم،بلند پایہ مؤرخ اور پونے دوسو کتابوں کا مصنف تھا۔

آخر الذکر کا ملخّص یہ کہ عربی، سامی زبانوں میں سے ایک ہے۔ ان زبانوں میں قدیم ترین عبرانی تھی۔ جو ۱۶۰۰ق م سے ولادتِ مسیح تک عرب کے بعض حصوں میں رائج رہی۔ پھر جنوبی عربی جس کے متعلق کتبات بتاتے ہیں۔ کہ یہ مسیح سے آٹھ سو سال پہلے بھی استعمال ہو رہی تھی۔ یہی کیفیت فنیقی و آرامی زبانوں کی تھی۔

تفہیم کی خاطر ہم عربی کو تین اقسام میں تقسیم کرتے ہیں:۔

۱۔ قدیم عربی

۲۔ کلاسیکی عربی اور

۳۔ موجودہ عربی

قدیم عربی

اس سے مراد وہ عربی ہے۔ جو حضرت اسماعیلؑ کے سُسرال بنو جُرہم نیز طسم۔ جدیس اور عادِ اُولیٰ بولتے تھے۔

کہتے ہیں کہ حضرت ایوب علیہ السلام، جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ پہلے گزرے تھے، کی عبرانی کتاب (بائبل میں شامل) میں عربی کے الفاظ کثرت سے تھے۔

دمشق اور حلب کے نواح سے یورپ کے ایک مستشرق T. H. Rosmarin کو عربی کے کچھ ایسے کتبات ملے ہیں۔ جن کا تعلق ۸۵۳۔۶۲۶ق م سے تھا۔ اور جن پر اشوری اثرات غالب تھے۔

اس کے بعد حجاز وغیرہ سے چند کتبات ملے ہیں۔ جن میں سے آخری کا تعلق ۱۲۰ق م سے تھا۔

ساحلِ بحرین سے بھی بنولحیان کے چند کتبات دستیاب ہوئے۔ جن پر نبطی و آرامی زبانوں کے اثرات زیادہ تھے۔

کلاسیکی عربی

مختلف بولیوں اور قبیلوں کے اختلاط سے عربی کی ہیئت بدلتی گئی۔ چوتھی صدی میلادی میں اس کی شکل و صورت بڑی حد تک مُعیّن ہوگئی۔ اور اس میں اتنی وسعت پیدا ہوئی کہ یمن سے جارڈن اور عراق تک ایک ہی زبان بولی جانے لگی۔ جسے ہم کلاسیکی عربی کہتے ہیں۔ اس کی تعمیر میں دربارِ حِیرہ کے بعض عیسائیوں نے بھی حصہ لیا تھا۔ ان میں سے زید بن حماد (۵۰۰ء) اور اس کا شاعر بیٹا عدی خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

☆ امرءُ القیس ☆ طرَفہ

☆ زُہَیر ☆ عمرو بن قمیہ

☆ قیس بن الخطیم ☆ عمرو بن کلثوم

☆ عنترہ ☆ لبید

☆ نابغہ ☆ اعشیٰ

اور دیگر ہزاروں شعرائے جاہلیت نے کلاسیکی عربی ہی میں شاعری کی تھی۔ قرآن وحدیث کی زبان بھی یہی تھی۔ اس زبان کے کچھ کتبے جنوبی عرب میں بھی چند مستشرقین کو ملے ہیں۔ ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں:۔

ا۔ کارسٹن پہلا آدمی ہے۔ جس نے یمن کے ایک شہر ظفار کے کچھ کتبوں کو پڑھنے کی کوشش کی۔

ب۔ اس کے بعد یُورچ جاسپر Urich Josper کو ۱۸۱۰ء میں ظفار ہی سے کچھ کتبے ملے۔ جنہیں وہ صحیح طریقے سے نہ پڑھ سکا۔

ج۔ ایک دفعہ انگلستان کی ایک ٹیم عرب کے جنوبی وغربی ساحل کے سروے کے لیے یمن میں پہنچی۔ تو ایک صاحب قلم جے۔ آر۔ وَیل سَٹڈ بھی اس کے ساتھ تھا۔ یہ وہاں سے کچھ کتبے لے آیا۔ اور اپنی کتاب Travels In Arabia میں انہیں شامل کر دیا۔

د۔ ۱۸۴۱ء اور ۱۸۴۳ء میں ان کتبوں کا وسیع پیمانے پر مطالعہ شروع ہوا۔ اور مسٹر ارناڈ نے ۱۸۴۳ء میں مآرب کے ۵۰/۶۰ کتبے پڑھ ڈالے۔

ہ۔ ۱۸۷۰ء میں ایک باہمت انگریز ہیلری (Halery) یمن سے سات سو کتبوں کی نقول وتصاویر ساتھ لے گیا۔

و۔ اس کے بعد دو اور انگریز:۔ ای۔ جی۔ گلیزر اور یُولیس نے بھی کئی کتبے حاصل کیے۔

ان کتبوں سے کلاسیکی عربی کے عہد بعہد ارتقا پر کافی روشنی پڑتی ہے۔

(انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ ج۔ ا، ص ۵۶۱)

جدید عربی

گو پچھلی صدی (بیسویں) کے اوائل تک عرب، عراق، شام، جارڈن اور شمالی افریقہ میں کلاسیکی عربی کا تسلّط رہا۔ لیکن پچھلے ستر برس سے ساحلی شہروں، بستیوں اور ریاستوں میں اس کی ہیئت کسی حد تک بدل رہی ہے۔ بااین ہمہ بڑے بڑے شہروں مثلاً مکہ، مدینہ، ریاض، بغداد، دمشق اور قاہرہ کی علمی زبان بدستور کلاسیکی ہے۔

مآخذ:۔ ۱۔ الفہرست۔ ص ۱۲، ۲۔ مقدمۂ فقہ اللسان۔ ص ۳،

۳۔ انسائیکلوپیڈیا۔ اسلام۔ ج۔ ا، ص ۵۶۱، ۴۔ انسائیکلوپیڈیا۔ برٹانیکا۔ ''سامی زبانیں،

۵۔ نکلسن ۔ تاریخ ادب عربی،　　　۶۔ ڈاس ۔ ص ۲۰

۱۴۲۔ عَرَبی (عرب کا اسم نسبت)

وَلَوْ جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا اَعْجَمِيًّا لَّقَالُوْا لَوْلَا فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ ؕ ءَ اَعْجَمِيٌّ وَّ عَرَبِيٌّ ؕ (حم سجدہ:۴۴)

(اگر ہم یہ قرآن عربی کے سوا کسی اور زبان میں نازل کرتے۔ تو یہ لوگ اعتراض اٹھاتے۔ کہ اس کی آیات ہماری سمجھ سے باہر ہیں۔ رسول عربی ہو اور قرآن عجمی۔ یہ بات پھبتی نہیں)

عرب ایک وسیع و عریض ملک ہے۔ جو کئی ریاستوں پہ مشتمل ہے۔ حضور صلعم کے زمانے میں عراق، شام، جارڈن اور فلسطین کی زبان عربی نہیں تھی۔ اس لیے وہ عرب کے حصے نہیں سمجھے جاتے تھے۔ لیکن اب حالات بدل گئے ہیں۔ عربی زبان عراق سے مراکش تک چھا گئی ہے۔ اور آج کل مصر، لیبیا، تیونس، الجزائر اور مراکش بھی عرب ممالک تصور ہوتے ہیں۔ طول بیان سے بچنے کے لیے میں اپنی تصریحات جزیرہ نمائے عرب تک محدود رکھوں گا۔

عرب کے تمام حصوں کا رقبہ اور آبادی حسب ذیل ہے:۔

شمار	نام	رقبہ۔ مربع میل میں	آبادی ۱۹۶۴ء میں	ریمارک
۱	سعودی عرب	۹۶۰۴۰۰	۶۶,۲۰,۰۰۰	جغرافیہ نگاروں میں
۲	عمان و مسقط	۸۵۰۰۰	۷,۵۰,۰۰۰	عرب کے رقبہ کے متعلق
۳	کویت	۶۲۱۶	۴,۶۸,۰۰۰	کافی اختلاف پایا جاتا ہے میں
۴	یمن	۷۸۰۰۰	۵۰,۰۰۰۰۰	نے مختلف مآخذ سے وہ اعداد
۵	عدن اور دیگر ریاستیں	۱۰۸۰۰۰	۱۲,۵۰,۰۰۰	لیے ہیں۔ جن پر کم از کم دو مآخذ کا جزوی یا کلی اتفاق
۶	بحرین	۲۳۰	۱,۸۲,۲۰۰	تھا۔
۷	قطر۔ وغیرہ	۴۳۵۴	۵۵,۰۰۰	
۸	دبئی وغیرہ	۳۳۴۵۵	۱,۱۱,۰۰۰	
	میزان	۱۱,۹۹,۱۶۵	۱,۴۴,۳۶,۲۰۰	

عرؔبستان کی تاریخ ایک ہزار سال قبل مسیح سے آگے نہیں جاتی۔اگر جاتی بھی ہے۔تو قیاس وتخمین کے دائرے سے باہر نہیں نکلتی۔گو مؤرخین نے عاد۔ثمود۔اہل مدین اور عمالقہ کے کچھ حالات قلم بند کیے ہیں۔لیکن اُن کی بنا تخمین و ظن پر ہے۔ان لوگوں نے جو کچھ کہا ہے۔اس کا خلاصہ یہ۔کہ شمالی عرب کے قدیم باشندے ادُومی، موآبی، اہل مدین، آلِ اسماعیل اور عمالقہ تھے۔جب ۱۵۰۰ ق م میں حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہمراہ سینا سے آگے نکلے۔تو انہیں مشرق میں ایک ہموار ریگستان نظر آیا۔جسے انہوں نے زمین مشرق (پیدائش۔۶/۲۵) کے نام سے یاد کیا۔لیکن ۲۔تواریخ ۹/۱۴،، یسعیاہ ۲۱/۱۳ اور جرمیاہ ۲۵/۲۴ میں اسے عرب (ریگستان) کہا گیا ہے۔آغاز میں صرف شمالی صحرا کا نام عرب تھا۔بعد میں یہ سارے ملک کا نام بن گیا۔

مغربی عرب (جس میں سینا بھی شامل ہے) میں حضرت یعقوب کے ایک بھائی عیسو کی اولاد (عمالقہ وغیرہ) آباد تھی۔

جنوبی عرب (یمن، سبا، حضر موت وغیرہ) میں آلِ قحطان رہتی تھی۔جنہوں نے یمن میں ایک چھوٹی سی حکومت قائم کر لی۔اس سلطنت کا بانی یعرب بن قحطان تھا۔یہ سبا کے نام سے مشہور تھی۔سبا کے ایک فرزند حمیر کی اولاد کی سلطنت کافی بعد میں قائم ہوئی۔(تفصیل کے لیے دیکھیے ۱۱۲۔''سبا'') اسے ابرہہ نے ختم کیا تھا۔

آلِ قحطان کی ایک اور سلطنت یعرب کے ایک بھائی جُرہم کی اولاد نے حجاز میں قائم کی تھی۔جس کا پایۂ تخت مکہ تھا۔

حضور صلعم کے زمانے میں عرب کے اہم حصے یہ تھے:۔

- ☆ شمال میں حجاز، مدین، وادی القریٰ، تبوک اور نفود۔
- ☆ وسط میں نجد و یمامہ۔
- ☆ مغربی ساحل پر حجاز و تہامہ۔
- ☆ مشرقی ساحل پر کویت،، بحرین اور دیگر ریاستیں۔
- ☆ جنوب میں یمن، حضر موت، عمان اور مسقط۔

مزید تفاصیل کے لیے ارض القرآن کی جلد اول دیکھیے۔

مآخذ:۔ ۔انسائیکلوپیڈیا آف اسلام۔ج۔ا،ص ۵۳۳، ۲۔ڈاب۔ص ۴۶،
۳۔ارض۔ج۔ا،ص ۵۷، ۴۔بائبل، ۵۔ڈاس۔ص ۱۷،

۱۴۳۔ عرفات

مکّہ کے مشرق میں ۱۳ میل دور ایک دو سو فٹ اونچی پہاڑی، جسے جبل الرحمت بھی کہتے ہیں۔ اس کے جنوب میں سات میل لمبا اور چار میل چوڑا ایک کھلا میدان ہے۔ جس میں نویں ذی الحجہ کو تمام حاجی جمع ہوتے اور غروب آفتاب تک ذکر و تلاوت میں مصروف رہتے ہیں۔ اس پہاڑی پر چڑھنے کے لیے پتھروں کا ایک زینہ ہے۔ جو اتا بک زنگی کے وزیر جمال الدین نے بنوایا تھا۔ اس کے ساٹھویں زینے پر ایک چبوترہ اور منبر ہے۔ جس پر کھڑے ہوکر امام خطبۂ حج دیتا ہے۔

عرفات کا مادہ عرف ہے۔

عَرِفَ يَعْرِفُ عِرْفَةً وَعِرْفَاناً و مَعْرِفَةً معنی ہیں:۔

جاننا۔ پہچاننا۔

اس کے متعلق دو روایات ہیں:۔

اول۔ کہ یہاں جبریلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کو حج کے طریقے سے روشناس کرایا تھا۔

دوم۔ جب اللہ نے آدم و حوّا کو جنّت سے نکالا۔ تو آدم کو سراندیپ (لنکا)، حوّا کو عرفات۔ شیطان کو سیستان۔ مور کو کابل اور سانپ کو اصفہان میں پھینک دیا تھا۔ حضرت آدم حوّا کی تلاش میں نکل پڑے۔ دو سو برس کے بعد مکّہ کے قریب ایک پہاڑی پہ پہنچے۔ وہاں ایک عورت کو دیکھا۔ جبریلؑ نے آواز دی۔ کہ یہ حوّا ہے چنانچہ یہ ایک دوسرے کو پہچان گئے۔

اسی واقعہ کی وجہ سے یہ پہاڑی جبل عرفہ (شناخت کی پہاڑی) کہلانے لگی۔ اور آج کل یہ عرفات کے نام سے مشہور ہے۔

مآخذ:۔ ۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام۔ ج۔ ۱، ص ۶۰۴، ۲۔ ڈاس۔ ص ۲۱، ۳۔ شاس۔ ص ۴۴،

۱۴۴۔ عرم

مآرب کی ایک وادی۔

تفصیل:۔ ۱۱۶۔ "سیلِ عَرِم" کے تحت دیکھیے۔

لبنان
شام
متحدہ عرب امارات
بیت المقدس
عمان
شرق اردن
عقبہ
عراق
کویت
مدینہ منورہ
ریاض
بحرین
جدہ
مکہ معظمہ
قطر
یمن
مسقط
عمان
عدن

۱۴۵۔عُزّیٰ

اَفَرَءَیْتُمُ اللّٰتَ و العُزّٰی لا وَمَنٰوۃَ الثَّالِثَۃَ الاُخْرٰی o اَلَکُمُ

الذَّکَرُ وَلَہُ الاُنْثٰی o تِلْکَ اِذًا قِسْمَۃٌ ضِیْزٰی۔ (نجم:۱۹۔۲۲)

(کیاتم نے لات۔عُزّیٰ اور تیسرے بت منات کو دیکھا ہے؟ (عرب انہیں خدا کی بیٹیاں سمجھتے تھے) تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو۔اور خدا کی طرف بیٹیاں منسوب کرتے ہو۔ یہ کس قدر بھونڈی تقسیم ہے)

آغاز میں عُزّیٰ بنوغطفان کا بت تھا۔جو طائف و مکّہ کی راہ پر ایک وادی نخلۂ شامیہ میں نصب تھا۔بعد میں اس کی پرستش قریش۔خزاعہ۔کنانہ۔ثقیف اور بنوغنم میں بھی ہونے لگی۔اس کے قریب غبغب نامی ایک غار تھا۔ جس میں قربانی کے جانوروں کا لہو گرایا جاتا تھا۔

عربوں نے لات۔منات اور عزّیٰ کی ایک تثلیث قائم کر رکھی تھی۔جن میں عزّیٰ عمر میں چھوٹا اور احترام میں سب سے بڑا تھا۔

عربوں کا ایک شاعر زید بن عمر وعزّیٰ کو ماں اور باقی دو کو اس کی بیٹیاں قرار دیتا ہے۔اس کی پرستش حیرہ میں بھی ہوتی تھی۔حیرہ کا ایک بادشاہ منذر۔چہارم اس کی قسمیں کھایا کرتا تھا۔ (اغانی: ج۲،ص۲۱)

ایک مرتبہ منذر نے چار سو اسیران جنگ کو اس کے سامنے ذبح کیا۔اور اس عمل کو قربانی کا نام دیا۔

بعض عرب اپنے بچوں کے نام ان بتوں کے نام پہ رکھتے تھے۔مثلاً:۔

☆ زید منات بن تمیم ☆ تیم اللّات بن رُفیدہ اور ☆ عبدالعزّیٰ بن کعب

کعبہ کا طواف کرتے وقت بھی ان اصنام کو پکارتے تھے۔شام میں بھی ان کی پرستش ہوتی تھی۔شاس (ص۔ ۶۱۷) نے اس کے لفظی معنی طاقتور بتائے ہیں۔

یاقوت (معجم۔ج۶ ''عُزّیٰ'') لکھتا ہے۔کہ:

عُزّیٰ دراصل ایک درخت کا نام تھا۔جس کے نیچے عُزّیٰ نصب تھا۔بعد میں یہی نام اس بت کو مل گیا۔اس کا پہلا پرستار بنوغطفان کا ایک سردار ظالم بن اسعد تھا۔

فتح مکّہ کے بعد حضور صلعم نے خالد بن ولید کو حکم دیا کہ وہ عُزّیٰ اور اس کے معبد کو تباہ کردے۔افلح بن نصر اس کا آخری پروہت (نگران۔متولّی) تھا۔

مآخذ:۔ ۱۔شاس۔ص ۶۱۷، ۲۔ڈاس۔ص ۶۵۸، ۳۔معجم۔جلد ۶،

۱۴۶۔ عُزَیرؑ

دیکھیے:۔

۴۷۔ "اَلَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ"

۱۴۷۔ عزیزِ (مصر)

"عزیز" کے لفظی معنی ہیں:۔شریف۔قوی۔غالب اور صاحب عزت۔

یہ اللہ کا ایک نام بھی ہے۔

اور دربار فرعون کا ایک منصب دار بھی۔

سورۂ یوسف میں یہ لفظ دو مرتبہ استعمال ہوا ہے۔پہلی دفعہ جب:۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِی الْمَدِیْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِیْزِ تُرَاوِدُ فَتٰھَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ

(یوسف:۳۰)

(شہر کی کچھ عورتوں میں یہ چرچا ہوا۔کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان (یوسفؑ) کو پھسلا کر اپنی ناجائز خواہش کو پورا کرنا چاہتی ہے)

اور دوسری دفعہ جب:۔

سرکاری پیمانہ بن یامین کے بورے سے برآمد ہوا۔اور اسے یوسف نے اپنے ہاں روک لیا۔تو دوسرے بھائیوں نے کہا:

یٰۤاَیُّهَا الْعَزِیْزُ اِنَّ لَهٗۤ اَبًا شَیْخًا كَبِیْرًا فَخُذْ اَحَدَنَا مَكَانَهٗ ۚ اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (یوسف:۷۸)

(اے عزیز! اس لڑکے کا والد بہت ضعیف ہے۔(وہ اس غم کی تاب نہ لا سکے گا) اس لیے اس کی جگہ ہم میں سے کسی ایک کو رکھ لیجئے۔کہ ہمیں آپ شریف اور ہمدرد نظر آتے ہیں)

ان آیات سے ظاہر ہے کہ عزیز کسی شخص کا نام نہیں تھا۔بلکہ یہ ایک منصب تھا۔جس پر پہلے زُلیخا کا شوہر فائز تھا۔اور بعد میں یُوسف۔یہ بھی ممکن ہے کہ فرعون کے ہاں کئی عزیز ہوں۔جو مختلف فرائض سرانجام دے رہے ہوں۔

حضرت یوسف وزارتِ مالیات پہ فائز تھے۔زُلیخا کا شوہر شاہی باڈی گارڈز کا سردار تھا۔اور اس کا نام فُوطی فار تھا۔

"وہ لوگ یوسف کو مصر میں لائے اور فوطی فار مصری نے جو فرعون کا ایک حاکم اور جلوداروں کا سردار تھا۔اس کو اسماعیلیوں کے ہاتھ سے خرید لیا۔" (پیدائش۔۱/۳۹)

یوسفؑ کو اسی نے زندان میں ڈالا تھا۔ اس اقدام کے بعد بائبل اس کا ذکر نہیں کرتی۔ اور نہ قرآن اس کے متعلق کچھ اور بتاتا ہے۔

مزید تفصیل کے لیے دیکھیے:۔ ۵۰۔ ''اِمرأۃ العزیز''

ماٰخذ:۔ ا۔ بائبل، ۲۔ قرآن شریف، ۳۔ ڈاب۔ ص ۵۴۴، ۴۔ اَعلام۔ ص ۱۴۱

۱۴۸۔ عمران

قرآن میں دو عمرانوں کا ذکر ہوا ہے:۔

اول۔ حضرت مریمؑ کے والد، جن کے متعلق بعض تفاسیر نے صرف اتنا ہی لکھنے پہ اکتفا کی ہے۔ کہ ان کے والد کا نام ماثان تھا۔

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ .... (عمران:۳۵)

اس آیت کا ترجمہ۔ ۵۱۔ اِمرأۃ عمران'' کے تحت دیکھیے۔

دوم۔ حضرت موسیٰ کے والد۔ جن کا ذکر آیۂ ذیل میں ہوا ہے:۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَۙ (عمران:۳۳)

(اللہ نے آدم، نوح، آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو دنیا میں سے چُن لیا ہے)

یہاں آلِ عمران سے مراد ہارون و موسیٰ کی اولاد ہے۔ بائبل میں عمران کو عمرام کہا گیا ہے۔ یہ حضرت یعقوبؑ کے ایک فرزند لاوی کی پشت سے تھا۔ اس کا نسب نامہ یہ ہے:۔

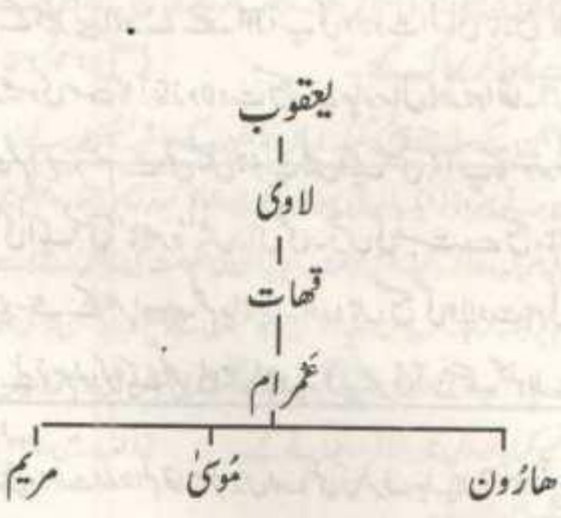

بائبل کا یہ نسب نامہ صحیح نہیں۔ کیونکہ حضرت یعقوبؑ (ولادت ۱۸۳۶ قم) اور حضرت موسیٰؑ (ولادت ۱۵۷۱ قم) میں اندازاً تین سو سال کا زمانہ حائل تھا۔ جس میں کم از کم دس گیارہ پشتیں گزری ہوں گی۔ لیکن یہاں صرف چار دی ہوئی ہیں۔ یشوعؑ حضرت موسیٰؑ کے ہم عصر اور جانشین تھے۔ ان کے شجرۂ نسب میں حضرت یشوعؑ سے حضرت یعقوب تک سترہ پشتوں کا ذکر ہے۔ (۱۔تواریخ۔۷/۲۰۔۲۸)، اتنی ہی حضرت موسیٰؑ و حضرت یعقوبؑ کے درمیان بھی ہونی چاہئیں۔

شاس (ص ۱۶۸) لکھتا ہے۔ کہ:

> ولادت موسیٰؑ کے وقت عمران کی عمر ستر برس تھی۔ اور وفات کے وقت ۱۳۷ برس۔ اس کا مطلب یہ کہ آپ [۲] ۱۶۴۱ قم میں پیدا ہوئے تھے۔ اور ۱۵۰۴ قم میں وفات پائی۔ آپ فرعون کے وزیر اور محافظِ خاص بھی رہے۔

ماخذ:۔ ۱۔شاس۔ص ۱۶۸، ۲۔ڈاب۔ص ۳۶، ۳۔بائبل (۱۔تواریخ)، ۴۔قرآن حکیم (عمران)

۱۴۹۔ عیسیٰؑ [۱]

'عیسیٰ' ''یسوع'' ہی کی عربی صورت ہے۔ معنی ہیں:۔ نجات دہندہ۔

قرآن میں آپ کو مسیح اور ابن مریم بھی کہا گیا ہے۔ یہود کے ہاں یہ رسم تھی۔ کہ جب ان کے بادشاہ اور پادری اپنے مناصب سنبھالنے لگتے تھے۔ تو ملک کا مقدس ترین آدمی ان کے سر پر مقدس تیل ڈالتا تھا اور اس کے بعد وہ مسیح کہلاتے تھے۔ (ڈاب۔ص ۴۰۵)

ولادت

حضرت مسیح باپ کے بغیر پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کی ولادت انسانی تاریخ کا سب سے بڑا اعجاز تھا۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔ کہ عیسوی سنت کا آغاز ولادت مسیح سے چار سال بعد ہوا تھا۔ اس حساب سے عیسیٰ ۴ قبل مسیح میں پیدا ہوئے تھے اور بیت لحم (یوروشلم سے دس میل جنوب میں ایک بستی) آپ کا مولد تھا۔ آپ کی والدہ مریم گلیلی (شمالی فلسطین کا ایک ضلع) کی ایک بستی ''ناصرہ'' میں رہتی تھی۔ جس کی نسبت سے مسیح، ناصری کہلاتے تھے۔ کسی کام کے لیے مریم کو اپنے منگیتر یوسف کے ہمراہ بیت لحم جانا پڑا۔ اور وہیں مسیح کی ولادت ہوئی۔ چونکہ مریم کے پاس کوئی پنگھوڑا وغیرہ نہیں تھا۔ اس لیے نومولود کو ایک کھرلی میں لٹا دیا۔ (یہ کھرلی آج تک محفوظ ہے)

۱۔ مومنین۔ص ۱۸۲

۲۔ حضرت موسیٰؑ کا سالِ ولادت ۱۵۷۱ قم تھا۔ ستر برس اور ماضی کی طرف جائیے۔ تو ۱۶۴۱ قم بنتا ہے۔ اس سے ۱۳۷ نکال لیے تو ۱۵۰۴ رہ جاتا ہے۔

اسی رات آسمان سے آواز آئی:

"عظیم خدا کی تعریف کرو۔ جس نے زمین کو امن اور انسان کو پیامِ رحمت دیا ہے۔"

(لُوقا:۲/۸۔۲۰)

اسی رات آسمان پر ایک عجیب ستارہ نمودار ہوا۔ جو باہر سے آنے والے زائرین کی رہنمائی کرتا۔ اور مریم کے مسکن پر آکر رک جاتا تھا۔ اس بچے کی برکت کا اس قدر چرچا ہوا۔ کہ یہوداہ کا رومی گورنر ہیروڈ کانپ اٹھا۔ اور اس نے تمام بچوں کو قتل کرنے کا حکم دے دیا۔ یوسف، خواب میں اشارہ پا کر مسیح و مریم کو مصر لے گیا۔ جب ۱۰/۱۱ ماہ کے بعد ہیروڈ[1] مر گیا۔ تو یوسف لوٹ آیا۔ اور ناصرہ میں رہنے لگا۔

عیسیٰ کا بچپن کیسے گذرا؟ ہم نہیں جانتے۔

لُوقا (۴۰/۲۔۵۲) نے اتنا ہی بتایا ہے۔ کہ:

جب وہ بارہ برس کا تھا۔ تو مسجدِ اقصیٰ میں عموماً جاتا۔ اور علما کے وعظ سنتا تھا۔ تیس سال کی عمر (۲۶۔۲۷ء) میں آپ کو نبوّت ملی۔ جو تقریباً تین سال جاری رہی۔ اس عرصے میں آپ گلیلی اور یوروشلم کی گلی گلی میں گھومے۔ بھٹکتی ہوئی انسانیت کو راہِ صداقت دکھائی۔ اندھوں، بہروں، اور فالج وغیرہ کے مریضوں کو شفا دی۔ کئی جگہ مُردوں کو زندہ کیا اور اس طرح مسیح عوام کا مرجع و مامن بن گیا۔ یہ چیز حکومت وقت کو پسند نہ آئی۔ اور" قوم کے تمام سردار، کانفا نامی سردار کاہن کے دیوان خانہ میں جمع ہوئے اور مشورہ کیا۔ کہ یسُوع کو فریب سے پکڑ کر قتل کر دیں۔"

(متی:۲۶/۳)

اس سازش میں ایک حواری، یہوداہ بھی شامل تھا۔ جب سردار کاہن کے آدمی اسے پکڑنے آئے تو:۔

"سب شاگرد اسے چھوڑ کر بھاگ گئے۔" (متی:۲۶/۵۶)

ان لوگوں نے اسے کاہن کے سامنے پیش کیا۔ وہاں کاہن کے حاشیہ نشینوں نے:

---

[1] ۴۷ق م میں جُولیس سیزر نے ہیروڈ (ایک ادومی یہودی) کو یہوداہ کا گورنر لگا دیا تھا۔ ۴۰ق م میں اس پر پارتھیا (ایران) نے حملہ کر دیا اور یہ رُوم کی طرف بھاگ گیا۔ اُس وقت روم پر انٹنی کی حکومت تھی۔ اُس نے اِسے یہوداہ کا بادشاہ بنا دیا۔ ۳۷ق م میں اِس نے یوروشلم پر قبضہ کر لیا۔ گو یہ اِس کے بعد بیرونی حملوں سے محفوظ رہا لیکن داخلی رقابتوں اور سازشوں نے اسے آخر تک چین نہ لینے دیا۔ اِس نے اطفالِ یہود کو قتل کرنے کا حکم آخری مرض میں دیا تھا۔ اس نے ایک ہی نیکی کا کام کیا کہ مسجدِ اقصیٰ کو از سرِ نو تعمیر کرایا اور اس میں شاندار اضافے کیے۔ (ڈاب۔ ص ۲۳۷)

اس کا خاندان ۱۰۰ء تک حکمران رہا۔

''اس کے منہ پہ تھوکا۔ اسے مکّے مارے اور بعض نے طمانچے مار کر کہا۔ اے مسیح ہمیں نبوت سے بتا۔ کہ تجھے کس نے مارا ہے۔'' (متی:۲۶/۶۸)

اس وقت حواریٔ اوّل پطرس باہر صحن میں بیٹھا تھا۔ اس سے آگے پیچھے تین آدمیوں نے پوچھا۔ کہ کیا تو بھی مسیح کے ساتھ تھا۔ تو:۔

''اس پر وہ لعنت کرنے اور قسم کھانے لگا۔ کہ میں مسیح کو نہیں جانتا۔ عین اس وقت مرغ نے بانگ دی۔ اور جھٹ پطرس کو حضرت مسیح کی بات یاد آ گئی۔ کہ اے پطرس! تو مرغ کی بانگ سے پہلے تین مرتبہ میرا انکار کرے گا۔'' (متی:۲۶/۷۳۔۷۵)

بالآخر حضرت مسیح کو رومی گورنر پیلات کی عدالت میں پیش کیا گیا۔ گورنر نے کئی سوال پوچھے۔ لیکن آپ خاموش رہے۔ اس پر گورنر نے پہلے آپ کو کوڑے لگائے اور پھر حوالۂ دار کر دیا۔ (متی:۲۷/۲۶)

سپاہیوں نے ان کے کپڑے اتار کر انہیں ایک قرمزی چغہ پہنایا۔ پھر کانٹوں کا تاج ان کے سر پر رکھا۔ ایک سرکنڈ اعصائے حکومت کی جگہ ان کے ہاتھ میں دے کر مزاحاً کہنے لگے۔ کہ اے یہودیوں کے بادشاہ! آداب۔ اس کے بعد اسی سرکنڈے سے انہیں پیٹنے لگے۔ پھر پیپ اور شراب پینے کو دی۔ لیکن آپ نے انکار کر دیا۔ چند لمحے بعد آپ کو دو چوروں کے درمیان صلیب پہ لٹکا دیا گیا۔ بعد از مرگ انہیں ایک قبر میں گاڑ دیا گیا۔ تین دن کے بعد آپ زندہ ہو کر قبر سے نکل گئے۔ اور اپنے تمام شاگردوں کو یوروشلم اور گلیل میں نظر آئے۔ (متی:۲۸/۹۔۱۷)

یہ تھی مسیح علیہ السلام کی داستان انجیل کی رُو سے۔ قرآن واقعۂ صلیب کا منکر ہے:

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ط...... وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۙ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ط (نساء:۱۵۷۔۱۵۸)

(ان لوگوں نے نہ تو مسیح کو قتل کیا۔ اور نہ صلیب پہ چڑھایا۔ بلکہ ان میں سے کسی ایک کو مسیح کی صورت دے دی گئی تھی۔ (اور یہی مصنوعی مسیح سپردار ہوا تھا)...... ان لوگوں نے مسیح کو یقیناً قتل نہیں کیا۔ بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھا لیا ہے)

اللہ انہیں اٹھا کر کہاں لے گیا ہے؟ اس کا ہمیں علم نہیں۔ انسان خلائی کُروں کی چھان پھٹک میں سرگرم ہے۔ ہوسکتا ہے۔ کہ اس کے متلاشی راکٹ کل کسی ایسے ستارے پہ جا پہنچیں۔ جہاں حضرت مسیح علیہ السلام قیام پذیر ہیں۔

حضرت مسیح کے متعلق چند اور آیات ملاحظہ ہوں:۔

ا۔ مسیح بن مریم بے شک اللہ کا رسول اور اس کا ایک کلمہ ہے۔ جو اس نے مریم پہ پھینکا تھا۔ نیز اللہ کی روح ہے۔(نساء:۱۷۱)

ب۔ مسیح نے بنو اسرائیل سے کہا۔ کہ صرف اللہ کی عبادت کرو۔ جو میرا اور تمہارا رب ہے اور یاد رکھو۔ کہ مشرک پہ جنت حرام ہے۔(مائدہ:۷۲)

ج۔ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو معجزات دیئے۔ اور روح القدس سے اس کی مدد کی۔(بقرہ:۸۷)

د۔ فرشتوں نے مریم سے کہا۔ کہ اللہ تجھے ایک کلمہ (فرزند) کی بشارت دیتا ہے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا۔ جو دنیا و آخرت ہر دو میں صاحبِ عزت ہوگا۔ جو لوگوں سے مہد میں اور پھر کہولت (بعد از نزول) میں باتیں کرے گا اور صالح ہوگا...... وہ بنو اسرائیل کی طرف رسول بن کر جائے گا۔ اور انہیں کہے گا۔ کہ میں تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نشانی لایا ہوں۔ کہ میں مٹی کے کھلونے میں پھونک ماردوں گا اور وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن کر اڑ جائے گا۔ میں اندھے کو نظر اور کوڑھی کو شفا دوں گا۔ اللہ کی اجازت سے مُردوں کو زندہ کروں گا۔ اور یہ بھی بتاؤں گا۔ اور یہ بھی بتاؤں گا۔ کہ تم نے کیا کھایا اور گھر میں کیا کچھ رکھا ہوا ہے۔(عمران:۴۵۔۴۹)

ہ۔ عیسیٰ نے کہا۔ کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی۔ نبی بنایا۔ جہاں بھی رہوں مبارک کیا۔ زندگی بھر صلوٰۃ و زکوٰۃ ادا کرنے کی وصیّت کی۔ نیز ہدایت کی۔ کہ میں اپنی ماں کی خدمت کروں۔ اس نے مجھے سنگ دل اور ظالم نہیں بنایا۔(مریم:۳۰۔۳۲)

تو یہ تھی عیسیٰ علیہ السلام کی قرآنی تصویر۔

وفات

ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ مسیح کی ولادت ۴ ق م میں ہوئی تھی۔ ۲۶۔۲۷ء میں نبوت ملی، ۷ اپریل ۳۰ کو واقعہ صلیب پیش آیا۔ اور ۹ا اپریل ۳۰ء کو آپ ''بہ روایت انجیل'' دوبارہ زندہ ہو کر بلندیوں کی طرف پرواز کر گئے۔

ماخذ:۔ ا۔شاس۔ص۱۷۳، ۲۔قرآن حکیم، ۳۔بائبل، ۴۔ڈاب۔ص۲۹۱،
۵۔چیپلز۔''Jesus''،

غ

۱۵۰۔ اَلغار

اس سے مراد جبلِ ثور کی وہ غار ہے۔ جس میں حضور صلعم اپنے رفیق حضرت ابو بکرؓ کے ہمراہ تین دن رہے تھے۔ یہ پہاڑ مکہ سے تین چار میل مشرق کی طرف ہے۔ غار تک راستہ اس قدر پتھریلا تھا۔ کہ حضورﷺ کو چلنے میں بڑی دشواری پیش آئی۔ چنانچہ حضرت ابو بکرؓ نے آپ ﷺ کو کندھوں پہ اٹھالیا۔

چوتھی رات حضرت ابو بکرؓ کے گھر سے دو اونٹنیاں آگئیں۔ جن پر یہ سوار ہو کر مدینہ کو چل دیئے۔

ماخذ:۔ رحمۃ للعالمین۔ ج۔۱، ص ۱۰۸

ف

۱۵۱۔ فتاہ

لفظی معنی: اپنے خادم۔ اپنے جوان۔ یہ حضرت موسیٰ کا وہی خادم ہے۔ جس کی مچھلی دریا میں سرک گئی تھی۔ ملاحظہ ہو: ۱۲۸۔ ''الصخرہ''۔ بیشتر مفسّرین نے یہی لکھا ہے۔ کہ اس سے مراد حضرت یوشعؑ ہیں۔ جو حضرت موسیٰ کے مصاحب بھی تھے اور ان کے جانشین بھی۔ آپ حضرت یوسفؑ کے ایک فرزند افرائیم کی پشت سے تھے۔ جب اسرائیلی مصر سے نکلے تو اس وقت آپ کی عمر ۴۰ سال تھی۔ جب حضرت موسیٰ طور پر چڑھے۔ تو کچھ اوپر تک یہ ساتھ گئے اور واپسی پر بھی ان کے استقبال کو وہیں پہنچے۔ حضرت موسیٰ کے بعد آپ سرزمین کنعان میں داخل ہو گئے اور چھ برس میں اسے قاطبۃً مسخر کرلیا۔ آپ کی وفات ۱۴۲۹ ق م میں ہوئی تھی۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۱۰ سال تھی۔

ماخذ:۔ ۱۔ بائبل، ۲۔ ڈاب۔ ص ۳۱۶

۱۵۲۔ فتاہا

زلیخا کا نوجوان۔ مراد حضرت یوسف علیہ السلام۔

دیکھیے: ۱۹۹۔ ''یوسف''

۱۵۳۔ فرعون

لفظ ''فرعون'' کے معنی ہیں فرزند آفتاب۔ اہل مصر سورج کی پرستش کیا کرتے تھے۔ اور فرعون کو سورج دیوتا کا

زمینی مظہر سمجھتے تھے۔

فرعون کسی خاص بادشاہ کا نام نہیں تھا۔ بلکہ یہ قدیم سلاطین مصر کا عمومی لقب تھا۔ ہم ان کی تعداد۔ ان کے اسماء اور سنین سے نا آشنا ہیں۔ مصر کی کھدائیوں۔ پرانی یادگاروں اور تحریروں سے ہمیں اتنا ہی معلوم ہوا ہے کہ ان بادشاہوں کے تین سلسلے تھے۔ ہر سلسلہ تقریباً دس خاندانوں پہ مشتمل اور صدیوں پہ پھیلا ہوا تھا۔

پہلے سلسلے کے تیسرے خاندان کا ایک فرعون مین (Menes) نیم تاریخی شخصیت ہے۔ اس کی قبر ابیڈس (Abydos) میں ہے۔ ممفس اس کا دارالحکومت تھا۔ یہ صحرائے سینا سے تانبہ نکالتا اور بیرونی ممالک سے تجارت کیا کرتا تھا۔

چوتھے خاندان کی شہرت تعمیر اہرام کی وجہ سے ہے۔ اس کا دوسرا بادشاہ چوفو (Chufu) سب سے بڑے ہرم کا بانی تھا۔ اس پر ایک لاکھ مزدوروں نے بیس سال کام کیا تھا۔ اس فرعون کا عرصۂ سلطنت ۶۳ برس تھا۔ اس کے جانشین چفرن (Chephren) نے ۶۶ سال حکومت کی۔ اور اہرام میں ایک کا اضافہ کیا تھا۔ اس کا جانشین مائی کرینس (Mykrinus) بھی ایک ہرم کا بانی تھا۔ ابوالہول (ایک مہیب تعمیر جس کا سر عورت کا تھا اور دھڑ شیرنی کا) اسی خاندان نے تعمیر کرائے تھے۔ اس خاندان کا بانی سنیفرو (Sneferu) تھا۔ اس سلسلے کے باقی خاندان غیر معروف تھے اور ہم ان سے نا آشنا ہیں۔

دوسرا سلسلہ چھ سو برس تک قائم رہا۔ اس کا دارالخلافہ تھیبس (Thebes) تھا۔ جو نیل کے دونوں کناروں پہ واقع تھا۔ اٹھارواں خاندان ۱۵۸۷ق م سے ۱۴۰۰ق م تک برسر اقتدار رہا۔ یہ دور فتوحات کا دور تھا اس خاندان کا تیسرا بادشاہ تھتمس اول (Thothmes) اور چھٹا تھتمس۔ سوم دونوں بڑی قوت وعظمت کے مالک تھے۔ ثانی الذکر کی سلطنت نیل سے فرات تک تھی۔ امانوفس (Ameno Phis) بھی اس خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کا دارالحکومت ممفس اور تھیبس کے درمیان ایک اور شہر طل عمرنا (Tell-e-Amarna) تھا۔ اس کی وفات ۱۳۷۰ ق م میں ہوئی۔ اس خاندان کے کتبے ۱۸۸۷ء میں نیل سے فرات تک برآمد ہوئے ہیں۔

رامسس دوم (۱۳۴۷۔۱۲۸۱ق م) اور رامسس سوم (۱۲۲۰۔۱۱۹۰ق م) کا تعلق انیسویں خاندان سے تھا۔ یہ سلسلے آٹھویں صدی قبل مسیح تک چلتے رہے۔ اور ۷۲۸ق م میں حبشہ نے مصر کو فتح کر لیا۔ کچھ دیر بعد فراعین پھر ابھرے۔ لیکن مصر کئی چھوٹی چھوٹی سلطنتوں میں تقسیم ہو گیا۔ تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد اس انتشار سے ایران نے فائدہ اٹھایا۔ اور سائرس۔ اعظم کے فرزند کیمبس (Cambyses) نے ۵۲۵ق م میں مصر پہ قبضہ کر لیا۔ جو ایک سو برس تک باقی رہا۔ اس کے بعد فراعین کا ایک سلسلہ برسرِ اقتدار آیا۔ جسے اسکندر اعظم نے ۳۳۱ق م میں ہمیشہ کے لیے ختم کر دیا۔ آخری فرعون کا نام نقطین بوس دوم (II- Nectane Bus) تھا۔ جو اکتیسویں خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ ۳۲۳ق م میں بطالسہ برسرِ اقتدار آ گئے۔ جن کے چودہ بادشاہوں نے ۳۲۳ق م سے ۳۰ق م تک ۲۹۷ سال حکومت

کی۔قلوپطرہ (۴۴۔۳۰ ق م) اس سلسلے کی آخری فرماں روا تھی۔ (پیپلز: ص ۲۳۹)

انبیاء و فراعین

کچھ ایسے فرعون بھی تھے، جن کا واسطہ بعض انبیاء سے پڑا تھا۔ مثلاً:

۱۔ سلاطیس (Salatis)۔ جسے فرعون ابراہیم بھی کہتے ہیں۔ اس کا تعلق پندرھویں خاندان سے تھا۔ جب حضرت ابراہیم سارہؑ کے ہمراہ مصر میں پہنچے، اور فرعون کے شر سے بچنے کے لیے سارہ کو اپنی بہن بتایا۔ تو فرعون اسے اپنے گھر لے گیا۔ جب سارہ نے اسے حقیقت بتائی۔ تو اس نے سارہ کو بن چھوئے ابراہیم کے پاس واپس بھیج دیا اور دونوں کو مصر سے نکال دیا۔

۲۔ فرعون یوسف۔ کا نام آسرٹسین[1]۔سوم (III- Osirtesen) تھا۔ اس کا پائے تخت ممفس تھا۔ اس نے ۲۶ سال حکومت کی تھی۔

۳۔ فرعون یعقوب۔ جب حضرت یعقوبؑ مصر میں پہنچے۔ تو اس وقت اپوفس کی حکومت تھی۔ یہ پندرھویں خاندان کا چھٹا بادشاہ تھا۔ اور اس کا عرصہ حکومت ۱۸۷۶ سے ۱۸۵۰ ق م تک تھا۔

۴۔ فرعون ستمگر۔ جو ولادت موسیٰ (۱۵۷۱ ق م) سے قدرے پہلے مسند نشین ہوا تھا۔ قتل اطفال کا مجرم تھا۔ حضرت موسیٰ اسی کے محل میں پلے تھے۔ اس کے نام کے متعلق اختلاف ہے۔ کوئی پتامن (Pthamen) بتاتا ہے۔ کوئی اموسس (Amosis) اور کوئی رامسس سوم۔

۵۔ فرعون خُروج۔ یعنی وہ فرعون۔ جس کے زمانے میں بنو اسرائیل مصر سے نکلے تھے۔ (سال خروج ۱۴۹۱ ق م)۔ اس کا نام معلوم نہیں۔ یہ ۱۴۹۳ ق م میں مسند نشین ہوا تھا۔

۶۔ فرعون داؤدؑ و سلیمانؑ۔ جس نے اپنی ایک بیٹی حضرت سلیمانؑ کے نکاح میں دے دی تھی۔ یہ اکیسویں خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ اور اس کا نام سوزنیس۔ اول (Fsuse Nnes-I) تھا۔

۷۔ فراعین بائبل۔ یعنی وہ فرعون جن کے نام بائبل میں آئے ہیں۔ یہ صرف دو ہیں:

اول۔ نیشو (Necho) جس کا تعلق چھبیسویں خاندان سے تھا۔ اس نے سولہ سال حکومت کی تھی۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ ایک نہر تھی۔ جو اس نے نیل سے کاٹ کر بحیرۂ قلزم میں ڈال دی تھی۔

دوم۔ ہوفرہ (Hophra) جو ۵۸۹ سے ۵۷۰ ق م تک حکمران رہا۔ (ڈاب۔ ص ۵۲۴)

قرآن میں ستر مرتبہ فرعون کا ذکر آیا ہے۔ ان تمام مقامات کے مطالعہ سے فرعون کا تصور یہ قائم ہوتا ہے کہ وہ مغرور، سرکش، ظالم، انسان دشمن، بدکار، سنگدل اور خدا سے گریزاں تھا۔

---

[1] بروایتے اس فرعون کا نام اپوفس (APOPHIS) تھا۔ (ڈاب: ص ۵۲۴)

مآخذ:۔ ۱۔قرآن، ۲۔بائبل، ۳۔ڈاب۔ص۵۲۴،

۴۔پیپلز۔ص۸۵۳،۲۳۹،

۵۔کتاب الہدیٰ۔ص۵۷۶، ۶۔ڈاس۔ص۴۵۲، ۷۔شاس۔ص۱۰۷

۱۵۴۔فُرقان

یہ لفظ "فرق" سے مشتق ہے۔جس کا ایک مفہوم امتیاز کرنا اور دو چیزوں کو الگ الگ کرنا ہے۔المنجد نے الفرقان کی وضاحت یوں کی ہے:۔

كُلُّ مَا فُرِّقَ بِهٖ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ اَلْبُرْهَانُ۔

(ہر وہ چیز فرقان ہے۔جس سے حق و باطل میں تمیز کی جا سکے۔نیز برہان)

اللہ نے قرآن کو بھی فرقان کہا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ۙ (فرقان:۱)

(مبارک ہے وہ رب جس نے اپنے بندے پر قرآن (فرقان) نازل کیا۔تا کہ وہ دنیا کو ڈرائے)

تفصیل کے لیے دیکھیے:"قرآن"

ق

۱۵۵۔قارُون

قارون کے متعلق قرآن کی کہانی یہ ہے:

کہ وہ ایک دولت مند اسرائیلی تھا۔جس کے خزانوں کی کنجیاں اٹھانے کے لیے کئی مزدوروں کی ضرورت پڑتی تھی۔اس نے حضرت موسیٰ اور اپنی قوم کے خلاف بغاوت کر دی۔قوم نے اسے کہا کہ اپنی دولت پہ مت اتراؤ۔اسے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔دنیا سے نیکی کرو اور فساد سے بچو۔لیکن اس پر کوئی اثر نہ ہوا۔جب وہ بن ٹھن کر باہر نکلتا۔تو کئی طالبان دنیا کہتے کہ کاش ہم کو بھی یہی شان و شوکت نصیب ہوتی۔بالآخر اللہ نے اسے اس کے گھر سمیت زمین میں غرق کر دیا۔اور اس کی امداد کو کوئی نہ پہنچا۔ (قصص۔۷۶۔۸۱)

بائبل کی رو سے قارون، حضرت موسیٰ کا چچازاد بھائی تھا۔ اس کا شجرۂ نسب یہ ہے:۔

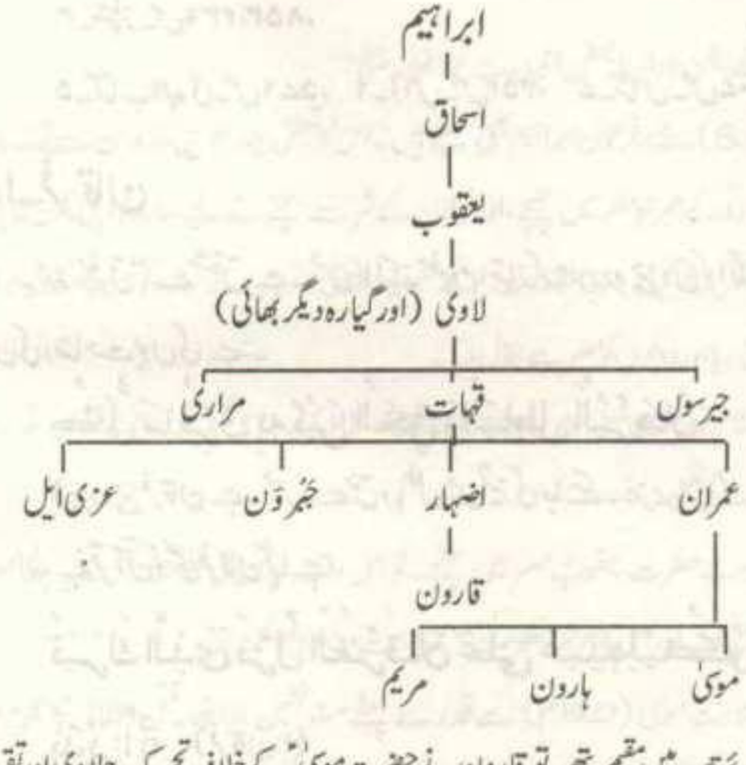

جب بنو اسرائیل صحرائے تیہہ میں مقیم تھے۔ تو قارون نے حضرت موسیٰ کے خلاف تحریک چلا دی اور تقریباً اڑھائی سو چیدہ آدمیوں کو ساتھ ملا کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس گیا اور کہنے لگا کہ جب ساری قوم کا ہر فرد مقدس ہے تو تمہیں سیادت و قیادت کا حق کہاں سے مل گیا۔

یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام سجدے میں گر گئے اور اللہ سے اشارہ پا کر قارون سے کہنے لگے کہ کل صبح تم سب میرے پاس آؤ۔ اپنے بخوردان ساتھ لاؤ۔ ان میں آگ بھرو۔ پھر بخور جلاؤ۔ تب خداوند جسے چن لے وہی مقدس ٹھہرے گا۔

دوسرے دن یہ سب لوگ ایک وسیع خیمے میں جمع ہو گئے۔

حضرت موسیٰ نے بلند آواز سے کہا کہ تمام غیر متعلق لوگ اس خیمے سے دور ہٹ جائیں۔

لوگوں نے تعمیل کی۔

اس کے بعد زمین پھٹ گئی۔ قارون کو سب اہل و عیال اور مال و دولت سمیت نگل گئی۔ پھر اوپر سے مل گئی۔ اور ساتھ ہی زمین سے ایک آگ نکلی۔ جس نے قارون کے اڑھائی سو آدمیوں کو بھسم کر ڈالا۔

(گنتی:۱۶/۱۔۳۵)

مآخذ:۔ ۱۔قرآن حکیم، ۲۔بائبل (گنتی)، ۳۔پیلپز۔ص ۶۲۶، ۴۔ڈاب۔ص ۳۳۴

۱۵۶۔قرآنِ مقدّس

قرآن کے بہت سے پہلو وضاحت طلب ہیں۔مثلاً:۔

ا۔ کہ اس کے نزول کا آغاز کب ہوا؟

ب۔ اسے موجودہ ترتیب کس نے دی؟

ج۔ اس کی حفاظت کا انتظام کیا تھا؟

د۔ سورتیں کس ترتیب سے نازل ہوئیں؟

ہ۔ اس کے وحی ہونے کا ثبوت کیا ہے؟

و۔ کیا اس کی زبان معجزانہ ہے؟

ز۔ اعراب کس نے لگائے؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہاں ان تمام مطالب کی گنجائش نہیں ہے۔اس لیے میں اپنی معروضات کو چند مسائل تک محدود رکھوں گا۔

جمع قرآن

سنن ترمذی،مسندِ امام احمد اور مشکوٰۃ میں یہ حدیث موجود ہے کہ:

كَانَ رَسُوْلَ اللّٰهُ صلعم ...... اِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ شَیْءٌ دَعَا بَعْضُ مَنْ كَانَ يَكْتُبُ فَيَقُوْلُ ضَعُوا هٰؤُلآءِ الْاٰيَاتِ فِی السُّوْرَةِ الَّتِیْ يَذْكُرُ فِيْهَا كَذَا وَكَذَاo

(جب رسول اکرم صلعم پر کوئی چیز نازل ہوتی۔تو آپ کسی کاتب وحی کو بلاتے اور فرماتے۔ کہ ان آیات کو لکھ کر فلاں فلاں سورتوں میں رکھ دو)

عثمان بن ابی العاص کہتے ہیں کہ میں حضور صلعم کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔کہ ناگاہ آپ ﷺ نے آنکھیں جھکالیں۔قریب تھا کہ آپ ﷺ کا سر اقدس زمین کو چھو لیتا۔پھر آپ ﷺ نے آنکھ اٹھائی اور فرمایا:۔

اَتَانِیْ جِبْرِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَام فَاَمَرَنِیْ اَنْ اَضَعَ هٰذِهِ الْاٰيَةَ بِهٰذَا الْمَوْضِعِ مِنْ هٰذِهِ السُّوْرَةِ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ o

(مسند امام احمد: ج ۴،ص ۲۱۸)

(میرے پاس جبریل آیا تھا۔اس نے مجھے ہدایت کی۔کہ میں اس آیہ(اِنَّ اللّٰہ یامُر

بِالعدل......) کوفلاں سورہ کے فلاں مقام پہ رکھ دوں)

اس نوع کی احادیث اور بھی ہیں۔ جن سے واضح ہوتا ہے کہ حضور صلعم نے اپنی حیات مبارکہ ہی میں قرآن کو ایک خاص ترتیب دے دی تھی۔ یہ قرآن کاغذوں، پتوں، ٹھیکروں اور چمڑوں پہ لکھا ہوا تھا۔ اور حضرت عائشہؓ کے ہاں ایک صندوق میں رکھا تھا۔

روایات سے پتہ چلتا ہے۔ کہ چند دیگر صحابہ کرامؓ نے بھی قرآن کے نسخے تیار کیے تھے۔ مثلاً:۔

ا۔ محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ:

جَمَعَ الْقُرآنَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ خَمْسَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ۔

(سنن ابی داؤد)

(کہ حیات رسولؐ میں پانچ انصار نے قرآن جمع کیا تھا)

ب۔ آپ نے وہ مشہور کہانی تو سنی ہی ہوگی۔ جب عمر بن خطاب ہاتھ میں تلوار لیے حضور ﷺ کو قتل کرنے کے لیے گھر سے نکلے تو راہ میں کسی نے کہا کہ پہلے اپنے بہنوئی کی خبر تو لو۔ وہاں پہنچے۔ تو ان کے بہنوئی نے وہ اجزاء جن پر قرآن لکھا ہوا تھا۔ ادھر ادھر چھپا دیے۔

ج۔ عبداللہؓ بن عمر فرماتے ہیں کہ:

جمعتُ القُرآن فقرأت بِهٖ کلّ لَیْلَةٍ. فبلغ النبیَّ صلعم فقال اِقْرَءْهُ فی شهرٍ۔ (سنن ترمذی)

(کہ میں نے بھی قرآن جمع کیا تھا۔ جسے ہر رات ختم کر ڈالتا تھا۔ حضور ﷺ تک یہ خبر پہنچی تو فرمایا کہ ایک ختم ایک ماہ میں کیا کرو)

د۔ ''عامر الشعبی سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کی زندگی میں معاذؓ بن جبل، ابیؓ بن کعب، زیدؓ بن ثابت، ابو الدرداءؓ، ابوزیدؓ اور سعدؓ بن عبید نے قرآن جمع کیا تھا۔'' (بحوالہ تاریخ القرآن۔ ص ۴۵)

ہ۔ ''ابوعمر اور محمد بن کعب القرظی سے روایت ہے کہ حیات رسول ﷺ میں عثمانؓ۔ علیؓ۔ عبداللہؓ بن مسعود اور حذیفہ کے مولیٰ سالم نے بھی قرآن جمع کیا تھا۔ (ایضاً۔ ص ۴۵)

و۔ چند ایسی احادیث اور بھی ہیں۔ جن سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن جمع کرنے والے صحابہ کرام کی تعداد کم از کم انتیس تھی۔ (ایضاً۔ ص ۴۴)

حفاظتِ قرآن

قرآن کی حفاظت کے لیے حضورﷺ نے دوقدم اٹھائے تھے:

اول۔ لکھے پڑھے صحابہ کو قرآن لکھنے کی ترغیب دی۔

دوم۔ ہزار ہا صحابہ نے قرآن کو یاد کرلیا۔

رحلت رسولﷺ کے وقت صحابہ کی تعداد ۴/ ۵ لاکھ کے قریب تھی۔ آخری حج میں سوالاکھ صحابہ شامل ہوئے تھے۔ یہ لوگ خدا اور رسول اور قرآن پہ جان چھڑکتے تھے۔ قرآن تیس برس میں دھیرے دھیرے نازل ہوا تھا۔ ان صحابہ کے لیے ہر روز ایک دو آیات یاد کرنا مشکل نہ تھا۔ اس لیے قیاس یہ ہے کہ تمام صحابہ قرآن کے حافظ ہوں گے۔ لیکن اگر ہم ان کا تناسب پانچ فیصد ہی فرض کرلیں۔ تب بھی یہ تعداد بیس ہزار تک جا پہنچتی ہے۔ ان لوگوں نے برسوں حضورﷺ سے قرآن سنا اور انہیں سنایا۔ پھر اسے اصلی صورت میں کسی تبدیلی کے بغیر اگلی نسل تک پہنچایا اور یہ سلسلہ ہم تک آپہنچا۔

اللہ نے اس کی حفاظت کا ایک اور انتظام یہ کیا کہ اسے معجزانہ زبان میں نازل فرمایا۔ یعنی اسے فصاحت و بلاغت کے اس مقام تک پہنچادیا کہ بڑے سے بڑا ادیب، شاعر اور عالم قرآن کے اسلوب میں ایک جملہ تک نہ لکھ سکے۔

مصحف ابوبکرؓ

جب جنگ یمامہ (۱۱ھ) میں سینکڑوں حفاظ شہید ہوگئے۔ تو حضرت صدیقؓ نے حضورﷺ کا مصحف جو اینٹوں، چمڑے کے ٹکڑوں وغیرہ پہ لکھا ہوا تھا۔ اپنی بیٹی عائشہؓ کے گھر سے منگوایا اور زیدؓ بن ثابت کی نگرانی میں ایک مکمل نسخہ تیار کرالیا۔

ابن حزم کتاب الفصل میں لکھتے ہیں کہ عمرؓ بن خطاب کی وفات کے وقت اس نسخے کی ایک لاکھ نقول ملک کے طول و عرض میں موجود تھیں۔ حضرت عثمانؓ نے ان میں مزید اضافہ کیا اور اس طرح قرآن پوری طرح محفوظ ہوگیا۔

سات قرائتیں

حدیث میں ہے، کہ حضورﷺ نے سات قبائل یعنی قریش۔ طے۔ ہوازن۔ اہل یمن۔ ثقیف۔ ہذیل اور تمیم کو مقامی تلفظ میں قرآن پڑھنے کی اجازت دے رکھی تھی۔

اہل یمن الناس کو النات اور کلام کو شلام پڑھتے تھے۔

ارض ہذیل میں ح غائب تھی۔ وہ حق کو عق اور حاکم کو عاکم کہتے تھے۔ اس قسم کا اختلاف برصغیر میں بھی موجود ہے۔ دہلی والے قلم بولتے ہیں۔ اہل پنجاب کلم اور حیدر آباد دکن والے خلم۔ قرأت کے یہ اختلافات عہد عثمان تک

چلتے رہے۔ جب حضرت عثمانؓ نے لغت قریش کی بنیادوں پر مصحف [1] تیار کرایا۔ تو یہ تمام اختلافات خود بخود ختم ہو گئے۔

تاریخ نزول وحی

قاضی سلیمان منصور پوری، پوری تحقیق کے بعد لکھتے ہیں۔ کہ:

"ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹۔ ربیع الاوّل [1] عام الفیل، مطابق ۲۲۔ اپریل ۵۷۱ء۔ مطابق یکم جیٹھ سم ۶۲۸ بکرمی کو مکہ معظمہ میں بعد از صبح صادق و قبل از طلوع نیر عالمتاب پیدا ہوئے۔" (رحمۃ اللعالمین۔ ج۔ ا، ص ۴۲)

نزول وحی کے متعلق فرماتے ہیں:

جب آں حضرت صلعم کی عمر چالیس سال قمری پر ایک دن اوپر ہوا۔ تو ۹۔ ربیع الاول ۴۱ میلادی [2]۔ (مطابق ۱۲ فروری ۶۱۰ء) کو بروز دوشنبہ روح الامین خدا کا حکم نبوت لے کر آں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا۔ (ایضاً۔ ص ۲؍)

شمسی سالوں کے حساب سے نزول وحی کے وقت حضور صلعم کی عمر ۳۸۔ سال، ا۔ ۹ ماہ اور ۲۰ دن تھی۔ چونکہ حضور ﷺ کی رحلت۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ (اور بروایتے۔ ۱۳۔ ربیع الاول) مطابق ۸۔ جون ۶۳۲ء ہوئی تھی۔ اس لیے شمسی لحاظ سے آپ کی عمر ۶۱ سال، ایک ماہ، ۱۶ ایوم اور نزول وحی کا زمانہ ۲۲ سال ۳ ماہ اور ۲۶ دن تھا۔

اِعراب

روایت ہے کہ اعراب ابوالاسود [3] دوئلی بصری (۶۹ھ) کی ایجاد ہے۔ ہوا یوں کہ اس نے ایک شخص کو دیکھا کہ قرآن غلط پڑھ رہا تھا۔ اسود نے اسے صحیح قرأت سے آگاہ کیا اور ساتھ ہی یہ علامات سمجھائیں:۔

أ۔ زبر کے لیے حروف کے اوپر ایک نقطہ۔

ب۔ زیر۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ نیچے۔۔۔۔۔۔

ج۔ پیش۔۔۔۔۔۔۔۔۔ آگے۔۔۔۔۔۔

د۔ تنوین کے لیے ایک نقطے کی جگہ دو نقطے۔

---

[1] حضرت عثمانؓ نے چار آدمیوں کو نیا نسخہ تیار کرنے پہ لگایا تھا۔ زیدؓ بن ثابت، عبداللہؓ بن زبیر، سعیدؓ بن عاص اور عبدالرحمٰنؓ بن حارث۔ (ڈاس: ۴۸۳)

[2] یہاں مصنف سے سہو ہو گیا ہے۔ ۴۱ عام الفیل چاہیے تھا۔

[3] کنانہ کی ایک شاخ دُئل بن بکر کی طرف منسوب، حضرت علی کا مصاحب۔

کچھ عرصہ بعد خلیفہ عبدالمالک نے حجاج بن یوسف ثقفی کو قرآن پہ اعراب لگانے کا حکم دیا۔ اس نے اس مقصد کے لیے حسن بصری، مالک بن دینار، یحییٰ بن یعمر، عاصم بن میمون الجحدری اور دو دیگر علماء کی ایک مجلس ترتیب دی۔ یحییٰ بن یعمر نے نقطے (ب ت ث وغیرہ) ایجاد کیے اور دیگر ارکان نے سکون۔ تنوین۔ تشدید اور حرکات کو ایک معین صورت دی۔ (تاریخ القرآن۔ ص ۱۳۰)

قرآن کے صفاتی نام

اللہ نے قرآن کے لیے کچھ صفاتی نام بھی استعمال کیے ہیں۔ مثلاً:۔

☆ الفرقان	☆ الکتاب	☆ البرہان
☆ النور	☆ الہدیٰ	☆ الرّحمت
☆ الشفا	☆ احسن الحدیث	☆ بیان
☆ العلم	☆ بشریٰ	☆ تذکرہ
☆ حِکمت	☆ موعظہ	☆ ذکریٰ
☆ القول الفصل	☆ بصائر	☆ الرّوح
☆ البلاغ۔ وغیرہ		

تعداد آیات وغیرہ

ابتدا میں کچھ عرصہ تک تعداد آیات میں اختلاف رہا۔ اس کی وجہ یہ کہ بعض کاتبوں نے لمبی آیات کو دو حصوں میں بانٹ دیا تھا۔

تعداد آیات اہل بصرہ کے ہاں	:	۶۲۰۴
تعداد آیات اہل مدینہ کے ہاں	:	۶۲۱۱
تعداد آیات اہل مکہ کے ہاں	:	۶۲۱۹
تعداد آیات اہل شام کے ہاں	:	۶۲۲۵
تعداد آیات اہل کوفہ کے ہاں	:	۶۲۳۹

رفتہ رفتہ یہ اختلاف ختم ہو گیا، اور اب آیات کی تعداد، بسم اللہ کے بغیر ۶۲۳۷ ہے۔ سورتوں کی تعداد ۱۱۴ ہے۔ جن میں سے ۸۶ مکی اور ۲۸ مدنی۔ (ڈاس۔ ص ۴۸۹)

ترتیب نزول

سورتیں کس ترتیب سے نازل ہوئیں۔اس میں کافی اختلاف پایا جاتا ہے۔اس موضوع پر مسلم علماء کے علاوہ چند مستشرقین نے بھی تحقیق کی تھی۔ہم جدول ذیل میں صرف پچیس سورتوں کی ترتیب بتائیں گے کہ طویل بحث کی گنجائش نہیں ہے۔

شمار	ابن عباس	جلال الدین سیُوطی	سر ولیم میور	پادری جے۔ایم۔راڈویل
پہلی سورت	علق	علق	والعصر	علق
دوسری ۔	ن	قلم	والعادیات	مُدَّثِّر
تیسری ۔	مُزَّمّل	مُزَّمّل	زلزلہ	مُزَّمّل
چوتھی ۔	مُدَّثِّر	مُدَّثِّر	الشمس	الضحیٰ
پانچویں ۔	بُولہب	بُولہب	قریش	اِنشراح
چھٹی ۔	تکویر	تکویر	۔	فلق
ساتویں ۔	اعلیٰ	اعلیٰ	قارعہ	النّاس
آٹھویں ۔	لَیل	لَیل	التّین	فاتحہ
نویں ۔	فجر	فجر	تکاثُر	کوثر
دسویں ۔	ضُحیٰ	ضُحیٰ	ھُمَزہ	اِخلاص
گیارھویں ۔	اِنشراح	اِنشراح	اِنفطار	ابولہب
بارھویں ۔	عصر	عصر	لیل	کافِرُون
تیرھویں ۔	عادیات	عادیات	فیل	ھُمَزہ
چودھویں ۔	کوثر	کوثر	فجر	تکاثر
پندرھویں ۔	تکاثر	تکاثر	بلَد	ماعُون

سولہویں ۔	ماعون	ماعون	ضحیٰ	لیل
سترہویں ۔	کافرون	کافرون	اِنشراح	قلم
اٹھارہویں ۔	فِیل	فِیل	کوثر	بلد
انیسویں ۔	فلق	فلق	علق	فِیل
بیسویں ۔	ناس	ناس	اِخلاص	قریش
اکیسویں ۔	اِخلاص	اِخلاص	مُدَّثِر	بیّنہ
بائیسویں ۔	نجم	نجم	ابولہب	طارق
تیئسویں ۔	عَبَس	عَبَس	اعلیٰ	شمس
چوبیسویں ۔	القدر	القدر	قدر	عَبَس
پچیسویں ۔	شمس	شمس	غاشیہ	اعلیٰ

(ڈاس۔ص۴۹۰)

ماٰخذ:۔ ۱۔قرآن حکیم، ۲۔شاس۔ص۲۷۳، ۳۔ڈاس۔ص۴۸۳، ۴۔تاریخ القرآن۔ص۴۸،۵۸،۱۲۸

۱۵۷۔ اَلْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ

پوری آیت یوں ہے:۔

وَلَقَدْ اَتَوْا عَلَى الْقَرْيَةِ الَّتِيْٓ اُمْطِرَتْ مَطَرَ السَّوْءِ ؕ اَفَلَمْ يَكُوْنُوْا يَرَوْنَهَا ۚ بَلْ كَانُوْا لَا يَرْجُوْنَ نُشُوْرًا ۝

(الفرقان:۴۰)

(اہل مکہ (خصوصاً ان کے تاجر) اس بستی سے ہو آئے ہیں۔ جس پر پتھروں کی بارش بری تھی۔ کیا انہوں نے اسے نہیں دیکھا؟ (لیکن انہوں نے اس سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔ کیونکہ) انہیں مرنے کے بعد جی اٹھنے کی امید نہیں ہے)

اس بستی سے مراد سڈوم ہے۔ جو قوم لُوط کی سب سے بڑی بستی تھی۔ اس کے قریب تین بستیاں اور بھی تھیں، یعنی عمورہ، اَدمہ اور زبائیم (ڈاب۔ ص ۶۵۹)۔ سب کی سب جارڈن کی ایک سرسبز وادی میں واقع تھیں۔ جو بحیرۂ مُردار کے جنوب میں تھی۔ قُرونِ وسطیٰ کے تاریخ نگاروں کا خیال یہ تھا کہ یہ بستیاں بحیرۂ مُردار میں ڈوب چکی ہیں۔ لیکن موجودہ تاریخ نگار اس سے متفق نہیں ہیں۔ ان کی رائے یہ ہے کہ ان کے آثار آج بھی اس بحیرہ کے جنوب (اور بقول بائبل، شمال) میں نظر آتے ہیں۔

لفظ سڈوم کے معنی ہیں "جلنا"۔ چونکہ یہ شہر گندھک اور آگ کی بارش سے تباہ ہوا تھا۔ اس لیے سڈوم کہلایا۔ (ڈاب۔ ص ۶۶۰)

اس توجیہہ پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بائبل کے مطابق اس شہر کا نام اس وقت بھی سڈوم تھا۔ جب لوط علیہ السلام نے وہاں سکونت اختیار کی تھی۔

"لُوط نے ترائی کے شہروں میں سکونت اختیار کی اور سڈوم کی طرف اپنا ڈیرہ لگایا۔"

(پیدائش۔ ۱۳/۱۳)

اس علاقے کی تباہی یوں ہوئی:

"تب خداوند نے اپنی طرف سے سڈُوم اور عمورہ پر آسمان سے گندھک اور آگ برسائی اور ان شہروں، اس وادی اور ان شہروں کے رہنے والوں کو زمین کی پیداوار سمیت تباہ کر دیا۔"

(پیدائش۔ ۱۹/۱۵)

فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۙ مُّسَوَّمَةً عِنْدَ رَبِّكَ ؕ (ہود: ۸۲-۸۳)

(پھر جب ہمارا حکم ہوا۔ تو ہم نے ان بستیوں کو تہہ و بالا کر دیا۔ ان پر آتش دیدہ مٹی کے ایسے گولے مسلسل برسائے۔ جن پر اللہ نے نشان لگا رکھے تھے)

مآخذ:۔ ۱۔ قرآنِ حکیم، ۲۔ بائبل۔ باب ۱۹، ۳۔ ڈاب۔ ص ۶۵۹

۱۵۸۔ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ

قرآن نے ایک ایسی بستی کی داستان بیان کی ہے۔ جس کے باشندوں کو اللہ نے سبت کے دن مچھلی کے شکار سے روک دیا تھا۔ پھر ہوا یوں کہ سبت کے دن مچھلیاں زیادہ ہو جاتیں اور باقی دنوں میں گھٹ جاتیں۔

وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ۘ إِذْ
يَعْدُوْنَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا
وَّيَوْمَ لَا يَسْبِتُوْنَ ۙ لَا تَأْتِيهِمْ ۚ كَذٰلِكَ ۚ نَبْلُوهُمْ بِمَا
كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ٥ (اعراف:١٦٣)

(ذرا ان سے اس بستی کا حال تو پوچھو۔ جو سمندر کے کنارے پہ واقع تھی اور اس کے باشندے سبت کا احترام نہیں کرتے تھے۔ اتفاق یہ کہ سبت کے دن مچھلیاں کافی تعداد میں سطح آب پہ آجاتیں۔ اور باقی دنوں میں غائب ہو جاتیں۔ دراصل ہم نے انہیں ان کی بدکاری کی وجہ سے ابتلا میں ڈال رکھا تھا)

یہ غالباً ان دنوں کا ذکر ہے۔ جب ساڑھے چھ لاکھ اسرائیلی بیابانِ تیہ میں خیمہ زن تھے، اور ان کے کچھ گروہ خلیج عقبہ کے قریب سکونت پذیر تھے۔

تفسیر ابن عباس میں اس آیت کے نیچے مرقوم ہے کہ:

اس سے مراد مدین ہے۔ لیکن صاحب جلالین اس سے اَیلہ مراد لیتے ہیں۔ جو عقبہ ہی کا ایک ساحلی قصبہ تھا۔

ماخذ:۔ ا۔جلالین۔، ۲۔تفسیر ابن عباس

۱۵۹۔اَلْقَرْيَتَيْنِ (دو بستیاں)

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ
عَظِيْمٍ ٥ (زخرف:۳۱)

(وہ بولے۔ کہ یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پہ کیوں نازل نہیں کیا گیا)

دو بستیوں سے مراد مکہ و طائف ہیں۔ اس وقت مکہ کا متمول ترین اور با اثر رئیس ولید بن مغیرہ تھا، اور طائف کا عروہ بن مسعود ثقفی۔

ملاحظہ ہوں:۔

ماخذ ا۔جلالین۔ص ۴۰۵، ۲۔ترجمۂ مولانا احمد رضا خان۔ص ۷۱۱

۱۶۰۔ قریش

قرآن حکیم کی سورت نمبر ۱۰۶ کا نام ہی قریش ہے۔

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ۔ الخ

باعتبارِ اشتقاق قُریش قَرش کی تصغیر ہے۔ جس کے ایک معنی ہیں:۔ جمع کرنا۔ کہتے ہیں۔ کہ:
جب پانچویں صدی کے آخر میں قریش کے ایک سردار قُصیٰ نے خُزاعہ سے کعبہ کی نظامت چھینی۔ تو تمام قبائل قریش کو، جونواحِ مکّہ کے پہاڑوں میں غربت کی زندگی بسر کررہے تھے اور ان کا گزارا تجارتی قافلوں کی بار برداری ومزدوری پہ تھا۔ مکّہ میں جمع کرلیا۔ اور اس اجتماع کی وجہ سے وہ قریش کہلانے لگے۔

قریش کا ایک اور مفہوم کسب اور کمائی ہے۔

ہم کہہ چکے ہیں۔ کہ یہ لوگ عموماً قافلوں کا بوجھ اٹھاتے تھے اور ان میں سے کچھ تجارت بھی کرتے تھے۔
''قریش'' اس مچھلی کو بھی کہتے ہیں۔ جو چھوٹی مچھلی کو کھا جاتی ہے۔ چونکہ یہ قبائل بڑے بہادر، جنگجو اور متحد تھے۔ اس لیے یہ قریش کے نام سے مشہور ہوگئے۔ (مُعجم۔ ج ۷، ص ۷۱)

بیشتر علمائے انساب کی رائے یہ ہے۔ کہ قُریش ان قبائل کے ایک جدّ کا نام تھا۔ جو فہر بھی کہلاتا تھا۔
اس کا شجرۂ اجداد یہ ہے:

فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ
بن مُدرِکہ بن الیاس بن مضر بن نزار
بن مَعَد بن عدنان بن ادّ بن اُدَد
بن ہمیع بن سلامان بن ثابت بن قیدار
بن اسماعیل بن ابراہیم

(نسب نامۂ رسول۔ ص ۸)

اور شجرۂ اولاد یہ:۔

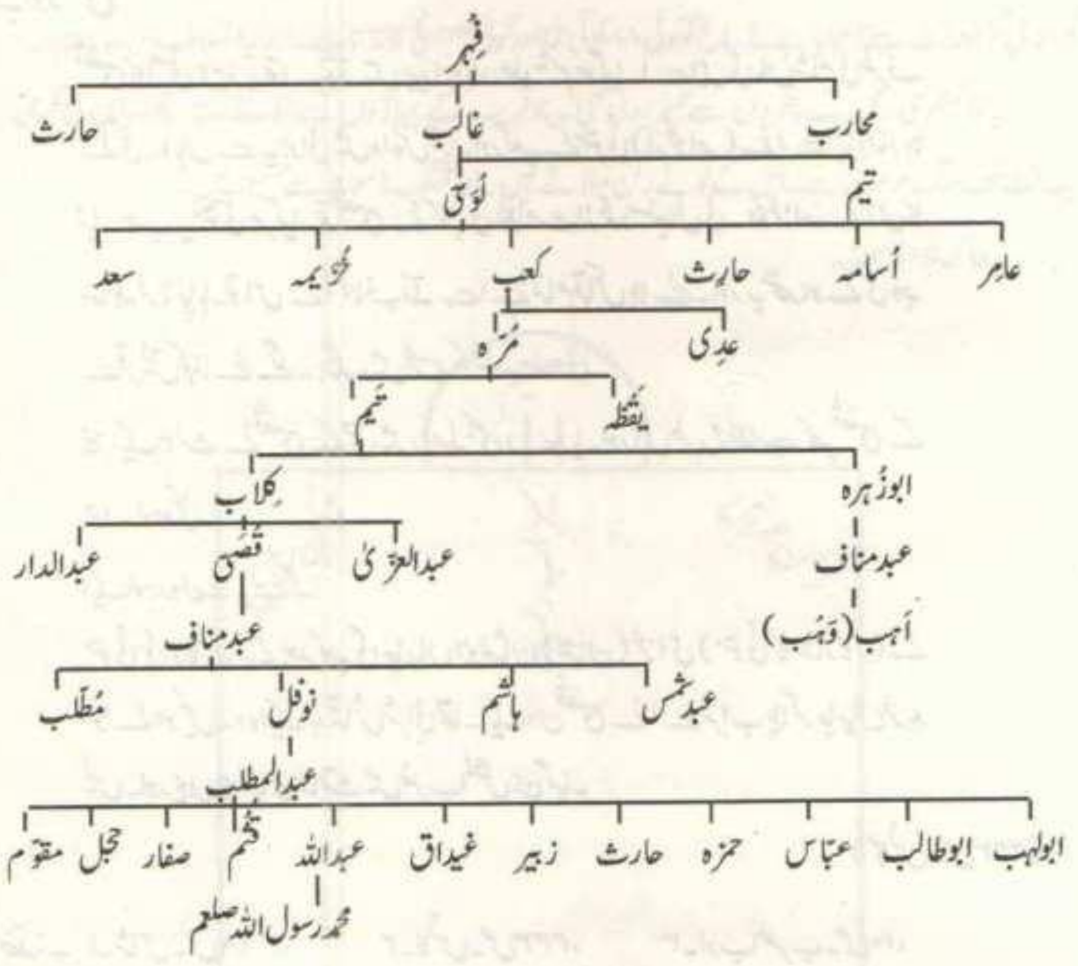

(ادب العرب۔ص ۴۰)

جب قُصَی نے اپنے قبائل کو کعبہ میں جمع کیا۔ تو چند ممتاز شاخوں، یعنی: زُہرہ۔ اسد۔ تیم۔ مخزوم۔ عدِی۔ جُماح اور سہم وغیرہ کو جوارِ کعبہ میں بسایا، اور یہ اَبطحی کہلانے لگے۔

مولانا مُعین الدین ندوی لکھتے ہیں کہ:

فاروق اعظمؓ کا تعلق عدی سے۔

حضرت خدیجہ الکبریٰ کا اسد سے۔

خالدؓ بن ولید کا مخزوم سے۔

عمرو بن عاص کا سہم سے۔

اور سعد بن ابی وقاص کا زُہرہ سے تھا۔ (مہاجرین۔ج۔۱،ص ۱۶)

قریش کے باقی قبائل مکہ کے کناروں پہ آباد ہوگئے اور یہ قریش الظواہر کہلاتے تھے۔ سپاہی اور غازی انہی سے نکلتے تھے۔ (شاس۔ص ۳۶۸)

کعبہ اور قُصَیّ

قُصَیّ کا اصلی نام زید تھا۔ یہ مکہ میں پیدا ہوا اور جلد یتیم ہوگیا۔ اسے اس کی ماں شام کی طرف لے گئی۔ وہاں سے یہ جوانی میں واپس آیا۔ اور کعبہ کے متوتی (از خزاعہ) نے اسے اپنا داماد بنا لیا۔ جب یہ متوتی مر گیا۔ تو قُصَیّ نے کعبہ کی نظامت از خود سنبھال لی۔ بنو خزاعہ نے اس کا مقابلہ کرنا چاہا۔ تو اس نے اکناف مکہ سے اپنے تمام قبائل بلا لیے۔ اور یہ متحد ہونے کی وجہ سے قریش کہلانے لگے۔ جنگ میں خزیمہ کو شکست ہوئی۔

نیز ایک ثالث نے قُصَیّ کے حق میں فیصلہ بھی دے دیا۔ اور اس طرح نظامتِ کعبہ قُصَیّ کے حوالے ہوگئی۔

ایک اور روایت یہ ہے کہ:

متوتی کی وفات کے بعد کعبہ کی چابیاں ابوغبشان (غبشان) خزاعی (متوتی کا مختار کار) کے حوالے ہوئیں۔ وہ ایک بد قماش شرابی تھا۔ ایک دن قُصَیّ نے اسے شراب پلا کر چابیاں خرید لیں۔ اور یوں ابوغبشان حماقت میں ضرب المثل بن گیا۔

(کانس۔ ص ۴۴۳)

مآخذ:۔ ا۔شاس۔ص ۳۶۸، ۲۔کانس۔ص ۴۴۳، ۳۔ادب العرب۔ص ۲۰،
۴۔مُعجم۔ج۔ا ص ۱۷، ۵۔نسب نامۂ رسول۔ص ۸، ۶۔مہاجرین۔ج۔ا ص ۱۶

ک

۱۶۱۔ کعبہ[1]

(نیز دیکھیے: بیت الحرام)

کعبہ ایک چوکوری عمارت ہے۔ جس کی موجودہ بلندی پچاس فٹ، لمبائی چالیس، اور چوڑائی پینتیس فٹ ہے۔ مولانا محمد مالک کاندھلوی، جو حرمین میں مدتوں رہے۔ اپنی کتاب تاریخ الحرمین (طبع ٹنڈو اللہ یار، ۱۳۹۰ھ، ص ۵۲) میں لکھتے ہیں کہ:

کعبہ کا موجودہ طول و عرض یہ ہے:۔

ا۔طول شمالاً جنوباً ۳۶ فٹ ۲۔عرض ۳۳ فٹ ۳۔اونچائی ۴۵ فٹ ہے۔

---

[1] اس عنوان کی بیشتر تفاصیل "بیت الحرام" میں آ چکی تھیں لیکن انھیں کچھ اضافوں کے ساتھ یہاں دُہرا دیا گیا ہے۔

دونوں بیانات میں کوئی نمایاں تضاد نہیں۔ پہلے مؤرخین ذراع سے ماپتے تھے، اور مولانا محمد مالک نے انگریزی گز اور فٹ سے کام لیا ہے۔ ذراع کو کوئی ۱۸، کوئی ۲۲ اور کوئی ۲۴ انچ کا بتاتا ہے۔ اور یہ اختلاف اسی بنا پر ہے۔

یہ خاکستری رنگ کے پتھروں سے تعمیر ہوئی تھی۔ جو قریب کے پہاڑوں سے نکالے گئے تھے۔ اس کی کرسی ایک فٹ تک سنگِ مرمر کی ہے۔ اس کے کونے رکن کہلاتے ہیں۔ اور مختلف ناموں سے مشہور ہیں۔

یہ خاکہ ملاحظہ ہو:۔

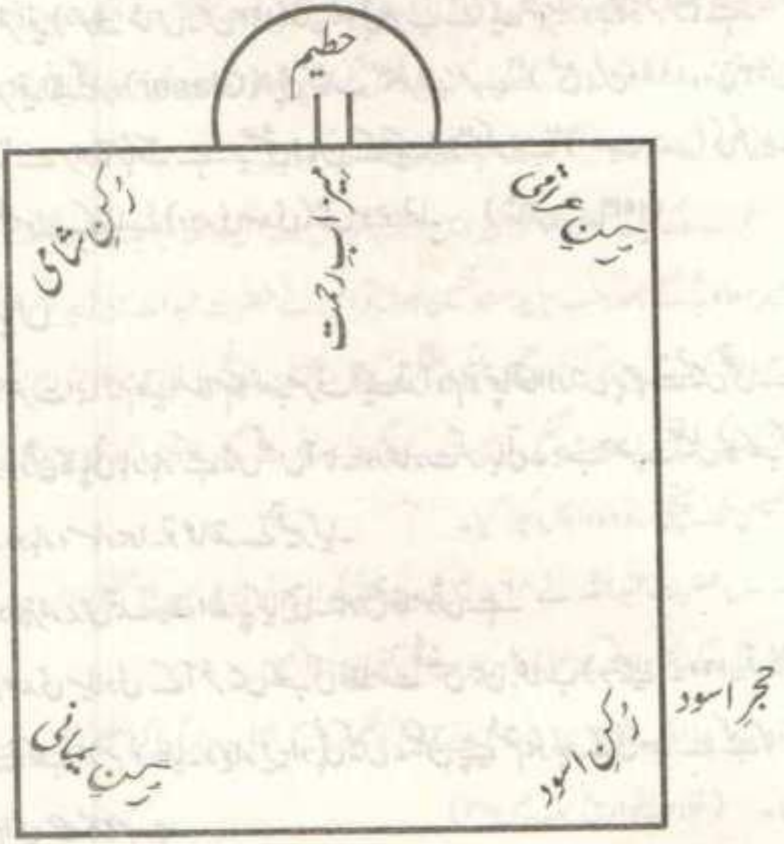

اندر تین ستون، کئی جھاڑ۔ نیز سونے اور چاندی کے چراغ دان ہیں۔ فرش سنگِ مرمر کا ہے۔ حجرِ اسود کئی چھوٹے چھوٹے پتھروں کا مجموعہ ہے۔ اس کے گرد پہلے سرخ پتھر اور پھر چاندی کا حاشیہ ہے۔ کعبے کا سنہری پرنالہ میزابِ رحمت کہلاتا ہے۔ یہ حجر الحطیم میں گرتا ہے۔

حطیم

کعبہ کی شمالی دیوار کے ساتھ ایک نیم قوسی دائرہ حطیم کہلاتا ہے۔ اس کی دیوار تین فٹ اونچی اور پانچ فٹ چوڑی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت ہاجرہ و اسماعیلؑ کو اسی مقام پہ بسایا تھا۔ اور وہ یہیں دفن ہوئے تھے۔ اس کی دیوار حطیم کہلاتی ہے اور گھری ہوئی جگہ حجر۔ درِ کعبہ کے قریب آج بھی ایک نشیب موجود ہے۔ جس میں

حضرت ابراہیم علیہ السلام گارا بناتے تھے۔ رکن عراقی کے قریب ایک چھوٹے سے گنبد کے نیچے وہ پتھر رکھا ہے، جس پہ کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام دیوار کعبہ اٹھایا کرتے تھے۔ اس پتھر پر ان کے آثارِ قدم آج بھی نظر آتے ہیں۔ مقام ابراہیم اسی کا نام ہے۔

(شاس۔ ص ۱۹۲)

تاریخ کعبہ

بطلیموس اپنے جغرافیہ (بحوالۂ شاس۔ ص ۱۹۳) میں جنوبی عرب کے ایک شہر مکرُوبہ کا ذکر کرتا ہے۔

جرمنی کا ایک جغرافیہ نگار گلیزر (Glaser) اپنی کتاب "جغرافیۂ عرب" (طبع برلن ۱۸۹۰ء، ج ۲، ص ۲۳۵) میں لکھتا ہے۔ کہ "مکروبہ" سے مراد غالباً مکہ ہے۔ یہ حبشی زبان کے ایک لفظ "مِکراب" (معبد۔ مندر) کی تحریف ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ کعبہ بطلیموس کے زمانے (دوسری صدی) میں موجود تھا۔ (شاس۔ ص ۱۹۳)

تعمیرِ کعبہ میں تبدیلیاں

کہتے ہیں۔ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا کعبہ صرف ایک قد آدم اونچا تھا اور اس پر چھت نہیں تھی۔ نیچے کرسی بھی نہیں تھی۔ نتیجہ یہ کہ بارش کا پانی بار بار کعبے میں گھس آتا۔ اور عمارت گر جاتی۔ جب حضرت خلیل کا کعبہ گر گیا۔ تو اسے بنوجُرہم نے بنایا۔ دوبارہ مسمار ہوا۔ تو عمالقہ نے تعمیر کیا۔

عمالقہ کے بعد دو ہزار برس تک بیت اللہ پہ کیا بیتی۔ تاریخ خاموش ہے۔

جب پانچویں صدی میلادی کے آخر میں کعبہ کی نظامت قُصَیّ بن کِلاب (دیکھیے:۔ ۱۶۰۔ قریش) کے حوالے ہوئی۔ تو اس نے کعبہ کو از سرِ نو بنایا۔ دیواریں اونچی کیں۔ لیکن پیسے ختم ہو جانے کی وجہ سے کعبے کا ایک حصہ بے تعمیر رہنے دیا۔ حطیم اسی حصے کا نام ہے۔

قُصَیّ کے بعد اس کا بھائی عبدالدار اس خدمت پہ مقرر رہا۔ لیکن قصی کی اولاد اسے اپنا حق سمجھتی تھی۔ اس لیے کش مکش شروع ہو گئی۔

بالآخر ثالثوں نے فیصلہ یہ کیا کہ:

کلید کعبہ اور دارالندوہ آل عبدالدار کے پاس رہے۔

اور حجاج کی مہمانی۔ نگرانی اور آب رسانی عبد مناف بن قصی کے سپرد ہو۔

چنانچہ عبد مناف کے بعد ہاشم۔ پھر عبدالمطلب اور بعد ازاں عبداللہ ان خدمات کو سرانجام دیتے رہے۔

تعمیرِ قریش

یہ غالباً ۵۹۵ء کا واقعہ ہے کہ ایک عورت کعبہ کے اندر بخور جلا رہی تھی کہ غلاف کعبہ کو آگ لگ گئی۔ اور سب کچھ جل گیا۔ قریش نے اسے از سر نو تعمیر کیا۔ جب حجرِ اسود کو نصب کرنے کا وقت آیا تو ہر قبیلہ یہ اعزاز حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بالآخر فیصلہ یہ ہوا۔ کہ:

جو شخص سب سے پہلے بابِ صفا سے حرم میں داخل ہو۔ اسے ثالث بنایا جائے۔

اتفاقاً وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس تھی۔ آپ ﷺ نے ایک چادر منگوائی۔ اس میں حجرِ اسود رکھا۔ اور تمام قبائل کے نمائندوں سے کہا۔ کہ چادر کو مل کر اوپر اٹھاؤ۔ جب حجرِ اسود اپنے مقام تک پہنچا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے نکال کر دستِ مبارک سے نصب کر دیا۔

عرب کے ایک مشہور شاعر ہُبیرہ بن وہب مخزومی نے اس واقعہ پر ایک قصیدہ لکھا۔

امیر معاویہؓ کے بعد جب یزید مسند نشین ہوا۔ تو اس نے حضرت عبداللہ بن زُبیر کو گرفتار کرنے کے لیے ایک لشکر بھیجا۔ عبداللہ کعبہ میں پناہ گیر ہو گئے۔ لیکن لشکر کے قائد حُصین بن نُمیر نے حرم کا احترام نہ کیا۔ اور منجنیق سے اتنے پتھر پھینکے کہ کعبہ کی دیواریں پھٹ گئیں۔ چھت کے کچھ بالے ٹوٹ گئے۔ اور ساتھ ہی یزید کا چراغ حیات گل ہو گیا۔ جب یہ خبر حصین تک پہنچی۔ تو وہ واپس چلا گیا۔

بعد میں حضرت عبداللہ نے ۶۴ھ میں بیت اللہ کو از سر نو بنایا۔ بعد از تکمیل اس پر ریشمی غلاف چڑھایا۔ ستونوں کو سونے کے پتروں سے سجایا۔ اور سونے کی کنجیاں بنوائیں۔

بعد میں عبدالملک (۶۵۔۸۶ھ) نے حجاج کو حکم دیا۔ کہ شمالی دیوار گرا کر حطیم کو کعبہ سے نکال دے۔ اور اس نے تعمیل کی۔ (خلاصۂ تواریخ مکہ۔ ص ۳۰)

۱۰۳۹ھ میں سیلاب کی وجہ سے حرم پھر گر گیا۔ اس وقت سلطان مراد خان (ترکی میں) برسرِ اقتدار تھا۔ اس نے اس ایک دفعہ اور تعمیر کرایا۔

آرائشِ کعبہ

حرم کی آرائش میں مختلف اشخاص نے حصہ لیا۔ مثلاً:۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا عبدالمطلب (۵۷۸ء) نے کعبہ میں سونے کے دو ہرن رکھ دیے۔ جو کسی وقت ساسانی خاندان کے جدِ اکبر ساسان (۲۲۶ء) نے بھیجے تھے۔

۲۔ سونے کا پرنالہ ۹۸۱ھ میں سلیم ثانی عثمانی (۹۸۲ھ) نے پیش کیا تھا۔ (ڈاس۔ ص ۲۵۷)

۳۔ خلیفہ ولید (۸۶۔۹۶ھ) نے تیس ہزار دینار کے صرف سے ستونوں اور دروازوں پر بھی سونے کے پترے لگوائے۔

۴۔ امین بن ہارون عباسی (۱۹۳۔۱۹۸ھ) نے مزید اٹھارہ ہزار دینار خرچ کر کے سونے کے پتروں میں اضافہ کیا۔

۵۔ مقتدر عباسی (۲۹۵۔۳۲۰ھ) کی والدہ نے ستونوں پہ سونے کے خول چڑھائے۔

۶۔ مصر کے ایک والی ملک ناصر ایوبی (۵۶۴۔۵۸۹ھ) نیز ہند، ترکی اور یمن کے کئی سلاطین نے اس کے حُسن میں اضافہ کیا۔ (خلاصۂ تواریخ مکہ۔ص۳۰۔۳۲)

غلافِ کعبہ

یمن کے ایک تبّع ابُو کرب[ل] اسعد (۴۰۰۔۴۲۵ء) نے سب سے پہلے کعبہ کو یمنی چادر کا ایک غلاف پہنایا۔ حضور ﷺ بھی انہی چادروں کا غلاف تیار کراتے تھے۔ فاروقِ اعظمؓ نے مصری کپڑے کو ترجیح دی۔ امیر معاویہؓ نے دیبا کو انتخاب کیا۔ اس کے بعد ہر سال دیبا کا غلاف آتا رہا۔ جب خلافت عباسیہ کو زوال آیا۔ تو غلاف کبھی مصر اور کبھی یمن سے آنے لگا۔ اس کے بعد سلاطین عثمان نے یہ کام اپنے ذمے لے لیا۔

سلیمان دوم عثمانی (۱۰۹۹ھ۔۱۱۰۲ھ) کے زمانے میں غلاف مصر سے جانے لگا اور یہ سلسلہ آج تک قائم ہے۔

۱۹۶۲ء میں پاکستان نے غلاف بھیجا تھا۔

ماخذ:۔ ۱۔خلاصۂ تواریخ مکہ۔ص۲۴۔۳۴، ۲۔طبقاتِ سلاطین اسلام۔متفرق، ۳۔ڈاس۔ص۲۵۷، ۴۔شاس۔ص۳۔۱۹۲،

ل

۱۶۲۔لات

(نیز دیکھیے: ۱۴۵۔''عُزّیٰ'')

یاقوت حموی لکھتا ہے (معجم۔ج۷،ص۱۱۸) کہ لات بنو ثقیف کے ایک فیاض، بہادر اور مہمان نواز آدمی کا نام تھا۔ جب وہ مر گیا۔ تو قبیلے کو بہت صدمہ پہنچا۔ اس پر بنُو خُزاعہ (جو بنو جرہم کو شکست دے کر کعبہ کے متولی بن گئے تھے) کے ایک فیاض سردار عَمرو بن لُحی نے اعلان کیا کہ مرحوم کی روح فلاں چٹان میں داخل ہوگئی ہے۔

[ل] یاقوت حموی معجم ج ۷ ''کعبہ'' کے تحت لکھتا ہے کہ غلاف چڑھانے والے تبع کا نام مالک بن عجلان تھا۔

روایت ہے۔کہ:

طائف کا ایک آدمی طائف میں ایک چٹان پہ بیٹھ کر حاجیوں کو گھی اور دودھ بیچا کرتا تھا۔عمرو کا اشارہ اسی چٹان کی طرف تھا۔لوگوں نے اس چٹان کا طواف شروع کر دیا۔پھر رفتہ رفتہ اس پر ایک صنم نصب ہو گیا، اس پر چھت ڈال دی گئی اور اس کا نام اللات رکھ دیا گیا۔شروع میں تمام عرب اس کی عبادت کرتے تھے۔بعد میں یہ صرف ہوازن کے لیے مخصوص ہو گیا۔لوگ اس کی قسمیں کھاتے اور اس کی طرف منسوب ہونے پہ ناز کرتے تھے۔

لات ان کے نام کا بھی جزو بن گیا تھا۔مثلاً:

☆ زید اللات

☆ تیم اللات اور

☆ حارث اللات

شاس (ص ۲۸۷) اسے آل الاحات (سورج دیوتا) کی تحریف سمجھتا ہے۔فتح مکہ کے بعد آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان بن حرب اور مغیرہ بن شعبہ کو لات کی تباہی کا حکم دیا۔انہوں نے تعمیل کی، اور جہاں لات گرا تھا۔وہاں جلد ہی ایک مسجد بن گئی۔

ماخذ:۔ ۱۔معجم۔ج ۷ "اللات"، ۲۔شاس۔ص ۲۸۷، ۳۔ڈاس۔ص ۲۸۵،

۱۶۳۔لُقمان

قرآن میں اللہ نے لقمان کے متعلق صرف اتنا ہی کہا ہے۔کہ:

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا لُقْمٰنَ الْحِکْمَةَ (لقمان)

"ہم نے لقمان کو حکمت (دانش۔فلسفہ۔علم) سے نوازا تھا۔"

اور یہ نہیں بتایا کہ وہ کون۔کیا۔کہاں کا رہنے والا اور کس زمانے سے تعلق رکھتا تھا؟ اس کے متعلق علمائے اسلام نیز محققین یورپ نے کچھ نہ کچھ لکھا ہے۔مثلاً:

علمائے اسلام کی تصریحات

محمد بن اسحاق مدنی (۱۵۰ھ) کی رائے یہ ہے۔کہ:

لقمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ناحور کا پوتا اور باعور کا فرزند تھا۔لقمان بن باعور بن ناحور بن آزر۔

وہب بن وہب بن کثیر القرشی المدنی (۲۰۰ھ) کا خیال ہے کہ یہ حضرت ایوب کا بھانجا تھا۔

مقاتل بن سلیمان ازدی خراسانی (۱۰۵ھ) اسے حضرت ایوبؑ کا خالہ زاد بھائی قرار دیتا ہے۔ (جلالین۔ص ۳۴۴)

مدینہ کے ایک مؤرخ واقدی (۱۳۰۔۲۰۷ھ) کی رائے میں آپ بنو اسرائیل کے قاضی تھے۔

یہ بھی روایت ہے۔ کہ:

آپ کی عمر ایک ہزار برس تھی۔ اور آپ حضرت داؤد علیہ السلام کے معاصر بھی رہے۔

(ترجمہ مولانا احمد رضا خان۔ حاشیہ ص ۵۹۷)

کتاب الہدیٰ کے مصنف مولانا یعقوب الحسن نے شعرائے جاہلی کے کلام سے لقمان حمیری کا سراغ لگایا ہے۔ اس کے متعلق عاد ثانیہ کے ایک سردار سُمیدع بن زبیری کرکری نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے کہا تھا کہ:

سِیرُوا بِنَا الٰی ھٰذَا الْمَلِکِ الْحِمیَرِیْ لُقْمَان بِنْ عَادٍ فَاِنَّ عِنْدَہٗ رُشْدًا وَّ سِدَادًا وَّ صِلَاحًا لِّلْعِبَادِ۔

(آؤ ہم اس حمیری بادشاہ لقمان بن عاد کے یہاں چلیں۔ کہ اس سے ہدایت۔ راستی اور بندوں کی بہبود کا سبق ملتا ہے)

اسی کے متعلق ایک اور شاعر نے کہا تھا:

قَدْ قَامَ مِنْ حَمِیْرٍ ذوالرَّشَادِ لُقْمَانُھَا فَقَدْ ھَدَاہُ الْھَادِیْ فَغَیَّرَ الْمُنْکَرِ بِالسِّدَادِ۔

(حمیرؔ میں ایک صاحبِ ہدایت پیدا ہوا ہے۔ جسے اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اور اس نے بدی کو نیکی سے بدل دیا ہے)

کہتے ہیں کہ یمن کے قبیلۂ بنو لقمان کا جدِ اوّل تھا۔ سلمٰی بن ربیعہ کے ایک قصیدے میں اسی قبیلے کا ذکر ہے۔

وَاَھْلُ جَاشٍ وَّ مارِبٍ

وحی لقمان و التقون

(اہل جاش و مارب۔ قبیلۂ لقمان اور تیر انداز قبائل سب کے سب مٹ گئے ہیں)

(کتاب الہدیٰ۔ص ۳۷۹)

علمائے یورپ کی رائے

علمائے یورپ کے ایک گروہ اور خصوصاً سیل کا خیال یہ ہے۔ کہ:

لقمان سے مراد یونان کا ایک فلسفی ایسپ (Aesop) ہے۔ جو بعض روایات کے مطابق ایک نہایت بدصورت کبڑا غلام تھا جسے لوگ اپنے شریر بچوں کو ڈرانے کے لیے خریدا کرتے تھے۔ اس کے آخری آقا نے اس کے اَمثال و مواعظ سے متاثر ہو کر اسے آزاد کر دیا۔ اور لیڈیا (ترکی کا جنوب۔ مغربی کونہ) کے ایک بادشاہ کراسس (Croesus) نے اسے اپنے ہاں بلا لیا۔ اور کچھ عرصے کے بعد اسے اپنے افکار کی تبلیغ کے لیے اپالو کے معبد میں بھیج دیا۔ اپالو یونانیوں کا ایک دیوتا تھا۔ جو خدائے نور کے نام سے مشہور تھا۔ اس کا مندر یونان کے ایک شہر ڈلفی (Delphi) میں تھا۔ وہاں اپالو کے پجاریوں نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی ولادت ۶۲۰ ۔ق م اور وفات ۵۶۰ ق م میں ہوئی تھی۔ (کامپٹن انسائیکلوپیڈیا۔ ج۔ ا، ص ۳۰)

اس کی امثال انگلستان کے ایک فاضل Borris Artzy Basheff نے ۱۹۴۸ء میں ایڈٹ کی تھیں۔

پروفیسر گب نے مختلف مآخذ، مثلاً:۔

ابن اثیر۔ الکامل۔

ثعلبی۔ قصص الانبیاء۔

جیگر۔ Was That Muhammad?

جے۔ واکر۔ Not The Quranic Word وغیرہ کی بنا پر لقمان کے متعلق ایک خاصہ علمی مقالہ لکھا ہے۔

جس کا ملخص یہ کہ:

لقمان کی داستان تین مراحل سے گزری ہے۔

پہلا مرحلہ

پہلا مرحلہ روایات قبل از اسلام کا تھا۔ جن میں لقمان کو ایک طویل العمر بزرگ، حکیم اور بہادر کی حیثیت سے پیش کیا گیا تھا۔

ابو حاتم سجستانی اپنی تصنیف کتاب المُعَمَّرین میں لکھتا ہے۔ کہ:

خضر علیہ السلام کے بعد لقمان کی عمر سب سے لمبی تھی۔ اور یہ ہزار برس تک زندہ رہا۔

آر۔ باسیٹ (R. Basset) نے لقمان پہ ایک کتاب لکھی تھی۔ جو پیرس سے ۱۸۹۰ء میں شائع ہوئی۔

اس میں اس نے ان شعراء کا ذکر کیا ہے۔ جو یا تو عہد جاہلیت سے تعلق رکھتے تھے۔ اور یا اوائل اسلام سے۔ مثلاً:

☆ طَرَفہ

☆ لبید

☆ الاعشیٰ

☆ اِمرَءُ القیس

لبید اور امراءُالقیس اسے عاد کا بیٹا سمجھتے ہیں۔ طَرَفہ کے ہاں وہ قمار باز بھی تھا۔ لیکن یہ ایک ایسا الزام ہے۔ جس کی تائید کہیں سے نہیں ہوتی۔

روایاتِ عرب کے مطابق لقمان پہلا مُقنّن ہے۔ جس نے چوری کی سزا قطع ید (ہاتھ کاٹنا) اور زنا کی رَجم (سنگسار کرنا) تجویز کی تھی۔ اس نے اپنی فاحشہ بیوی کو رَجم ہی سے ہلاک کیا تھا۔

طَبری (۳۱۰ھ) اور ابُو الفدا (۷۳۲ھ) کا خیال ہے کہ یہ یمن کا بادشاہ تھا۔

دوسرا مرحلہ

دوسرے مرحلے پر لقمان کو اَمثال کا خالق قرار دیا گیا۔

قرآن نے بھی اس کی چند امثال کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

وَاقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ ط اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ (لقمان۔۱۹)

(چال درمیانی اور آواز کو دھیما رکھ۔ کہ گدھے کی آواز سب سے بُری ہوتی ہے)

کیمبرج کے ایک پروفیسر رینڈل ہیرس (۱۸۵۲۔۱۹۴۱ء) نے ایک اور روایاتی حکیم و فلسفی "اَحیقار" کی داستان (Story of Akhikar) لکھی تھی۔ اس میں وہ اس بات پہ کئی دلائل دیتا ہے۔ کہ اَحیقار ہی قرآن کا لقمان تھا۔ اس سلسلے میں وہ اَحیقار کے کئی ایسے اقوال پیش کرتا ہے۔ جو قرآن سے ملتے جلتے ہیں۔ مثلاً:۔

"سر جھکا کے چلو۔ دھیمی آواز میں بولو۔ کیونکہ اگر بلند آواز سے گھر بن سکتا۔ تو گدھا ہر روز دو گھر بنا لیتا۔" (شاس۔ص۲۸۹)

مسلمانوں میں کتنے ہی مصنفین ہیں۔ جنہوں نے اَمثال (اقوال زریں) جمع کیں۔ اور جس قول کو چاہا لقمان کی طرف منسوب کر دیا۔

وہب بن مُنَبّہ (۳۴۔۱۱۴ھ) صنعاء (یمن) میں قاضی تھا۔ اور اسے ہزار ہا روایات (عربی۔ اسرائیلی

وغیرہ) اَزبَر تھیں۔اس کی طرف یہ مبالغہ آمیز دعویٰ منسوب ہے کہ:

''میں نے اَمثالِ لقمان کے دس ہزار ابواب پڑھے ہیں'' (شاس۔ص ۲۸۹)

ثعلبی نیشاپوری (۴۲۷ھ) کی ''مجالس'' میں ایک باب حکمت لقمان پر ہے۔اس کی چند اَمثال ملاحظہ فرمائیے:۔

۱۔ اپنے بچّے کو معاف نہ کرو۔اس کے لیے بید کی ضربیں اتنی ہی مفید ہیں۔جتنی باغ کے لیے کھاد یا بیج کے لیے پانی۔

۲۔ دوست سے دوستی اسی حد تک نبھاؤ۔کہ اللہ ناراض نہ ہونے پائے۔

۳۔ بیمار ہونے سے پہلے طبیب سے مشورہ کرو۔

کہتے ہیں کہ لقمان حضرت داؤد علیہ السلام (۱۰۱۵قم) کا وزیر تھا۔اور تین سال بعد تک زندہ رہا۔

تیسرا مرحلہ

تیسرے مرحلے پر لقمان پہلے اَمثال طراز پھر اَمثال نگار کی حیثیت سے ہمارے سامنے آتا ہے۔

جب یونانی ایسَپ کی دانش مشرق میں پھیلی۔تو اس کی کئی حکایات و امثال لُقمان کی طرف منسوب ہوگئیں۔ قدیم عربی روایات کی رُو سے لقمان ایک حکیم و فلسفی تھا۔لیکن بعد کی روایات میں بعض نے اسے ایک بدصورت یونانی یا حبشی غلام بنادیا۔اور کسی نے اسے ترکھان۔درزی اور گڈریا کہہ دیا۔قدیم عرب اسے صرف اَمثال طراز سمجھتے تھے۔ لیکن قرونِ وسطیٰ میں جانوروں کی زبانی حکایات Fables بھی اس کی طرف منسوب ہوگئیں۔پہلے وہ اَمثال کا قولی مصنّف تھا۔لیکن بعد میں اسے امثال نگار بنادیا گیا۔

کئی برس پہلے ایسپ کی اکتالیس کہانیاں۔ایک فرانسیسی پروفیسر ڈیرن برگ Deren Bourg (۱۸۴۴۔۱۹۰۸ء) نے پیرس سے شائع کی تھیں۔ان کا مخطوط ۱۲۹۹ء سے تعلق رکھتا ہے۔ظاہر ہے کہ یہ کہانیاں صدیوں سے دنیا میں رائج ہوں گی جب یہ ثعلبی،مَیدانی اور دیگر مسلم اَمثال نگاروں تک پہنچیں۔تو انہوں نے ایسَپ کو لقمان سمجھ کر کئی حکایات اس کی طرف منسوب کردیں۔

بعض مفسّرین نے لقمان کو عہدِ موسیٰ کا بلعَم باعور قرار دیا ہے۔

چند محققین مغرب مثلاً:۔

ڈیرن برگ،ایڈورڈ میئر اور بیسِٹ (شاس۔ص ۲۹۰) کی رائے بھی یہی ہے۔بلعَم عراق میں پیدا ہوا اور مَدیَن میں جابسا۔وہاں ایک روایت کے مطابق یہ بادشاہ بن گیا۔ (گنتی۔۸/۳۱)

اسے اللہ نے پیش بینی و پیش گوئی کی طاقت سے نواز رکھا تھا۔ (گنتی۔۵/۲۲)

اور انبیاء میں شمار ہوتا تھا۔

جب بنو اسرائیل موآب (بحیرۂ مردار کے مشرقی ساحل پہ ایک ضلع) کے میدان میں خیمہ آرا ہوئے۔ تو شاہ موآب نے بلعم کو بلایا کہ وہ بنو اسرائیل کے لیے بددُعا کرے۔ پہلے تو اس نے دو دفعہ انکار کیا۔ لیکن تیسری مرتبہ چل پڑا۔ اور شاہ موآب کو مشورہ دیا۔ کہ وہ عورتوں کو اسرائیلی خیموں میں کام کاج کی اجازت دے دے۔ ہوسکتا ہے۔ کہ اسرائیلیوں کی ایک خاصی تعداد ان پہ مائل ہو کر بدکاری کی طرف راغب ہو جائے اور پٹ جائے۔

یہ سکیم کامیاب رہی۔ انہوں نے بدکاری کی۔ اللہ کا غضب ان پہ بھڑکا۔ چنانچہ ان میں ایک وبا پھوٹ پڑی اور چوبیس ہزار اسرائیلی ہلاک ہو گئے۔ (گنتی۔۲۵)

اس حرکت کا انتقام لینے کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مدین پہ حملہ کیا اور بلعم اس جنگ میں ہلاک ہو گیا۔

ماخذ:۔ ۱۔ تفسیر طبری، طبع قاہرہ ۱۳۲۱ھ، ج۔۲۱، ص ۳۹۔۵۰،

۲۔ ثعلبی۔ قصص الانبیاء۔ طبع قاہرہ ۱۳۲۵ھ، ص ۲۲۰۔۲۲۲، ۳۔ شاس۔ ص ۲۸۹،

۴۔ جلالین۔ ص ۳۴۴، ۵۔ ترجمۂ قرآن۔ احمد رضا خان۔ حاشیہ ص ۵۹۷،

۶۔ کتاب الہدیٰ۔ ص ۳۷۹ ۷۔ ڈاب۔ ص ۷۱، ۸۔ ڈاس۔ ص ۳۹۱،

۹۔ قرآن شریف، ۱۰۔ بائبل، ۱۱۔ کامپٹن۔ انسائیکلوپیڈیا

۱۶۴۔ لُوطؑ

حضرت لوط علیہ السلام کا ذکر قرآن مجید میں اٹھائیس دفعہ آیا ہے۔ آپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔ شجرہ یہ ہے:۔

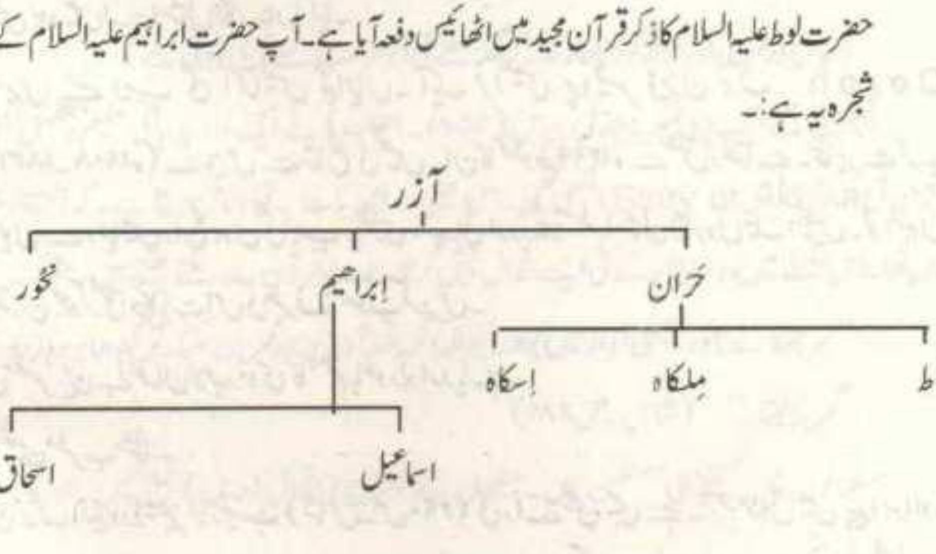

آپ کی دو بہنیں تھیں ۔ مِلکاہ اور اِسکاہ۔ دونوں کی شادیاں اپنے حقیقی چچوں سے ہوئی تھیں ۔(دین ابراہیمؑ میں یہ چیز جائز تھی)۔

ملکاہ کا نکاح نُحور سے ہوا۔ اور اِسکاہ (جسے اکثر شارحین تورات سارہ کا مترادف سمجھتے ہیں) کا حضرت ابراہیمؑ سے۔

ابھی آزر کا خاندان اُور (بابل۔عراق) ہی میں تھا۔ کہ لُوط کے والد فوت ہو گئے اور لُوط کو دادا نے اپنی تربیت میں لے لیا۔ جب بابل میں چاند کی پرستش ختم ہوگئی۔تو آزر اپنے سارے خاندان کو لے کر شام کے ایک شہر حَران (آج کل تُرکی میں ہے) میں چلا گیا۔ جہاں چاند۔دیوی کا بہت بڑا معبد تھا۔ (پیدائش۔۱۱/۳۱)

آزر کی وفات کے بعد لوط وابراہیم علیہم السلام کنعان کی طرف نکل گئے اور وہاں بیت ایل (یوروشلم سے دس میل شمال مشرق کی طرف) میں جا ٹھہرے۔ (پیدائش۔۱۲/۸)

کچھ عرصہ بعد وہاں کال پڑ گیا۔اور یہ دونوں مصر کو روانہ ہو گئے۔ جب کال ختم ہو گیا تو یہ کنعان میں واپس آ گئے۔ چونکہ ان کے پاس سیم وزر کے علاوہ بڑے بڑے ریوڑ بھی تھے اور بیت ایل کے نواح میں اتنا چارہ نہ تھا۔ نیز ان کے چرواہے آپس میں جھگڑتے رہتے تھے۔اس لیے ان دونوں نے طے کیا کہ ابراہیم علیہ السلام تو حبرَون میں رہیں اور لُوطؑ اُردُن کی ایک سرسبز وادی میں چلے جائیں۔ جہاں کے مشہور گاؤں سدُوم اور عَمورہ تھے۔

(پیدائش۔۱۳/۱۱)

یہ علاقہ کئی چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ان کے والی ہمیشہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ جب حضرت لوط علیہ السلام وہاں مقیم ہوئے تو ایسا ہی ایک معرکہ پیش آیا۔ایک طرف سدُوم اور نواحی علاقے کے پانچ بادشاہ تھے۔اور دوسری طرف عیلام۔ جوئیم وغیرہ کے چار حملہ آور۔ سدُوم کو شکست ہوئی اور حملہ آور بے شمار مال و اسباب، ریوڑ اور قیدی لے کر واپس چل پڑے۔ان قیدیوں میں حضرت لوط بھی شامل تھے۔ جب یہ خبر حضرت ابراہیم علیہ السلام تک پہنچی۔تو آپ نے ۳۱۸ مشاق اور بہادر خانہ زادوں (پیدائش۔۱۴/۱۴) کے ساتھ حملہ آوروں کا تعاقب کیا اور دمشق کے قریب خُوبہ (لبی) میں انہیں جا لیا۔ان سے لوٹ کا مال بھی چھینا۔اور حضرت لوط علیہ السلام کو بھی چھڑا لائے۔ (پیدائش۔۱۴/۱۶)

چونکہ سدُوم کے لوگ نہایت بدکار تھے۔اور کوئی بات سننے کے لیے آمادہ نہ تھے۔اس لیے اللہ نے لوطؑ کی طرف دو فرشتے بایں پیغام بھیجے کہ اس بستی کو فوراً خالی کر دو، کہ میں اسے تباہ کرنے والا ہوں۔

جب یہ وہاں سے نکل کر قریب کی ایک بستی صُغر میں پہنچے۔تو سدُوم اور عمورہ وغیرہ پر آگ اور گندھک برسنے لگی۔اور سب کچھ تباہ ہو گیا۔ (پیدائش۔۱۹/۲۴۔۲۵)

پیپلز انسائیکلو پیڈیا (ص ۶۵۶) میں اسے ۲۲۵۰ ق م کا واقعہ بتایا گیا ہے۔ لیکن کمپینین (ص ۱۸۲) اسے دو سو سال بعد کا حادثہ قرار دیتا ہے۔

طبری نے زوجۂ لوطؑ کا نام واعلہ یا ھلسا کا بتایا ہے۔ بڑی بیٹی کا ریث۔ چھوٹی کا راریہ یا ضغر یا روایہ لکھا ہے۔ (شاس۔ ص ۲۹۰)

مسکنِ لوطؑ

ساحل قلزم کے ساتھ ساتھ حجاز سے شام جاتے ہوئے سب سے پہلے حجر آتا ہے۔ جسے آج کل مدائن صالح کہتے ہیں۔ آگے ایک جنگل ہے جو ایکہ کے نام سے مشہور تھا۔ اس کے پاس ہی تبوک ہے۔ اور اوپر اندازاً اڑھائی سو میل شمال میں بحیرۂ مُردار۔ جس کے جنوبی ساحل پر سدوم کی وادی تھی۔ اس کی چار بستیاں یعنی: سدوم۔ عمورہ۔ آدمہ اور زبائیم بارانِ آتش سے تباہ ہوگئی تھیں۔ قرآن نے اس شاہراہ کو جو یمن سے حلب تک جاتی ہے۔ ''امامِ مُبین'' (بڑی شاہراہ) کہا ہے۔ (حجر: ۷۹)

اسی شاہراہ پر حجاز ریلوے تعمیر ہوئی تھی۔ جو مدینہ سے نکل کر پہلے حجر پھر تبوک، اور بعد ازاں دمشق کو جاتی تھی۔ (کتاب الہدیٰ۔ ص ۴۶۲)

وَلُوطًا اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّعِلْمًا وَّنَجَّيْنٰهُ مِنَ الْقَرْيَةِ الَّتِىْ كَانَتْ تَّعْمَلُ الْخَبٰٓئِثَ ؕ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمَ سَوْءٍ فٰسِقِيْنَ ۙ

(انبیاء: ۷۴)

(ہم نے لوط کو علم و دانش سے نوازا اور اسے ایک خبیث بستی سے نجات دی۔ اس بستی کے لوگ فاسق و بدکار تھے)

مآخذ: ۱۔ بائبل، ۲۔ پیپلز۔ ص ۶۵۶، ۳۔ کمپینین۔ ص ۱۸۲، ۴۔ شاس۔ ص ۲۹۰
۵۔ کتاب الہدیٰ۔ ص ۴۶۲، ۶۔ ڈاس۔ ص ۲۹۹، ۷۔ قرآن شریف

۱۶۵۔ لَيْلَةُ الْقَدْرِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِىْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ صلے (قدر: ۱)

(ہم نے نزول قرآن کا آغاز لَيْلَةِ الْقَدْرِ میں کیا)

اس آیہ کے تحت مصر کے مشہور فاضل و محقق علامہ جوہری طنطاوی (۱۹۶۰؟) لکھتے ہیں کہ:

قدر کے معنی تعیین۔ اندازہ اور عظمت ہیں۔ چونکہ قرآن حکیم ان اصولوں کی وضاحت کرتا ہے۔ جن کا لازمی نتیجہ انسانی عظمت۔ فلاح۔ آسودگی اور سکون قلب ہے اور ان منازل رفیعہ کا پتہ دیتا ہے۔ جو حیاتِ انسانی کا نصب العین ہیں۔ اس لیے وہ رات بہت بڑی رات ہے جس میں نزول قرآن کی ابتدا ہوئی تھی۔

ساتھ ہی فرماتے ہیں کہ:

ہر شب، شبِ قدر بن سکتی ہے۔ اگر اسے عبادت (ذکر و تسبیح) میں بسر کیا جائے۔

(الجواہر۔ ج ۲۵، ص ۲۴۷)

لَيْلَةُ الْقَدْرِ کا موضوع اتنا اہم ہے کہ حدیث کے تقریباً ہر مجموعے میں اس پر متعدد احادیث ملتی ہیں۔ چند ایک یہ ہیں:۔

۱۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ کو رمضان کے آخری عشرہ کی طاق تاریخوں (۲۱۔ ۲۳۔ ۲۵۔ ۲۷۔ ۲۹) میں تلاش کرو۔ (بخاری)

۲۔ فرمایا: میرے پاس ایک فرشتہ آیا۔ اور اس نے بتایا کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے۔ (بخاری و مسلم)

۳۔ فرمایا: جو شخص ہر رات عبادت کرے۔ وہ شب قدر کو پالے گا۔ (مسلم)

۴۔ ایک دن حضرت عائشہؓ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ:

اگر میں شب قدر کو پالوں۔ تو کون سی دُعا مانگوں۔

فرمایا: اس وقت کہو:۔

''اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے اور معافی کو پسند کرتا ہے۔ پس مجھے معاف کر۔''

(ابن ماجہ۔ ترمذی۔ احمد بن حنبل)

۵۔ فرمایا: جب لَيْلَةُ الْقَدْرِ کا ظہور ہوتا ہے۔ تو حضرت جبرئیل تمام فرشتوں کے ساتھ مل کر ہر اس شخص کے لیے مغفرت طلب کرتے ہیں جو رات کو عبادت کرتا ہے۔ (بیہقی)

(بحوالہ مشکوۃ۔ اردو ترجمہ۔ ص ۸۔ ۴۲۷)

ایک واقعہ

فیض لَيْلَةُ الْقَدْرِ کی زندہ و متحرک مثال پاکستان کے ایک دراز عمر بزرگ مولانا عبدالمعبود ہیں۔ آپ کی ولادت ۱۸۲۲ء میں ہوئی تھی اور دیر تک زندہ رہے۔ آپ ۱۹۶۵ء تک ۵۵ حج کر چکے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے جہادِ آزادی

میں انگریز کے خلاف لڑے۔ دیو بند کے دارالعلوم میں برسوں درس دیتے رہے اور مولانا امداداللہ مہاجر مکی۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا اشرف علی تھانوی، اور مولانا محمود الحسن کے ہمراہ برسوں رہے۔ آپ کی بینائی بالکل درست تھی۔ دانت تین دفعہ گر کر پھر نکلے۔ بال کبھی سفید ہو جاتے اور کبھی سیاہ۔ نورانی چہرہ۔ روشن آنکھیں۔ کمر سیدھی۔ قد پانچ فٹ نو انچ ۱۸۲۲ء میں عراق کے مشہور شہر موصل میں پیدا ہوئے تھے۔ آپ کے والدین ہندوستان میں آ گئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد آپ مدینہ منورہ میں چلے گئے۔ وہاں تیس سال رہے۔ وہاں سے واپس آئے تو ہمالہ کی ایک دور افتادہ ریاست ہنزہ میں رہنے لگے اور آخر دم تک وہیں رہے۔

جب ۱۹۶۵ء میں آپ ۵۵ ویں حج سے لوٹے اور ۲۰ جون کو لاہور سٹیشن سے گذرے، تو لاہور کے تمام علماء آپ کے استقبال کے لیے اسٹیشن پر موجود تھے۔

آپ درازئ عمر کی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ ایک مرتبہ آپ رمضان کے آخری عشرہ میں محو اعتکاف تھے کہ لَيْلَةُ الْقَدْرِ کے جلووں سے ظلمتیں کانپ اٹھیں۔ آپ نے فوراً ہاتھ اٹھائے اور گھبراہٹ میں درازئ عمر کی استدعا کر دی اور وہ دُعا قبول ہو گئی۔

ایک دفعہ فرشتے آپ کی روح قبض کر کے آسمانوں پر پہنچے تو تیسرے آسمان کے ایک بڑے فرشتے نے کہا کہ ان کی عمر بڑھا دی گئی ہے۔ اس لیے انہیں واپس لے جاؤ۔ جب میری روح دوبارہ میرے جسم میں داخل ہوئی۔ تو میرا گھر جو پہلے ماتم خانہ بنا ہوا تھا۔ ایک طرب خانہ بن گیا۔

(چٹان۔ اشاعت ۲۶ جولائی ۱۹۶۵ء، ص ۱۲۔۱۴)

مآخذ:۔ ۱۔ تفسیر الجواہر۔ ص ۲۴۷، ۲۔ مشکوۃ۔ (اردو) ص ۴۲۷ ۳۔ چٹان ۲۶۔ جولائی ۱۹۶۵ء

م

۱۶۶۔ ماجُوج (یاجُوج۔ ماجُوج)

یاجوج ماجوج کے متعلق بیشتر مفسّرین نے اتنا ہی لکھا ہے۔ کہ یہ وحشی تُرک قبائل تھے۔ جو ہمسایہ ریاستوں پہ حملے کیا کرتے تھے۔

مولانا ابوالکلام آزاد وہ واحد مفسّر ہیں۔ جنہوں نے یاجوج۔ ماجوج پر ایک محققانہ مقالہ لکھا ہے۔ یہاں اسی کا اختصار پیش کیا جاتا ہے۔

فرماتے ہیں کہ حزقیل نبی کی کتاب (باب ۳۹) میں ایک پیش گوئی اس مفہوم کی ملتی ہے:۔

''خداوند یوں فرماتا ہے کہ دیکھ اے ماجوج! اے میشک اور تُوبال (وحشی تُرک قبائل) کے

شاہزادے! میں تیرا مخالف ہوں۔ میں تجھے شکست دوں گا۔ تیرے چھ آدمیوں میں سے پانچ کو ہلاک کر ڈالوں گا۔ وہاں تیری کمان تیرے بائیں ہاتھ سے چھین کر پرے پھینک دوں گا۔ اور تیرے تیر تیرے دائیں ہاتھ سے گر پڑیں گے...... میں ماجوج نیز ان لوگوں پر جو جزائر میں آباد ہیں۔ آگ بھیجوں گا۔" (حزقی ایل۔۳۹/۱۔۷)

ایک اور پیش گوئی مکاشفۂ یوحنا میں ہے:

"جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے آزاد کر دیا جائے گا۔ وہ زمین کے چاروں طرف رہنے والی قوموں، یعنی یاجوج۔ ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لیے جمع کرے گا۔ ان کا شمار سمند کی ریت کے برابر ہوگا۔" (مکاشفۂ یوحنا۔۲۰/۷۔۹)

ان اقتباسات سے چند باتیں واضح ہیں:۔

اول۔ کہ یاجوج۔ ماجوج شمال کی طرف سے آئیں گے۔

دوم۔ ماجوج نیز اہل جزائر پہ تباہی آئے گی۔

سوم۔ یُوحنا سے ہزار سال بعد شیطان چند اقوام کو گمراہ کر کے کسی سے لڑا دے گا۔

تاریخ شاہد ہے۔ کہ یورپ اور ایشیا کے حملہ آور ہمیشہ شمال کی طرف سے آتے رہے۔ یہ لوگ منگولیا۔ تُرکستان اور شمال مشرقی یورپ میں آباد تھے۔ یہ منگول، ہتھین، وَینڈل، گاتھ، اور تا تاری کہلاتے تھے۔

وَینڈل پانچویں صدی عیسوی میں جرمنی کے شمال۔ مشرق سے اٹھ کر پہلے فرانس پھر سپین، اور بعد ازاں شمالی افریقہ میں لیبیا تک نکل گئے۔

گاتھ بالٹک کے جنوبی کنارے سے اٹھ کر تیسری صدی عیسوی میں جنوب کی طرف بڑھے، اور رفتہ رفتہ فرانس، سپین اور اٹلی میں حکومتیں قائم کرلیں۔

تیرھویں صدی میں تاتاری سیلاب کی طرح ایران، عراق، شام اور نیشاپور کی حکومتوں کو بہالے گئے۔

آریوں کے جو قافلے ۲۰۰۰ قبل مسیح میں ایران و ہند کی طرف بڑھے تھے۔ وہ بھی وسطی ایشیا کی وحشی اقوام سے تعلق رکھتے تھے۔

اسی طرح وہ قبائل بھی۔ جنہیں روکنے کے لیے چین کے ایک بادشاہ شین ہوانگ ٹی نے ۲۱۴ ق م میں پندرہ سو میل لمبی دیوار تعمیر کی تھی۔

ان حملہ آوروں کے کئی دور تھے:۔

پہلا دور۔ تاریخ سے پہلے کا ہے۔ جب وحشی قبائل شمال مشرق سے وسطِ ایشیا کی طرف منتقل ہو رہے تھے۔

دوسرا دور۔ (۳۰۰) تین ہزار ق م سے (۱۵۰۰) پندرہ سو ق م تک کا تھا۔ جب یہ قبائل وسطِ ایشیا۔ سے بحرِ اسود تک پھیل

گئے تھے۔

تیسرا دور۔ ۱۵۰۰ق م سے ۵۵۰ق م تک کا ہے۔ اس زمانے میں سھینز بار بار شمالی پہاڑوں سے نکل کر اشوریوں (نینوئی پائے حکومت) پہ حملے کرتے تھے۔ ۶۳۰ ق م میں یہ ایران کی طرف بڑھے۔ اور اس کے مغربی اضلاع کو تباہ کر گئے۔

چوتھا دور۔ سائرس کا عہد ہے۔ (دیکھیے ذوالقرنین)۔ کوہ قاف کے ایک درّے میں اسی نے دیوار بنائی تھی۔ اور بحیرۂ خزر کے مغربی ساحل پر تیس میل لمبی دیوار بھی اسی نے تعمیر کی تھی۔ ان دیواروں سے غرض سھینز کے حملوں کو روکنا تھا۔

پانچویں دور۔ میں منگولوں کا ایک نیا سیلاب اٹھا، جو چین کے شہروں کو بار بار لوٹتا اور تباہ کرتا تھا۔ انہی حملوں کو روکنے کے لیے ۲۴۰ق م میں شین ہوانگ ٹی نے ڈیڑھ ہزار میل لمبی دیوار بنائی۔ یہ حملہ آور شروع میں ہیانگ نو (Hiung-Nu) کہلاتے تھے اور بعد میں ہنز کے نام سے مشہور ہو گئے۔

چھٹا دور۔ تیسری صدی عیسوی کا ہے۔ جب ان میں سے بعض قبائل نے رُومی سلطنت کو سخت نقصان پہنچایا۔

ساتواں دور۔ چنگیز کا دور تھا۔ جب اس نے خوارزم، ایران، عراق اور شام میں داخل ہو کر اسلامی ریاستوں کو کاملاً تباہ کر دیا تھا۔ یہ واقعہ یوحنا کے مکاشفہ (۹۷ء) سے اندازاً گیارہ سو سال بعد پیش آیا تھا۔ گو مکاشفہ میں ہزار سال کا ذکر تھا۔ لیکن اولیا کی پیش گوئیوں میں سو۔ پچاس سال کا فرق کوئی فرق نہیں ہوتا کیونکہ واقعہ ہزار سال سے پہلے تو پیش نہیں آیا۔

بیشتر مؤرخین کی رائے یہ ہے۔ کہ دنیا کی موجودہ اقوام حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹوں یعنی سام، حام اور یافث کی اولاد ہیں۔ پہلے یہ تینوں دجلہ و فرات کے دوآبے میں رہتے تھے۔ لیکن جب چند صدیوں کے بعد یہ بڑھے، پھلے اور پھیلے، تو ان کے مختلف گروہ مختلف سمتوں کو نکل گئے۔

- ☆ سام کی اولاد عراق، شام، عرب اور شمالی ایران میں آباد ہو گئی۔
- ☆ آل حام افریقہ کی طرف نکل گئے۔
- ☆ اور فرزندانِ یافث نے ترکستان، منگولیا اور روس کا رخ کر لیا۔ یافث کے فرزندوں میں ایک ماجوج بھی تھا۔

بنی یافث یہ ہیں:۔

☆ جُمَر	☆ ماجوج
☆ مادی	☆ جاوان

☆ ٹوبال ☆ مسک اور

☆ تیراس (پیدائش۔۱۰/۲) (اصحاب کہف۔ص۱۱۰۔۱۴۰)

اس سلسلے میں دیکھیے: ۹۷۔''ذوالقرنین''

مسٹر سمتھ ڈاب (ص۳۷۲) میں لکھتے ہیں کہ:

ماجوج شمالی خطوں میں رہتے تھے۔ان کے پاس گھوڑے بھی تھے اور تیر کمان بھی۔یوں معلوم ہوتا ہے۔کہ سیتھینز یہی تھے۔

حزقیئیل کی پیش گوئی میں ''جزائر پر آگ بھیجنے کی دھمکی بھی تھی۔

ابراہیم احمد بوانی اپنی کتاب ''یاجوج۔ماجوج'' (ص۳۔۵) میں لکھتا ہے کہ:

> یاجوج۔ماجوج سے مراد وہ وحشی قبائل ہیں۔جنہوں نے ولادت مسیح سے پہلے اور بعد برطانوی جزائر پہ حملہ کیا تھا۔پہلے حملہ آور سلٹس (Celts) تھے۔اور بعد کے اینگلز، سیکسنز اور جُوٹس۔جو مشرقی جرمنی سے آئے تھے۔

دوسری جنگ عالمگیر (۱۹۳۹۔۱۹۴۵ء) میں مسٹر چرچل انگلستان کے وزیر اعظیم تھے آپ بہت بڑے ادیب اور مؤرخ بھی تھے۔جب خاتمۂ جنگ کے بعد روس کی روش معاندانہ ہوگئی تو آپ نے ۹۔نومبر ۱۹۵۱ء کو ایک ضیافتی اجتماع میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

> ''اس وقت ایک طرف یاجوج (روس) صف آراء ہے اور دوسری طرف ماجوج (یورپ)۔اگر ان کا آپس میں تصادم ہوگیا۔تو یہ پاش پاش ہوجائیں گے۔'' (یاجوج۔ماجوج۔ص۵)

اس تقریر سے واضح ہے۔کہ مسٹر چرچل تمام شر پسند اور مفسد اقوام کو یاجوج۔ماجوج سمجھتے تھے۔

عصر حاضر کا مشہور پیش گو، مسٹر کیرو (Cheiro) اپنی کتاب ''ورلڈ پری ڈکشنز'' (ص۷۰) میں لکھتا ہے:

> ''لنڈن کے معنی ہیں:۔سورج کا شہر۔یہ نام اس شہر کے لیے فنیقیون نے تجویز کیا تھا۔وہ لوگ جوتش میں مہارت رکھتے تھے۔انہوں نے سورج کا ایک مندر ایک ایسے خطے میں بنایا تھا۔جس پر دو ستاروں (کاسٹر اور پولکس) کا براہ راست اثر پڑتا تھا۔ان ستاروں کو یاجوج و ماجوج بھی کہتے تھے۔یہی ستارے لنڈن پر بھی اثر انداز تھے۔''

(بحوالۂ یاجوج۔ماجوج۔ص۶)

اسی کتاب میں ذرا آگے چل کر یہ واضح کیا ہے۔کہ یاجوج۔ماجوج (ستاروں) کا اثر زمین پر اچھا نہیں تھا۔ ان تصریحات کا ماحصل یہ کہ یاجوج۔ماجوج شر، فساد اور بدی کی علامت بن گئے تھے۔

ماخذ:۔ ۱۔اصحاب کہف۔ص ۱۱۰۔۱۴۰، ۲۔یاجوج۔ماجوج۔ص ۱۔۲۱، ۳۔کتاب الہدیٰ۔ص ۶۳
۴۔بائبل، ۵۔قرآن شریف

۱۶۷۔ماروت (ہاروت)

یہود کے متعلق اللہ فرماتا ہے:۔

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ط وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ط فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ط

(بقرہ:۱۰۲)

(کہ انہوں نے اس علم کو اپنالیا۔ جسے سلیمان کے زمانے میں شیاطین نے فروغ دیا تھا۔ اللہ کی نافرمانی سلیمان نے نہیں، بلکہ شیاطین نے کی۔ کہ وہ لوگوں کو جادو نیز وہ علم سکھاتے تھے۔ جو بابل میں دو فرشتوں یعنی ہاروت و ماروت پہ نازل ہوا تھا۔ یہ فرشتے جب بھی اپنا علم کسی کو سکھاتے تو ساتھ ہی متنبہ کر دیتے۔ کہ ہم اور ہمارا علم ایک امتحان ہے۔ کہیں اس کے غلط استعمال سے ایمان نہ کھو بیٹھنا۔ وہ لوگ ان فرشتوں سے صرف وہی طریقے سیکھتے۔ کہ جن سے وہ زن و شوہر میں جدائی ڈال سکیں)

یہ آیت دو باتوں پہ روشنی ڈالتی ہے:۔

اول۔ کہ حضرت سلیمانؑ کے زمانے میں شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دے کر ارتکاب کفر کرتے تھے۔

دوم۔ کہ ایک علم بابل کے دو فرشتوں یعنی ہاروت۔ ماروت پر بھی نازل ہوا تھا۔ جس سے فائدہ بھی پہنچ سکتا تھا۔ اور نقصان بھی۔ لیکن یہود اسے صرف نقصان کے لیے استعمال کرتے رہے۔

جادو کا مقصد ہے کسی کو نقصان پہنچانا۔ عداوت ڈالنا اور بیمار کرنا۔ چونکہ یہ اعمال کافرانہ ہیں۔ اس لیے اللہ نے جادو کو کفر کہا ہے۔ دوسری طرف ہاروت و ماروت کے علم کی نوعیت جداگانہ تھی۔ وہ غالباً عبادت۔ راست بازی۔ تقویٰ اور چند دیگر مشقوں سے روح میں ایسی طاقت پیدا کر دیتے تھے۔ جس سے فائدہ و نقصان دونوں پہنچ سکتے

تھے۔لیکن یہود اس طاقت کو تخریب کے لیے استعمال کرتے تھے۔

ابن ندیم نے ''الفہرست'' (بابُ السنین (میں سحر پہ ایک طویل مقالہ لکھا ہے۔جس میں بتایا ہے۔کہ جادوگر بعض غیر شرعی اعمال وحرکات سے کسی جن کو قابو کر کے اس سے مختلف کام لیتے ہیں۔کچھ ایسے جادوگر بھی ہیں۔جو یہ طاقت اللہ سے حاصل کرتے اور لوگوں کے فائدے کے لیے استعمال کرتے ہیں۔یہ الطریقۃ المحمودہ کہلاتا ہے۔اور پہلا الطریقۃ المذمومۃ۔

ابن ندیم نے مصر، ہند اور چین کے ساحروں اور ان کے طریقوں پر بھی بحث کی ہے اور بتایا ہے۔کہ سب سے پہلے جنات کو حضرت سلیمانؑ نے مسخر کیا تھا۔

اس موضوع (سحر) پر دمیری نے حیات الحیوان (طبع قاہرہ۔۱۳۱۳ھ ص ۱۷۷) میں،

قزوینی نے عجائب المخلوقات (تدوین وسن فیلڈ۔ص ۳۷۱) میں،

ابن خلدون نے مقدمہ (ایڈیشن Quatremer ص ۱۹۱) میں،

غزالی نے احیاء العلوم میں،

اور فخر الدین رازی نے اپنی تفسیر (بقرہ۔۱۰۲) میں بحث کی ہے۔

علامہ طنطاوی اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں (الجواہر)۔کہ مسمریزم، ہپناٹزم اور تنویم (کسی عمل سے سلانا یا بے ہوش کر دینا) بھی سحر ہی کی صورتیں ہیں۔

میرا مشاہدہ

میں ۱۹۳۳ء سے ۱۹۳۹ء تک گورنمنٹ کالج ہوشیار پور میں رہا۔ایک دفعہ وہاں ایک بنگالی ساحر آ گیا۔اس نے ایک نوعمر لڑکی کو اسٹول پہ کھڑا کیا۔اس پر پانچ چھ مرتبہ ہاتھ پھیرا اور وہ سو گئی۔اس کے بعد اس کے پاؤں کے نیچے سے اسٹول کھینچ لیا۔اور وہ ہوا میں لٹک گئی۔پھر اس نے انگلی کے اشارے سے اسے پہیے کی طرح گھومنے کا حکم دیا اور اس نے تعمیل کی۔

ایسے کئی اور مناظر بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔

ہاروت وماروت

مولانا عبدالحق دہلوی اپنی تفسیر حقانی (ج ۲، ص ۲۰۹) میں لکھتے ہیں کہ ہاروت وماروت دو بندے تھے۔جو فرشتوں کی طرح مقدس تھے۔

لیکن بیشتر مفسرین کی رائے یہ ہے۔کہ:

یہ فرشتے تھے، جو بابل میں انسانی روح کو قوی، مؤثر اور فعال بنانے کے لیے نازل ہوئے تھے۔ یہ ایک حسینہ کے عشق میں پھنس گئے۔ اللہ نے انہیں کسی کنوئیں یا غار میں قیامت تک قید کر دیا۔ اور وہ آج تک وہیں محبوس ہیں۔

یہاں سوال یہ ہے کہ کیا اس کہانی کی تائید کسی اور ماخذ سے بھی ہوتی ہے؟

حضرت مسیح کا مقرب ترین حواری ''دوسرے عام خط'' میں لکھتا ہے:

''جس طرح اس امت میں جھوٹے نبی تھے۔ اسی طرح تم میں جھوٹے استاد بھی ہوں گے۔ جو بدعتیں ایجاد کریں گے۔ اس مالک کا انکار کریں گے جس نے انہیں پیدا کیا تھا.......... ان کی سزا یقینی ہے...... کیونکہ جس خدا نے گناہ کرنے والے فرشتوں (غالباً ہاروت۔ ماروت) کو جہنم کی تاریک غاروں میں ڈال دیا۔ تا کہ عدالت کے دن (قیامت) تک حراست میں رہیں...... وہ بدکاروں کو قیامت تک سزا میں رکھنا جانتا ہے۔''

(پطرس کا دوسرا عام خط۔۲/۱۔۱۰)

یہوداہ کے عام خط میں بھی اسی طرح کا ایک اشارہ ملتا ہے:

''تمہیں یاد دلانا چاہتا ہوں کہ خداوند نے ایک امت کو مصر سے نکال لانے کے بعد ان لوگوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ جو ایمان نہیں لائے تھے اور جن فرشتوں نے اپنے مقام کو چھوڑ دیا تھا۔ ان کو خداوند نے قیامت تک تاریکی میں محبوس کر دیا۔'' (یہوداہ کا عام خط۔۱/۵۔۶)

قزوینی (بحوالہ شاس۔ ص ۱۳۵) لکھتا ہے کہ:

یہ دونوں فرشتے حضرت آدم علیہ السلام کے آخری ایام میں نازل ہوئے تھے۔

لیکن مصر کی افسانوی تاریخ، (جس کا ترجمہ وِن فیلڈ نے کیا تھا) میں مذکور ہے۔ کہ:

''یہ فرشتے مصر کے ایک بادشاہ عُریاق کے زمانے میں آئے تھے۔''

لیکن یہ نہیں بتایا۔ کہ عریاق کا زمانہ کون سا تھا؟

ماٰخذ:۔ ۱۔ شاس۔ ص ۱۳۴ ۲۔ محمد بن زکریا قزوینی:۔ عجائب المخلوقات (تدوین وسٹن فیلڈ۔ ص ۳۷۱)

۳۔ دمیری۔ محمد بن موسیٰ مصری:۔ حیات الحیوان۔ (طبع قاہرہ۔۱۳۱۳ھ، ص ۱۷۷، ۱۸۷

۴۔ تفسیر حقانی۔ ج ۲، ص ۲۰۹، ۵۔ تفسیر الجواہر۔ ص ۸۴، ۶۔ فخر الرازی۔ تفسیر (بقرہ۔۱۰۲)،

۷۔ مقدمۂ ابن خلدون۔ ص ۱۹۱، ۸۔ بائبل، ۹۔ قرآن حکیم،

۱۶۸۔مجمع البحرین

(دیکھیے :۱۲۸۔''الصخرہ'')

۱۶۹۔مجوس

یہ لفظ قرآن میں صرف ایک دفعہ استعمال ہوا ہے :۔

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـِٕیْنَ وَالنَّصٰرٰی وَالْمَجُوْسَ وَالَّذِیْنَ اَشْرَكُوْۤا ۖ اِنَّ اللّٰهَ یَفْصِلُ بَیْنَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ (الحج:۱۷)

(اہل ایمان، یہود، صابئین، نصاریٰ، مجوس اور مشرکین کے تنازعات کا فیصلہ، اللہ قیامت کے دن کرے گا)

مجوس کون تھے؟

اس کا ایک جواب تو وہ ہے۔ جو قرآن کے اکثر مترجمین و مفسّرین نے دیا ہے۔ کہ یہ آتش پرست تھے۔

ایک وہ جو مجد الدین فیروز آبادی نے دیا۔ کہ:

''یہ ایک گروہ ہے۔ جو حدوث عالم اور شیطان کی قدامت و ازلیت کا قائل۔''

(منتہی الارب۔ ج ۴، ص ۱۶۶)

اور ایک وہ جو''ڈکشنری آف اسلام''میں تھامس پیٹرک نے پیش کیا ہے۔

لکھتے ہیں کہ:

آج سے صدیوں پہلے کالڈیہ اور اس کے نواح میں فلسفیوں کی ایک ایسی جماعت (فرقہ۔ اُمّت) آباد تھی۔ جو اجرام سماوی اور ان کی تاثیرات کا خاص علم رکھتی تھی۔ دانیال نبی (۵۳۵ق م) اسی جماعت کا پیشوا مقرر کیا گیا تھا۔ (کتاب دانیال ۵/ ۱۱)۔ یہ آگ کو مقدس سمجھتے تھے۔ صابئین (اجرام سماوی کے پرستار) کے مخالف۔ اور بت پرستی سے متنفّر تھے۔ جب ان کے عقائد و اعمال میں کجی راہ پا گئی۔ تو ان کی طرف چھٹی صدی ق م میں زردشت[1] مبعوث ہوا۔ جس کی الہامی کتاب اوستا کو ان کے ہاں بڑا تقدس حاصل تھا۔ اس سے پہلے مجوسیت ایران میں بہت مقبول تھی۔ اسلام آیا۔ تو یہ ختم ہو گئی۔ اب اس کے خال خال افراد دنیا میں باقی ہیں۔ یہ ایران میں گبر اور باقی ممالک میں پارسی کہلاتے ہیں۔ (ڈاس۔ص ۳۱۰)

ل زردشت کو زرتشت بھی لکھتے ہیں۔

آرتھر کرِسٹن ''ایران بہ عہد ساسانیاں'' میں اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ایرانیوں کے قدیم خدا دو قسم کے تھے:۔

اول۔ دیو یا دیوتا۔ جن میں سب سے بڑا اندرا تھا۔ یہ جنگ کا خدا تھا۔

دوم۔ اہُورا۔ جو تہذیب و شائستگی کا ربُّ النوع تھا۔ جب ایران عہد تاریخ میں داخل ہوا۔ تو اہُورا مزدا ان کا خدائے بزرگ بن چکا تھا اور ان کی تہذیب مزدائیت کہلاتی تھی۔ جب ایرانیوں میں بگاڑ راہ پا گیا۔ تو اللہ نے ساتویں (یا چھٹی) صدی قبل مسیح میں ان کی طرف زرتشت بھیجا۔ جو بلخ (صحیح تر اذربیجان ہے) سے اٹھا تھا۔ زرتشت کی تعلیمات کا بنیادی نقطہ یہ تھا۔ کہ کائنات پر دو طاقتیں حکمران ہیں:

☆ خدائے خیر یعنی یزداں اور ☆ خدائے شر یعنی اَھرمن۔

ان میں ازل سے جنگ ہو رہی ہے، اور بالآخر یزداں جیت جائے گا۔

مغربی ایران میں مزدائی عقائد پر یونانیوں کا خاصہ اثر پڑا۔ چنانچہ وہاں بابلی دیوتاؤں کی صورت وہیئت یونانی خداؤں جیسی بن گئی۔ اہُورا مزدا کو بیل[ل] بنا دیا گیا۔ اور اناھتا دیوی کو اِشتر (یونانیوں کی ملکۂ محبت) کی صورت دے دی گئی۔ (ایران بعہد ساسانیاں۔ ص ۳۰)

اوِستا

اوِستا ایران کی قدیم زبان کا نام بھی تھا۔ اور زرتشت کی مقدس کتاب کا بھی۔ ژند اس کی شرح ہے۔ جو پہلوی زبان میں لکھی گئی تھی۔ اگر ہم ژند کو اوستائی زبان میں لکھیں، تو یہ پاژند کہلائے گی۔

اوستا کے چار حصے ہیں:۔

أ۔ یاسنا۔ جو ۷۲ ابواب پہ مشتمل ہے۔ اس میں حمدیہ گیت (بھجن) ہیں۔ نیز وہ حصہ جو گاتھا کہلاتا ہے۔

ب۔ وِسپرڈ۔ اس میں بھی گیت ہیں۔

ج۔ ویندیداد۔ یہ قوانین کا مجموعہ ہے۔

د۔ یاشت۔ ان فرشتوں کی تعریف میں گیت، جو ایام ہفتہ پہ حکومت کرتے ہیں۔

ساری کتاب ۸۳ ہزار الفاظ (اندازاً تین سو صفحات) پہ مشتمل تھی۔ اس کے مختلف حصے مختلف زبانوں میں ضبط ہوئے۔ عروج پارتھیا کے آغاز (۲۴۸ ق م) میں وندی داد کی تدوین ہوئی اور بقیہ حصے دولاگاس (اشکانی بادشاہ۔ ۵۱۔۷۸ء) کے حکم سے لکھے گئے تھے۔

(ایران بعہد ساسانیاں۔ ص ۴۰۔۴۱)

ل بیل یونانیوں کا پسندیدہ جانور ہے۔

شہرستانی کی تصریح

علامہ شہرستانی لکھتے ہیں کہ:

اُمت مجوسیہ کا ظہور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاً بعد ہوا تھا۔ ان کا امام ''مُوبد موبداں'' کہلاتا تھا۔

ان کے کئی فرقے تھے۔ مثلاً:۔

ا۔ کیومُرثیہ

ان کا بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ خیر وشر اور نور وظلمت کے خدا الگ الگ ہیں۔ یعنی:

یزدان اور اھرمن

☆ یزداں قدیم وازلی۔ ☆ اھرمن حادث ہے۔ اور

کیومَرث (آدم) پہلا انسان تھا۔ اور

میشانہ (حوا) اس کی بیوی تھی۔

ان کے ہاں نور ایک روحانی نیز مادی حقیقت ہے۔ اور ظلمت خالصتاً مادی ہے۔

ب۔ زروانیہ

اس کا عقیدہ یہ تھا کہ ابتدا میں صرف نور تھا۔ اس نور نے مختلف اشخاص پیدا کیے۔ جن میں سب سے بڑا زروان تھا۔ ایک دفعہ زروان کے دماغ میں کسی حقیقت کے متعلق شک پیدا ہوا۔ جس (شک) سے ابلیس نے جنم لیا۔ جو پیکرِ فساد وشر ہے۔

ج۔ مَسخیہ

ان کا اعتقاد یہ تھا۔ کہ نورِ اول کا ایک جزو بعد میں مسخ ہو کر ظلمت بن گیا۔

د۔ زَردُشتیہ

زرتُشت کے پیرو، جو نور وظلمت کو اللہ کی تخلیق سمجھتے تھے۔ نیز کہتے تھے کہ نور ایک حقیقت ہے۔ اور ظلمت (سایہ کی طرح) نور کے نہ ہونے کا نام ہے۔ یہ قیامت کے بھی قائل تھے، اور عناصر اربعہ کے تقدس پہ یقین رکھتے تھے۔

یہ کافی طویل بحث ہے۔ جس پر شہرستانی نے ۱۴ صفحات میں بحث کی ہے۔ (المِلل وَالنحل۔ ص ۲۳۰۔۲۴۴)

مآخذ:۔ ۱۔ قرآن حکیم، ۲۔ منتہی الارب۔ ج ۴، ص ۱۶۶، ۳۔ بائبل (کتاب دانیال۔ ۱۱/۵)، ۴۔ ڈاس۔ ص ۳۱۰، ۵۔ ایران بعہد ساسانیاں۔ ص ۳۰۔۴۱، ۶۔ المِلل وَالنحل۔ ص ۲۳۰۔۲۴۴،

۱۷۰۔ مُحمّد صلعم

آپ ﷺ کی والدہ کا نام:

آمنہ[1] بنت وہب بن ہاشم بن عبد مناف بن قُصَیّ تھا۔

۱۔ ابن الجوزی (تلقیح ص ۶) اور کئی دیگر سیرت نگاروں نے حضرت آمنہ کا شجرہ یوں دیا ہے:

آمنہ بنت وہب بن عبد مناف
بن زہرہ بن کلاب بن مُرّہ

یہ شجرہ صحیح نہیں۔ پروفیسر زُبید احمد نے اپنی کتاب اَدبُ العرب (ص ۲۰) میں تیم و مُرّہ کا شجرہ یوں دیا ہے:

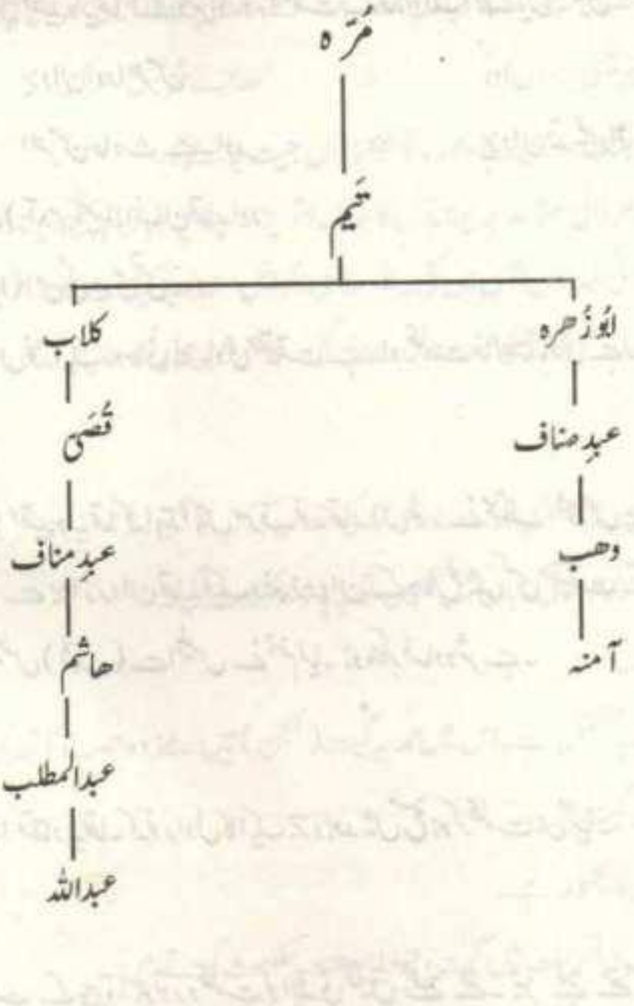

اس شجرہ کی رو سے لؤ زہرہ، کلاب کا بھائی ہے نہ کہ بیٹا۔ ایک اور بات یہ کہ اگر ہم آمنہ کو وہب بن عبد مناف کی بیٹی تسلیم کریں، تو آمنہ اور تیم کے درمیان صرف تین پشتیں بنتی ہیں اور دوسری طرف عبداللہ و تیم کے درمیان پانچ پشتیں ہیں۔ اس طرح حضرت آمنہ، حضرت عبداللہ سے عمر میں بہت بڑی نظر آتی ہیں۔ ''نسب نامۂ رسول'' (ص ۶) میں وہب کو ہاشم بن عبد مناف کا بیٹا قرار دیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے حضرت آمنہ ہاشم کی پوتی بنتی ہیں اور حضرت عبداللہ تو ہاشم کے پوتے تھے ہی۔ اس طرح وہ عمر کی دقّت رفع ہو جاتی ہے۔

اور والد کا نام:

عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم

بن عبدمناف بن قصی

بن کلاب بن تیم بن مُرّہ بن کعب

بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نظر

بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس

بن نظر بن نزار بن معد بن عدنان بن اد

بن اُدَد بن ہمیع بن سلامان بن ثابت بن حمل

بن قیدار بن اسماعیل بن ابراہیمؑ

ابراہیمؑ سے آدمؑ تک کا شجرہ "۴۔ ابراہیمؑ" کے تحت دیکھیے۔

ولادت

کسے خیال تھا کہ آمنہ کا فرزند دنیائے انسانی کا ایک عظیم انقلابی لیڈر بنے گا۔ اس لیے مؤرخ نے ان کی ولادت کو کوئی خاص اہمیت نہ دی اور نہ کسی نے ان کی تاریخ ولادت یاد رکھی۔ بعد میں جب وہ مرجع خلائق بن گئے۔ تو لوگوں کو ان کی تاریخ ولادت کا خیال آیا۔ آپ ﷺ کے والدین، چچا ابوطالب اور دادا عبدالمطلب فوت ہو چکے تھے۔ صحیح تاریخ کون بتاتا؟ اس لیے مختلف روایات چل پڑیں۔

ابن الجوزی تلقیح (ص ۱۷) میں فرماتے ہیں:۔

"تمام سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت ماہ ربیع الاول کے ایک اتوار کو ہوئی تھی۔ لیکن تاریخ میں اختلاف ہے۔ کوئی ۲۔۴ ربیع الاول بتاتا ہے۔ کوئی ۸، کوئی ۱۰، اور کوئی ۱۲ ربیع الاول۔ وہ سال کعبہ پر ابرہہ کے حملے کا پہلا اور انوشیروان کی تخت نشینی کا پچاسواں سال تھا۔ حضور ﷺ اس حملے سے پچاس یوم بعد پیدا ہوئے۔"

ڈاس (ص ۳۶۹) میں تاریخ ولادت ۲۰۔ اگست ۵۷۰ء دی ہوئی ہے۔

اور شاس (ص ۳۹۱) میں ۵۸۰ء۔

قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں:۔

''ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موسم بہار میں دوشنبہ کے دن ۹۔ ربیع الاول ۱ھ۔ عام الفیل۔ مطابق ۲۲۔ اپریل ۵۷۱ء اور یکم جیٹھ سم ۶۲۸ بکرمی کو مکۂ معظمہ میں بعد از صبح صادق وقبل از طلوع نیرِ عالمتاب پیدا ہوئے۔'' (رحمۃ للعالمین۔ ج ۱، ص ۴۲)

نیچے حاشیہ میں فرماتے ہیں:۔

''سب سیرت نگار اس بات پر متفق ہیں کہ دوشنبہ کا دن ۹۔ ربیع الاول کے سوا کسی اور تاریخ سے مطابقت نہیں کھاتا۔ اس لیے ۹۔ ربیع الاول ہی صحیح ہے۔ محمد طلعت بیگ نے ''تاریخ دول العرب والاسلام'' میں ۹۔ ربیع الاول کو صحیح قرار دیا ہے۔''

(ایضاً۔ ص ۴۲)

والدین کا انتقال

آپ ﷺ کے والدِ محترم حضرت عبداللہ کا انتقال آپ کی ولادت سے پہلے ہو گیا تھا اور والدۂ محترمہ کا اس وقت، جب آپ ﷺ کی عمر چھ سال تھی۔

بعد از ولادت

ولادت کے بعد آپ ﷺ کے دادا عبدالمطلب آپ ﷺ کو کعبہ لے گئے۔ وہاں دُعا مانگی۔ ساتویں دن قربانی کی۔ اور رؤسائے قریش کو ایک دعوت پہ بلایا۔

جس میں آپ کا نام محمد رکھا۔

دایہ

آٹھویں روز حضرت آمنہ نے آپ کو دودھ کے لیے پہلے ثُوَیبہ (ابولہب کی کنیز) اور چند روز بعد حلیمہ سعدیہ بنت عبداللہ ابوذئب بن الحارث کے حوالے کیا۔ حلیمہ انہیں اپنے قبیلے بنو سعد میں لے گئی۔ وہ سال میں دوبار بچے کو والدہ سے ملانے کے لیے مکہ میں لاتی، اور پھر چلی جاتی۔ دو برس بعد جب رضاعت کا زمانہ ختم ہو گیا۔ تو عبدالمطلب نے بچے کو پھر حلیمہ کے حوالے کر دیا۔ تاکہ وہ صحرائی ماحول میں پلے۔ اور چھ برس کے بعد واپس لے لیا۔ آپ گھر آئے ہی تھے کہ والدۂ ماجدہ کا انتقال ہو گیا۔ دو برس بعد (۵۷۹ء) عبدالمطلب چل بسے۔ اور آپ ﷺ ابوطالب کی نگرانی میں پلنے لگے۔ نو برس کی عمر میں آپ ﷺ خلوت پسند ہو گئے۔ اور تنہا تنہا رہنے لگے۔

تجارت

بارہ برس کی عمر میں اپنے چچا ابوطالب کے ہمراہ ایک تجارتی سفر پہ گئے اور شام کے ایک شہر بُصریٰ میں بُحیرَہ

راہب سے ملے۔

اس نے ابوطالب کو ہدایت کی کہ:

بھتیجے کی حفاظت کرے۔ کیونکہ نبی آخرالزمان یہی ہے۔ (رحمۃ اللعالمین۔ص ۴۵)

اُمّہات المومنین

اس عنوان کی تفصیل:۔

شمار۲۲۔ ''ازواج النبیؐ'' کے تحت دیکھیے۔

حجرِ اسود کی تنصیب

تفصیل ۱۶۱۔ ''کعبہ'' کے تحت ملاحظہ فرمائیے۔

دیگر کوائف اس جدول میں دیکھیے:۔

شمار	عنوان	تاریخ	تفصیل
۱	ہجرتِ حبش	۶۱۵ء	یہ نبوّت کے پانچویں سال (۶۱۵ء) میں ہوئی۔ مسلمانوں کے دو قافلے حبشہ کو گئے۔ پہلے میں ۱۲ مرد اور چار عورتیں تھیں۔ اور دوسرے میں ۸۳ مرد اور ۱۸ عورتیں۔ پہلے قافلے میں حضرت عثمانؓ اور حضور صلعم کی دختر رقیہؓ بھی تھیں۔ دوسرے میں جعفر طیارؓ شامل تھے۔
۲	حمزہ اور عمر کا اسلام	۶۱۶ء	حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ بن خطاب چھٹے سال نبوت میں اسلام لائے۔
۳	شعب ابی طالب میں قید	۶۱۷ء - ۶۲۰ء	نبوت کے ساتویں سال حضور صلعم کو ان کے سارے خاندان سمیت شعبِ ابی طالب میں قید کر دیا گیا۔ یہ بندش تین سال تک جاری رہی۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عزم میں کوئی فرق نہ آیا۔
۴	ابو طالب کا انتقال	۶۲۰ء	دسویں سال نبوت میں ہوا۔
۵	خدیجۃ الکبریٰ کا انتقال	۶۲۰ء	ابوطالب کی وفات سے تین دن بعد

٦	معراج	۲۲۔۶۲۰ء	قاضی محمد سلیمان منصور پوری لکھتے ہیں (رحمۃ للعالمین۔ج ا،ص ۸۶) کہ حضور صلعم معراج کے لیے ۲۷رجب ۱۰نبوت کو روانہ ہوئے تھے۔اورڈاس (ص ۳۷۴) اسے بارہویں سال نبوت کا واقعہ قرار دیتا ہے۔ ہمارے بیشتر سیرت نگاروں نے اسی رائے کو ترجیح دی ہے۔
۷	بیعتِ عقبہٗ اُولیٰ	۲۲۔۶۲۱ء	گیارہویں سال نبوّت میں مدینہ کے چھ آدمی رات کے وقت حضور صلعم کے پاس آئے۔آپ انہیں حرا اور منیٰ کے درمیان ایک مقام "عقبہ" پہ لے گئے۔ اور اسلام کی حقیقت سمجھائی۔ وہ اسلام لے آئے۔ اور مدینہ میں جا کر تبلیغ کرنے لگے۔ سال بعد مدینہ سے بارہ آدمی آئے۔ اور حضور صلعم کے دستِ مبارک پہ بیعت کی۔یہ تھی بیعت اُولیٰ۔
۸	بیعتِ عقبہ ثانیہ	۶۲۲ء	تیرھویں سال نبوت میں مدینہ سے ۷۳مرد اور ۲عورتیں آئیں۔سب نے اسی مقام پر بیعت کی۔
۹	حضور صلعم کی ہجرت	۱۲۔ ستمبر ۶۲۲ء	حضور، حضرت علیؓ کو اپنے بستر پہ لٹا کر خود ابوبکر صدیقؓ کے گھر گئے۔انہیں ساتھ لے کر مکّہ سے نکلے۔چار میل آگے جا کر جبل ثور کی ایک غار میں چھپ گئے۔اور تین راتیں وہیں گزاریں۔ چوتھی رات کو وہاں سے نکل کر مدینہ کی طرف چل دیے۔انہیں اس غار میں خورد ونوش کی اشیاء حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر سے جاتی تھیں۔
۱۰	قبا میں پہنچنا	۲۳۔ ستمبر ۶۲۲ء	گیارہ روز کے سفر کے بعد حضور ﷺ ۲۳۔ستمبر ۶۲۲ءکو مدینہ کی ایک بیرونی بستی قبا میں پہنچے۔پہلے کلثوم بن الہدم کے ہاں ٹھہرے۔پھر سعد بن خیثمہ کے ہاں منتقل ہو گئے۔ایک اور روایت کے مطابق آپ ﷺ نے بنو عمرو بن عوف کے ہاں قیام کیا تھا۔آپ ﷺ قبا میں تین دن اور بروایتے تیرہ دن رہے۔
۱۱	مدینہ میں وُرُود	۲۶۔ ستمبر ۶۲۲ء	آپ ﷺ جمعہ کے دن مدینہ کو روانہ ہو گئے۔ پہلے بنو سالم کے محلّے میں پہنچے۔ وہاں ایک سو صحابہ و انصار کے ساتھ نماز جمعہ ادا کی اور خطبہ ارشاد فرمایا۔اسلام میں یہ پہلا خطبہ جمعہ تھا۔اس کے بعد آپ ﷺ سوار ہو کر چل پڑے۔ آپ ﷺ کی ناقہ حضرت ابوایوبؓ انصاری کے گھر کے سامنے بیٹھ گئی۔چنانچہ آپ ﷺ اترے اور وہاں کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد ایک الگ گھر میں منتقل ہو گئے۔ (تلقیح۔ص۱۹)

۱۲	بعد از ہجرت	۶۲۲ء	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدنی زندگی میں بے شمار واقعات پیش آئے تھے۔ مثلاً:۔
۱۳	مدینہ میں پہلا سال	۶۲۳ء	مدینہ میں پہنچ کر پہلے مسجد پھر اپنا گھر بنایا۔ اور حضرت ایوبؓ انصاری کے گھر سے اٹھ آئے۔ مہاجرین و انصار میں اخوت کی بنا ڈالی۔ اور بلالؓ کو مؤذن مقرر کیا۔
۱۴	مدینہ میں دوسرا سال	۶۲۴ء	اس سال اللہ نے کعبہ کو قبلہ قرار دیا۔ ہُوا یوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۱۵۔ شعبان کو منگل کے دن چند صحابہ کے ہمراہ بنو سلمہ کے ایک معزز فرد اُمِ بشر بن البراء کے ہاں کھانے پہ مدعو تھے۔ فارغ ہو کر انہی کی مسجد میں نمازِ ظہر کے لیے گئے۔ آپ ﷺ دوسری رکعت میں بحالت رکوع تھے، کہ تبدیلیٔ قبلہ کا حکم آ گیا۔ آپ ﷺ فوراً کعبہ کی طرف مڑ گئے۔ اور وہ مسجد القبلتین کہلانے لگی۔ ☆اسی سال معرکۂ بدر پیش آیا۔ ☆نیز حضور صلعم کی بیٹی حضرت رقیہؓ کا انتقال ہوا۔ ☆حضرت عائشہؓ حرمِ نبوی ﷺ کی زینت بنی۔ ☆حضرت علیؓ سے حضرت فاطمہ الزہراءؓ کا نکاح ہوا۔ ☆اور آیۂ رمضان نازل ہوئی۔
۱۵	مدینہ میں تیسرا سال	۶۲۵ء	اس میں حضرت حفصہؓ اور زینبؓ بنتِ خزیمہ حرم نبوی ﷺ میں تشریف لائیں۔ ☆حضرت حسنؓ کی ولادت ہوئی۔ ☆اُحد کا واقعہ پیش آیا۔ ☆اور شراب حرام ہوئی۔
۱۶	مدینہ میں چوتھا سال	۶۲۶ء	اس میں حضرت حسینؓ پیدا ہوئے۔ ☆قصرِ صلوٰۃ کی اجازت ملی۔ ☆حضرت ام سلمہؓ حضور صلعم کے نکاح میں آئیں۔ ☆تیمم کی آیت نازل ہوئی۔ ☆ذات الرقاع کا واقعہ پیش آیا۔ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف بہتان تراشا گیا۔ بعض کے ہاں یہ پانچویں سال میں ہوا تھا۔

۱۷	مدینہ میں پانچواں سال	۶۲۷ء	اس میں دُومتہ الجندل، خندق اور قریظہ کے معرکے ہوئے۔ ☆ زینبؓ بنت جحش حضور صلعم کے نکاح میں آئیں۔ ☆ اور آیۂ حجاب نازل ہوئی۔
۱۸	مدینہ میں چھٹا سال	۶۲۸ء	یہ "معاہدۂ حدیبیہ" کا سال ہے
۱۹	مدینہ میں ساتواں سال	۶۲۹ء	اس سال غزوۂ خیبر ہوا۔ اور خیبر کے ایک یہودی سلام بن مشکم کی بیوی زینب بنت الحارث نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھنی ہوئی بکری میں زہر ڈال کر کھلائی۔ اسی سال صفیہؓ، میمونہؓ اور ام حبیبہؓ حرم نبوی ﷺ میں داخل ہوئیں۔ ☆ اور اسکندریہ کے والی مقوقس نے حضور صلعم کی خدمت میں تین تحائف بھیجے:۔ ۱۔ ماریہ (کنیز) ۲۔ دُلدُل (خچر) ۳۔ اور یعفور (گدھا)
۲۰	مدینہ میں آٹھواں سال	۶۳۰ء	اس سال مؤتہ کی جنگ ہوئی۔ ☆ خالد بن ولید اور عمرو بن عاص اسلام لائے۔ ☆ ذات السلاسل کا معرکہ پیش آیا۔ ☆ زینب بنتِ رسول اللہ صلعم کی وفات ہوئی۔ ☆ ماریہ کے بطن سے ابراہیم پیدا ہوا۔ ☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکّہ میں فاتحانہ داخل ہوئے۔ ☆ اور واپسی پر حُنین و طائف کے معرکے پیش آئے۔
۲۱	مدینہ میں نواں سال	۶۳۱ء	اس میں غزوہ تبوک پیش آیا۔ ☆ شاہ حبشہ نجاشی اور حضور ﷺ کی ایک دختر اُمِ کلثوم کا انتقال ہوا۔ ☆ اور مسجدِ ضرار مُنہدم کی گئی۔
۲۲	مدینہ میں دسواں سال	۶۳۲ء	اس سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخری حج کیا۔ ☆ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرزند ابراہیم کا انتقال ہوا۔ ☆ اور سورۂ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل ہوئی۔ (تلقیح۔ ص ۲۰۔۲۲)

۲۳	مدینہ میں گیارھواں سال	۶۳۲ء	گیارھویں سال ہجرت کا دوسرا مہینہ یعنی صفر گزرنے والا تھا۔ کہ آپ ﷺ ۲۹۔ صفر کو بیمار ہو گئے۔ اور تیرہ دن تک بستر علالت پہ رہے۔ البتہ نماز جماعت میں باقاعدہ شامل ہوتے رہے۔ رحلت سے تین دن پہلے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو نماز پڑھانے کا حکم دیا۔ اس کے بعد نزع کی کیفیت طاری ہو گئی۔
۲۴	رحلت	۶۳۲ء	آخر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہاتھ اٹھایا اور فرمایا: اَللّٰهُمَّ الرَّفِيْقَ الْاَعْلٰى۔ پھر ہاتھ لٹک گیا، اور رُوحِ انور جسدِ اطہر سے پرواز کر گئی۔ یہ سوموار کا دن تھا۔ چاشت کا وقت اور تاریخ تھی:۔ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ۔ مطابق ۸۔ جون ۶۳۲ء۔ (رحمتہ للعالمین۔ ج ۱، ص ۳۲۲)

صحیح تاریخ وفات

آج ریاضی کا علم اتنی ترقی کر چکا ہے کہ ہم ہجری کی ہر تاریخ کو سال عیسوی سے تطبیق دینے کے بعد دن اور مہینہ بھی معلوم کر سکتے ہیں۔

یہ فارمولا مجھے بھی معلوم ہے۔ میں نے حساب لگایا۔ تو معلوم ہوا کہ ۱۲۔ ربیع الاول ۱۱ھ کو اتوار تھا۔ اور جون ۶۳۲ء کی گیارھویں تاریخ۔ اگر حضور ﷺ کی رحلت سوموار کو ہوئی ہو۔ تو وہ ۱۳ ربیع الاول (۱۲۔ جون ۶۳۲ء) کو تھا۔

ڈکشنری آف اسلام (ص ۳۸۹) میں تاریخ رحلت ۱۳۔ ربیع الاول ہی درج ہے۔ لیکن مصنف نے سال عیسوی سے صحیح تطبیق نہیں دی اور ۸۔ جون لکھ دی۔ حالانکہ ۸۔ جون ۶۳۲ء کو جمعرات تھی۔

تمام سیرت نگاروں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ:

- ☆ حضور ﷺ سوموار کو پیدا ہوئے تھے۔
- ☆ سوموار ہی کو نبوت ملی۔
- ☆ سوموار کے دن ہجرت کی۔
- ☆ مدینہ میں سوموار کو داخل ہوئے۔ اور
- ☆ سوموار ہی کے دن رحلت فرمائی۔

غُسل

حضور ﷺ کو غسل دیتے وقت کئی صحابہ موجود تھے:

- ☆ فضل بن عباس اور قُثم بن عباس جسد مبارک کو ادل بدل رہے تھے۔
- ☆ حضرت علیؓ غسل دے رہے تھے۔
- ☆ اُسامہ بن زید اور شُقران (حضور ﷺ کا آزاد کردہ غلام) پانی ڈال رہے تھے۔ اور

☆ حضرت عباسؓ پاس کھڑے تھے۔ (تلقیح۔ص ۳۹)

تدفین

حضورصلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو لحد میں اتارنے اور تدفین میں حضرت عباسؓ۔ علیؑ۔ فضل بن عباس اور بروایتے اُسامہ بن زید، عبدالرحمان بن عوف، اَوس بن خولہ انصاری اور عقیل بن ابی طالب رضی اللہ عنہم نے حصہ لیا۔ خاک ڈالنے سے عین پہلے مغیرہ بن شعبہ کی انگوٹھی قبر میں گر گئی۔ اور اسے نکالنے کے لیے خود مغیرہ قبر میں اترے۔ یوں کہیے کہ حضور صلعم سے آخری ملاقات کا فخر مغیرہ کو حاصل ہوا تھا۔ (ایضاً۔ص ۳۹)

غزوات وسرایا

حیاتِ رسولؐ میں دو قسم کی جنگیں ہوئیں:۔

☆ ایک وہ جن میں خود حضورﷺ بھی شامل تھے۔ مثلاً بدر، احد، خندق، خیبر وغیرہ۔ یہ غزوات کے نام سے مشہور ہیں۔

☆ اور دوسری وہ جن میں حضورﷺ شامل نہیں تھے۔ یہ سرایا[1] (سریہ کی جمع) کہلاتی ہیں۔ ان تمام کی تعداد چوراسی (۸۴) ہے۔ ان میں ۲۶ غزوات تھے اور ۵۸ سرایا۔

ان سب پہ بحث کرنے کے لیے طویل مہلت چاہیے۔ جو مجھے میسر نہیں۔ اس لیے یہاں صرف غزوات پہ اکتفا کرتا ہوں۔

پوری بحث کے لیے ابن الجوزی کی تلقیح از ص ۲۲ تا ۳۶ ملاحظہ فرمایئے۔

---

[1] سرایا، سریہ کی جمع ہے، لفظی معنی: لشکر، مراد کوئی مہم۔ خواہ وہ فوجی ہو یا تبلیغی۔

شمار	غزوہ	مقام	تاریخ	صحابہ کی تعداد	نتیجہ
۱	غزوہ اَبْواء	ابواء مکہ و مدینہ کے درمیان ایک پہاڑ ہے۔	صفر ۲ھ	X	مقصد قریش کے ایک تجارتی قافلے کو پکڑنا تھا۔ لیکن وہ نکل چکا تھا۔ حضور صلعم ۱۵۔ یوم کے بعد لوٹے۔
۲	غزوۂ بُواط	بُواط جہینہ کا ایک پہاڑ ہے۔ مدینہ سے کوئی ۴۰ میل مغرب کی طرف	ربیع الاول ۲ھ	۲۰۰ صحابہ	یہ بھی ایک تجارتی قافلے کو پکڑنے کی مہم تھی۔ اس قافلے میں ۲۵۰۰ اونٹ اور ۱۰۰ قریش تھے۔ لیکن قافلہ نکل گیا۔
۳	غزوۂ کُرز	کُرز بن جابر الفہری نے مدینہ کی ایک چراگاہ پہ حملہ کر کے بہت نقصان کیا تھا۔	ربیع الاول ۲ھ	۔	حضور ﷺ کُرز کے تعاقب میں بدر تک گئے۔ لیکن وہ نکل گیا۔
۴	غزوۂ ذُوالعُشَیر	مدینہ کے مغرب میں ینبع کی طرف بنو مُدلج کا ایک مقام۔	جمادی الاخری ۲ھ	۲۰۰	مقصد ایک تجارتی قافلے کو پکڑنا تھا۔ لیکن وہ نکل چکا تھا۔
۵	غزوۂ بدر	مدینہ سے ۸۰ میل جنوب مغرب کی طرف ایک وادی	۱۷۔ رمضان ۲ھ	۳۱۳	۷۰ قریش ہلاک ہوئے اور ۷۰ قید۔
۶	غزوۂ بنُو قینقاع	مدینہ میں یہود کا ایک قبیلہ	شوال ۲ھ	۔	پندرہ یوم کے محاصرے کے بعد ان لوگوں نے صلح کی استدعا کی۔ آپ ﷺ نے ان سے ہتھیار لے کر انہیں معاف کر دیا۔
۷	غزوۂ سَوِیق (ستّو)	یہ جنگ مدینہ سے تین میل پر ایک موضع عُریض میں ہوئی تھی	۵۔ ذوالحجہ ۲ھ	۸۰ سوار	ابوسفیان ۲۰۰ جوانوں کے ہمراہ مدینہ پر حملہ آور ہوا۔ حضور ﷺ مقابلہ کے لیے نکلے۔ تو وہ ستّو کے تھیلے گرا کر بھاگ گیا۔ اور یہ غزوۂ سَوِیق کے نام سے مشہور ہو گیا۔

۸	غزوۂ قُرقَرۃُ الکُدر	مدینہ سے کوئی ساٹھ میل مشرق میں ایک مقام	۱۴۔ محرم ۳ھ	۲۰۰	اس مقام پر بنو سلیم اور غطفان حملے کے لیے جمع ہوئے تھے۔ جنگ میں حضور صلعم کے ہاتھ پانچ سو اونٹ لگے۔ جنہیں آپ ﷺ نے صحابہ میں تقسیم کر دیا۔
۹	غزوۂ غطفان	یہ واقعہ مدینہ کے شمال مشرق میں دیارِ غطفان کے ایک مقام ذُوامَر میں پیش آیا تھا	۱۲۔ ربیع الاول ۳ھ	۴۵۰	وہاں بنو ثعلبہ اور محارب جمع ہو گئے جب حضور صلعم پہنچے تو وہ بھاگ گئے۔ دن کے وقت حضور ﷺ ایک درخت تلے آرام فرما رہے تھے کہ کفار کا سردار دُعثور بن حارث تلوار لے کر سر پہ آ گیا۔ اور حضور صلعم کو جگا کر پوچھنے لگا کہ: ''بتاؤ۔ تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔'' فرمایا: ''اللہ'' معاً جبریلؑ نے اس کے سینے میں دوہتڑ مارا۔ وہ گر گیا۔ اور اس کی تلوار دور جا پڑی۔ معاً حضور صلعم تلوار لے کر اس سے پوچھنے لگے: ''اب تمہیں کون بچائے گا؟'' وہ فوراً کلمہ پڑھ کر اسلام لے آیا۔
۱۰	غزوۂ بنو سُلیم	یہ واقعہ حجاز کے ایک مقام بَحُرَان میں ہوا تھا	جمادی الاول ۳ھ	۳۰۰	دشمن پہلے ہی بھاگ گیا۔
۱۱	غزوۂ اُحُد	مدینہ کے پاس ایک پہاڑ	۷۔ شوال ۳ھ	۱۰۰۰	قریش ۳۰۰۰ تھے۔ نتیجہ:۔ شہداء ۷۰۔ اور مقتولین قریش ۲۳۔
۱۲	غزوۂ حَمراءُ الاَسَد	مدینہ سے آٹھ میل مشرق میں ایک جگہ	۸۔ شوال ۳ھ	۔	یوم اُحد کے دوسرے روز حضور ﷺ کفار کی تلاش میں گئے۔ لیکن نہ پا سکے۔
۱۳	غزوۂ بنو نضیر	بنو نضیر یہود مدینہ کا ایک قبیلہ تھا	ربیع الاول ۳ھ	۔	پندرہ دن کے محاصرے کے بعد وہ مدینہ چھوڑنے پر راضی ہو گئے۔

۱۴	غزوۂ بدرُ المَوعِد	ایک مقام جہاں ذیقعدہ کے پہلے ہفتے میلہ لگتا تھا	ذی قعدہ ۴ھ	۱۵۶۰ سوار	ابوسفیان دو ہزار جوانوں کے ساتھ آیا تھا۔ لیکن مقابلے میں نہ آیا۔
۱۵	غزوۂ ذاتُ الرِّقاع	مدینہ سے تین میل دور ایک رنگ برنگا پہاڑ	محرم ۵ھ	-	قبائل بھاگ گئے۔
۱۶	غزوۂ دُومۃُ الجَندل	شمالی عرب کا ایک شہر ۱۵۔ دن کی مسافت پر تھا	۵۔ ربیع الاول ۵ھ	۱۰۰۰	دشمن بھاگ گیا۔
۱۷	غزوہ مُرَیسیع	یہ بدر کے جنوب میں بنو خزاعہ کا ایک چشمہ تھا	۲۔ شعبان ۵ھ	-	قبائل کو شکست ہوئی۔
۱۸	غزوۂ خندق	یہ خندق مدینہ ہی میں کھودی گئی تھی	۸۔ ذیقعدہ ۵ھ	۳۰۰۰	قریش نے ابوسفیان کی قیادت میں حملہ کیا۔ ساتھ قبائل بھی شامل ہو گئے۔ ان کی تعداد بیس ہزار تک جا پہنچی۔ سب کو ایک آندھی نے منتشر کر دیا۔
۱۹	غزوۂ بنُو قُریظہ	یہودِ خیبر کا ایک قبیلہ	۲۲۔ ذیقعدہ ۵ھ	-	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سخت شکست دی۔
۲۰	غزوۂ بنُو لِحیان	عُسفان (مکہ سے ۴۰ میل شمال میں) کے قریب ایک مقام	ربیع الاول ۶ھ	۲۰۰	قبائل بھاگ گئے۔

۲۱	غزوۂ الغابہ	مدینہ سے آٹھ میل دُور ایک چراگاہ۔ جس میں حضور صلعم کے اونٹ چرتے تھے ان پر عُیینہ بن حِصن نے ایک رات حملہ کیا۔ چرواہے کو مار ڈالا اور بیس اونٹنیاں لے گیا۔	ربیع الاول ۶ھ	۵۰۰ یا ۷۰۰	پانچ روز کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم واپس آئے۔ کیا ہوا؟ ابن الجوزی نے نہیں بتایا۔
۲۲	غزوۂ حُدَیبیہ	مکّہ سے دس میل دور ایک کنواں	ذیقعدہ ۶ھ	تقریباً ۱۵۰۰	معاہدہ حُدَیبیہ ہوا۔ جسے قرآن نے فتح سے تعبیر کیا ہے۔
۲۳	غزوۂ خیبر	مدینہ سے تقریباً ۸۰ میل شمال میں یہود کا ایک قصبہ	جمادی الاول ۷ھ	۱۵۰۰	۱۵ صحابہ شہید اور ۹۳ یہود ہلاک ہوئے۔ یہیں سلام بن مِشکم کی بیوی زینب نے حضور صلعم کو زہر آلود برّۂ بریاں بھیجا تھا۔
۲۴	غزوۂ الفتح (فتح مکّہ)	قریش نے معاہدۂ حُدَیبیہ کی خلاف ورزی کی۔ اس لیے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکّہ پر چڑھائی کی۔	۱۰۔ رمضان ۸ھ	۱۰ ہزار	مکّہ فتح ہوا۔ اور بے شمار لوگ اسلام لے آئے
۲۵	غزوۂ حُنین	مکّہ سے تین رات کے فاصلے پر۔ شمال و مشرق کی جانب ایک وادی	۱۰۔ شوال ۸ھ	۱۲ ہزار	چار صحابہ شہید اور ستّر کافر ہلاک۔ مال غنیمت میں چوبیس ہزار شتر۔ چالیس ہزار بھیڑ۔ بکریاں ملیں۔ قیدی چھ ہزار تھے۔
۲۶	غزوۂ طائف	مکّہ کے قریب مشہور مقام	شوال ۸ھ	۱۲ ہزار	حضور صلعم حُنین سے فارغ ہو کر طائف کی طرف بڑھے اٹھارہ یوم محاصرہ رہا۔ اور پھر محاصرہ اٹھا کر چلے گئے۔

(تلقیح۔ ص ۲۲۔۳۶)

اولادِ رسول ﷺ

حضور ﷺ کی نرینہ اولاد کے متعلق سیرت نگاروں میں اختلاف ہے۔ کوئی دو، کوئی تین اور کوئی چار بتاتا ہے۔ ہشام بن عروہ کی روایت کے مطابق تین تھے:۔

☆ قاسم ☆ طاہر اور ☆ طیّب

عروہ اور سعید بن عبدالعزیز چار بتاتے ہیں۔ یعنی:۔

ا۔قاسم ۲۔طاہر ۳۔مطہر (یامُطیّب) اور ۴۔ابراہیم

آپ ﷺ کی بیٹیاں چار تھیں:۔

اول۔ زینبؓ (۸ھ) جس کا نکاح حضور ﷺ کے خالہ زاد بھائی ابوالعاص بن ربیع سے ہوا تھا۔

دوم۔ رقیہؓ (۲ھ) جو پہلے ابولہب کے فرزند عُتبہ کے نکاح میں تھی۔ جب سورۂ تبت یدا...... نازل ہوئی، اور اس نے علیحدگی اختیار کر لی۔ تو حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں آ گئی۔

سوم۔ اُمّ کلثوم (۹ھ) یہ بھی عتبہ بن ابُولہب کے نکاح میں تھی۔ لیکن رُخصتی سے پہلے ہی عقد ٹوٹ گیا۔ آپ ہجرت کر کے مدینہ چلی گئیں۔ اور رقیہ کی وفات کے بعد حضرت عثمانؓ کی زوجیت میں آ گئیں۔

چہارم۔ فاطمۃ الزہراءؓ، جن کا انتقال ۱۱ھ میں حضور صلعم کی رحلت سے چھ ماہ بعد ہوا تھا۔

آل رسول ﷺ میں سب سے بڑا قاسم تھا۔ پھر زینب، پھر طیّب (عبداللہ) پھر طاہر، پھر اُمِ کلثوم، پھر رقیہ، پھر فاطمہ اور آخر میں ابراہیم۔ (تلقیح۔ص ۱۵)

اُونٹنیاں، تلواریں، کمانیں اور نیزے

حضور ﷺ کی اُونٹنیاں، تلواریں، برچھے وغیرہ بھی مختلف ناموں سے موسوم تھے۔

اونٹنیوں کی تعداد بیس تھی۔ اور نام:۔

☆ حنّاء ☆ سُمراء ☆ عریس

☆ سعدیہ ☆ بغُوم ☆ یَسیرہ

☆ مہرہ ☆ شقراء ☆ بُردہ

☆ ریّا ☆ غزیرہ اور ☆ بردہ

باقی کے نام نہیں مل سکے۔

تلواروں کے نام:۔

☆ قلعیا ☆ بتار ☆ حتف

☆ مخزم ☆ رسُوب ☆ عضب

☆ ذوالفقار ☆ ماثور

نیزوں کے نام:۔

☆ مثوی اور ☆ مثنی

کمانوں کے نام:۔

☆ روحاء ☆ بیضاء ☆ صفراء

☆ زوراء ☆ سداد اور ☆ کتوم

زرہوں کے نام:۔

☆ سَعدیہ ☆ فضّہ ☆ ذات الفضول

☆ ذات الوشاح ☆ ذات الحواشی

☆ بتراء ☆ سُغدیہ اور ☆ خرنق

(ایضاً۔ص ۱۹۔۲۰)

حضور ﷺ کے مؤذن

☆ بلالؓ بن رباح ☆ عمرو بن اُم مکتوم (نابینا)

اور ☆ ابومحذورہ الجمحی

کاتبانِ وحی

☆ زیدؓ بن ثابت ☆ ابوبکرؓ ☆ عمرؓ

☆ عثمانؓ ☆ علیؓ

☆ اُبیؓ بن کعب (سب سے پہلا کاتب)

☆ مُعاویہؓ بن ابوسُفیان ☆ حنظلہؓ بن ربیع

☆ خالدؓ بن سعید بن عاص ☆ ابانؓ بن سعید اور

☆ علاءؓ بن الحضرمی رضی اللہ عنہم۔

مستقل کاتب زیدؓ تھے۔ (تلقیح۔ص ۳۷)

ماخذ:۔ ا۔ تلقیح، ۲۔رحمۃ للعالمین،

۳۔ڈاس۔ص ۳۶۹، ۴۔شاس۔ص ۳۹۱،

۵۔ادب العرب۔ص ۳۰، ۶۔نسب نامۂ رسول ﷺ،

۷۔محمد طلعت بیگ:۔تاریخ دولِ العرب

۱۷۱۔مَدیَن

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک بیوی کا نام قتورا تھا۔ یہ زمران، یقسان، مِدان، مَدیَن، اِشباک اور شوح کی والدہ تھی۔ مدین خلیج عقبہ کے دائیں ساحل پہ اقامت پذیر ہوا۔ اور اس کی اولاد بائیں ساحل پر بھی کوہِ طور تک پھیل گئی۔ یہ سارا علاقہ مَدیَن کہلاتا تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک قبطی کو قتل کرنے کے بعد مصر سے بھاگے۔ تو وہ عقبہ کے بائیں ساحل پر حضرت شعیبؑ کے گھر چالیس برس تک رہے۔

فَلَبِثْتَ سِنِينَ فِي أَهْلِ مَدْيَنَ ۵ (طٰہٰ:۴۰)

(تم، اے موسیٰ، اہل مدین میں برسوں رہے)

شمال میں اہل مدین کی بستیاں کنعان کی سرحدات تک پھیلی ہوئی تھیں۔ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنو اسرائیل کے ہمراہ ان بستیوں کی طرف جاتے ہوئے موآب (بحیرۂ مُردار کے دائیں ساحل پہ ایک ضلع) سے گزرے۔ تو موآب کا بادشاہ بلق ڈر گیا۔ اور اس نے مدین کے ایک صوفی و ولی بلعم بن باعور کی طرف قاصد بھیجا۔ کہ وہ آئے اور بنو اسرائیل پہ لعنت بھیجے۔ اس نے دو دفعہ تو انکار کیا۔ لیکن تیسری مرتبہ چل پڑا۔ بلق کے ہاں پہنچا۔ تو اسے صبر و سکون کی تلقین کی۔ لیکن وہ نہ مانا اور بد دعا کے لیے اصرار کرنے لگا۔ مجبور ہو کر بلعم نے اسے مشورہ دیا۔ کہ موآبی عورتوں کو اسرائیلی خیموں میں آزادانہ جانے دو۔ تا کہ وہ گناہ کریں، اور پٹ جائیں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔

> ''اور لوگوں نے موآبی عورتوں سے حرام کاری شروع کر دی...... ساتھ ہی ان کے دیوتاؤں کو پوجنے لگے...... تب خداوند کا قہر بنو اسرائیل پہ بھڑکا...... ان میں وبا پھوٹ پڑی اور چوبیس ہزار آدمی اس وبا سے مر گئے۔'' (گنتی۔۲۵/۱۔۹)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اہل مدین سے انتقام لینے کے لیے ان پر حملہ کر دیا۔ ان کے تمام جوان مار ڈالے اور بے شمار مال و دولت ساتھ لے آئے۔ (گنتی۔۳۱/۱۔۵۴)

چند سال بعد اہل مدین نے عمالقہ اور چند دیگر قبائل (جو فلسطین کے مشرق میں رہتے تھے) کو ساتھ ملا کر بنو

اسرائیل کو زبردست شکست دی۔ اور سات سال تک انہیں رگیدتے رہے۔ اس کے بعد اسرائیلیوں کے ایک قاضی جیدان (Gideon) نے انہیں شکست دے کر قوم کو آزاد کرا لیا۔

اہلِ مَدیَن بدوی عرب تھے۔ جو مدین سے موآب تک مقیم تھے۔ اور تجارت کے لیے یمن، بابل اور مصر تک جاتے تھے۔ (ڈاب۔ص ۴۱۱)

مآخذ:۔ ۱۔بائبل، ۲۔قرآنِ مقدس، ۳۔ڈاب۔ص ۴۱۱، ۴۔معجم۔ج ۷

۱۷۲۔ مدینہ

مدینے کا پہلا نام یثرب تھا۔ یثرب حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک سردار تھا۔ جو وہاں آباد ہو گیا تھا۔

یثرب بن قانیہ	بن ارم	بن مھلائیل	بن مھلائیل
بن ارم		بن عبیل	بن عُوز (اُوز)
بن ارم		بن سام	بن نُوح

جب حضور ﷺ وہاں پہنچے۔ تو آپ نے اسے طابہ اور طیبہ کا نام دے دیا۔ بعض جغرافیہ نگاروں کے ہاں یثرب اس علاقے کا نام تھا۔ جس میں مدینہ واقع ہے۔ مدینہ کے مستقل باشندے مدینی اور عارضی مَدَنی کہلاتے تھے۔ مسلمان مدینہ کو:

مُبارکہ ، عاصمہ ، شافیہ
قُدسیہ ، مُحرمہ ، مختارہ
قاصمہ ، ناجیہ ، جابرہ اور
محبوبہ بھی کہتے تھے۔

یثرب کے پہلے آباد کار عمالقہ تھے۔ یعنی بنو عملاق بن ارفخشد بن سام بن نُوح۔ ان کا اصلی وطن صنعاء (یمن) تھا۔ اور یہ وہیں سے آئے تھے۔ ان لوگوں کی حکومت مشرق میں بحرین، مغرب میں مصر، شمال میں شام اور جنوب میں عمان و یمن کے سواحل تک پھیلی ہوئی تھی۔ غالباً حجاز کا ارقم، مصر کے فرعون اور فلسطین کے جبابرہ انہی میں سے تھے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد مدینہ میں حضرت ہارون کی اولاد آباد ہو گئی۔ پھر بنُو قُریظہ و بنُو نضیر آئے۔ یہ لوگ شام میں آباد تھے۔ جب ایک رومی بادشاہ (قیصر) نے ان کا قتل عام شروع کیا، تو یہ بھاگ کر پہلے حجاز میں پہنچے

اور پھر مدینہ میں آ گئے۔ ممکن ہے، کہ بخت نصر کے حملے کے وقت بھی کچھ اسرائیلی اس طرف بھاگ آئے ہوں۔

اَوس و خزرج اصلاً یمن کے باشندے اور حارثہ بن ثعلبہ بن عمرو بن عامر بن حارثہ بن امرءُ القیس بن ثعلبہ بن مازن بن ازد کی اولاد تھے۔ جب وادیٔ عرم کا بند ٹوٹا۔ تو یہ لوگ مدینہ چلے گئے۔

(معجم۔ ج ۷، ص ۴۳، اور ص ۴۲۶)

محلِ وقُوع

مدینہ عرب کی سطح مرتفع پر واقع ہے۔ اس کے تین طرف کھیت اور نخلستان ہیں۔ چوتھی طرف (شمال) پہاڑ۔ شہر کے گرد اندازاً تیس فٹ اونچی فصیل ہے۔ مکان خاکستری رنگ کے پتھروں کے ہیں۔ جو پاس کے پہاڑوں سے نکالے گئے ہیں۔ شہر میں ایک زمین دوز نہر ہے۔ جو قبا سے آتی ہے۔ جا بجا نہر میں اترنے کے لیے زینے ہیں۔ شہر اور شہر کے باہر باغات میں کنوئیں ہیں۔ جو زیادہ سے زیادہ تیس فٹ گہرے ہیں۔ (ڈاس۔ ص ۳۰۳)

مشرق کی طرف کھیتوں سے ذرا پرے سنگلاخ زمین ہے۔ جس کے برساتی نالے جنوب سے شمال کو بہتے اور بطن زمین میں سطح آب کو برقرار رکھتے ہیں۔

مسجد نبوی ﷺ

مدینہ کی شہرت و اہمیت مسجد نبوی ﷺ اور گنبدِ خضرا سے ہے۔ شروع میں مسجد گارے کی دیواروں اور کھجور کی چھت کا نام تھا اور اس میں صرف تین دروازے تھے:۔

۱۔ باب عائشہ

۲۔ بابِ مُلیکہ اور

۳۔ بابِ عاتکہ

بعد میں حضرت عمرؓ نے پاس کے چند گھر خرید کر مسجد میں شامل کر دیے۔

حضرت عثمانؓ نے اسے پتھروں سے بنوایا۔ اور لکڑی کی مضبوط چھت ڈلوائی۔

خلیفہ ولید نے ۸۷ھ میں عمر بن عبدالعزیز کو، جو ان دنوں مدینہ کے گورنر تھے۔ حکم دیا کہ وہ مسجد کو از سر نو تیار کرائیں۔ چنانچہ انہوں نے روم اور مصر سے معمار منگوائے۔ اور تین برس میں ایک عمدہ اور خوشنما عمارت تیار کرادی۔ اس مقصد کے لیے قیصرِ روم نے بھی ایک ہزار مثقال سونا اور رنگین پتھروں کا عطیہ دیا تھا۔

۱۶۲ھ میں مہدی عباسی نے اسے مزید سجایا۔

اور ۲۴۷ھ میں متوکل نے بھی اس کے حُسن میں اضافہ کیا۔

مختلف شاہانِ عثمانیہ نیز ابن سعود نے بھی اسے وسعت و جلا دی۔ (شاس۔ ص ۲۹۱)

حضور ﷺ کے عہد میں مدینہ کی آبادی تین ہزار کے لگ بھگ تھی اور اب سوا لاکھ سے زیادہ ہے۔ اس کے متبرک اور قابلِ دید مقامات یہ ہیں:۔

۱۔ حضور ﷺ کا روضہ

جو مسجد کے اندر ہے۔

۲۔ مسجدِ قُبا

قُبا مدینے کا ایک محلہ ہے۔ جہاں حضور ﷺ نے تین روز قیام کیا تھا۔ اور اسی دوران میں وہاں آپ ﷺ نے ایک مسجد کی بنا ڈالی تھی۔

۳۔ مسجدِ القبلتَین

وادیٔ عقیق کے قریب ایک مسجد، جس میں دو محرابیں ہیں:۔

- ☆ ایک کعبہ کی طرف اور
- ☆ دوسری مسجدِ اقصیٰ کی طرف

۴۔ جنۃ البقیع

مدینہ منورہ کا ایک قبرستان، جس میں دس ہزار صحابہ اور دیگر اکابر دفن ہیں۔

۵۔ کوہِ اُحُد

جہاں شہید صحابہ دفن ہیں۔ اور وہاں کچھ مساجد بھی ہیں۔

(رہنمائے مقاماتِ مقدسہ۔ از محمد اشرف۔ طبع لاہور۔ ۱۹۳۱ء، ص ۶۷)

مآخذ:۔ ۱۔ ڈاس۔ ص ۳۰۳، ۲۔ معجم۔ ج ۷، ص ۴۳، ۴۲۶، ۳۔ شاس۔ ص ۲۹۱،

۴۔ رہنمائے مقاماتِ مقدسہ۔ ص ۶۷

۱۷۳۔ مَروَہ

کعبہ سے فرلانگ بھر مشرق کی طرف دو پہاڑیاں صفا و مَروَہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہ وہی پہاڑیاں ہیں۔ جن کے درمیان پانی کی تلاش میں حضرت ہاجرہؑ سات مرتبہ دوڑی تھی۔ ان پہاڑیوں میں کوئی دو فرلانگ کا فاصلہ ہے۔ آج کل درمیان میں پختہ فرش بنا ہوا ہے۔ اور مَسعیٰ (سڑک) کی دونوں جانب دکانیں ہیں۔

نیز دیکھیے۔ ۱۲۹۔ ''صفا''

۱۷۴۔ مَریم

باوجودیکہ حضرت مریم ایک نہایت ممتاز، محترم اور معزز خاتون تھیں۔ لیکن علمائے یورپ یہ نہ بتا سکے، کہ ان کے والدین کون تھے اور کیا کرتے تھے۔ اناجیل سے اتنا ہی پتہ چلتا ہے کہ مریم کا تعلق بنو یہوداہ سے تھا اور وہ حضرت داؤدؑ کی نسل سے تھی۔

"فرشتے نے مریم سے کہا۔ اے مریم! خوف نہ کر کیونکہ خدا نے تم پر فضل کیا ہے۔ دیکھ تو حاملہ ہوگی۔ تیرا بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یسوع رکھنا۔ وہ بزرگ ہوگا...... اور خداوند اس کے باپ داؤد کا تخت اسے دے گا۔" (لوقا۔۱/۳۲)

اس کی ایک بہن کا نام بھی مریم تھا۔ (یُوحنا۔۱۹/۲۵)

مریم کا رشتہ حضرت زکریا کی زوجہ الیشبع سے بھی تھا۔ جو لاوی کے گھرانے اور حضرت ہارون کی پُشت سے تھی۔ (لوقا۔۱/۳۶)

جب تیس سال کی عمر میں حضرت مسیح علیہ السلام نے نبوّت شروع کی۔ تو حضرت مریم پس منظر میں چلی گئیں۔ اس کے بعد کتابوں میں صرف چار مرتبہ ان کا ذکر ملتا ہے:۔

اول۔ "پھر تیسرے دن قانائے گلیل میں ایک شادی ہوئی۔ جس میں یسوع کی ماں بھی تھی۔" (یوحنا۔۲/۱)

دوم۔ مسیحؑ ایک بھیڑ کے سامنے تبلیغ کر رہے تھے کہ کسی نے کہا: "دیکھ تیری ماں اور تیرے بھائی باہر کھڑے ہیں، اور تجھ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔ مسیحؑ نے جواب میں کہا۔ کون ہے میری ماں، اور میرے بھائی۔ پھر اپنے شاگردوں کی طرف اشارہ کر کے کہا، کہ میری ماں اور میرے بھائی یہ ہیں۔" (متی۔۱۲/۴۶۔۵۰)

سوم۔ صلیب کے وقت۔ "اور یسُوع کی صلیب کے پاس اس کی ماں۔ ماں کی بہن مریم، کلوپاس کی بیوی اور مریم مگدلینی کھڑی تھیں۔" (یُوحنا۔۱۹/۲۵)

چہارم۔ بعد از رفعِ مسیحؑ "یہ سب کے سب چند عورتوں اور مسیحؑ کی ماں مریم اور اس کے بھائیوں کے ساتھ دُعا میں مشغول رہے۔" (اعمال۔۱/۱۴)

"ماں ماں ہی ہوتی ہے۔ جب حضرت مریم تک یہ خبریں پہنچیں کہ حکومت ان کے فرزند کا شکار کھیل رہی ہے۔ تو اس نے مسیحؑ کو سمجھانا چاہا۔ لیکن مسیحؑ نے سننے سے انکار کر دیا۔ اور جب

انہیں کسی نے بتایا کہ آپ کی ماں اور بھائی آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں۔تو مسیح نے فرمایا۔

کہ کون ہیں میرے بھائی اور میری ماں۔میرے سب کچھ یہ لوگ (شاگرد) ہیں۔"

دار پر سے مسیح نے اپنے ایک شاگرد جان کو کہا۔کہ یہ (مریم) تمہاری ماں ہے۔

اور ماں کو کہا کہ یہ (جان) تمہارا فرزند ہے۔

چنانچہ جان مریم کو اپنے ہاں لے گیا۔اور مریم زندگی بھر یوروشلم میں جان کے گھر رہی۔

(ڈاب۔ص ۳۸۶)

انجیل سے معلوم ہوتا ہے، کہ حضرت مریم علیہ السلام شروع سے خدا پرست تھی۔ولادت مسیح سے پہلے وہ ایک دفعہ حضرت زکریا علیہ السلام کے گھر آئی۔تو اس نے خدا کی تعریف میں ایک گیت گایا۔

جس کا ترجمہ یہ ہے:۔

میری جان خداوند کی بڑائی کرتی ہے۔

میری روح میرے نجات دہندہ سے خوش ہے۔

....

اس نے ارباب اختیار کو تخت سے گرادیا۔

اور پست حالوں کو بلند کیا۔

اس نے بھوکوں کو اچھی چیزیں دیں۔

اور دولت مندوں کو خالی ہاتھ لوٹا دیا۔

اس نے اپنے خادم اسرائیل کو سنبھال لیا۔

تاکہ وہ اپنی اس رحمت کو آواز دے۔

جو ابراہیم اور اس کی نسل پہ ابد تک رہے گی۔ (لوقا۔۱/۴۶۔۵۵)

آپ نہایت رحم دل، متواضع، متقی، باوفا اور حلیم واقع ہوئی تھیں، اور یہی وہ صفات تھیں جن کی بنا پر پانچویں صدی میلادی میں مریم کی پرستش ہونے لگی اور یہ آج تک جاری ہے۔حضرت مریم کی وفات (اور ایک فرقہ کے عقائد کے مطابق صعود) ۴۸ء میں ہوئی تھی۔

دیگر تفاصیل کے لیے دیکھیے:۔

۱۷۔"اخت ہارون" اور

۱۴۹۔"عیسیٰ"

بعض روایات کی رو سے آپ کی والدہ کا نام حنہ تھا۔ اور شجرۂ نسب یہ:۔

فَخُوذ

والدۂ مریم (حنہ)　　　اشیع (حضرت زکریاؑ کی زوجہ)

مریم　　　یحییٰ

عیسیٰ

(شاس ص۳۲۹)

قرآن شریف میں آپ کے والد کا نام عمران دیا ہوا ہے۔ اور روایات کے مطابق آپ کے دادا کا نام متان تھا۔ (باڈ۔ ص۴۵٦)

یوسف (حضرت مریم کا شوہر) آپ کا عم زاد بھائی تھا۔
شجرہ یہ ہے:۔

متان

یعقوب　　　عمران (ہیلی)

یوسف (شوہرِ مریم)　　　مریم

عیسیٰ

قرآن نے کئی مقامات پر نہایت احترام سے حضرت مریم کا ذکر کیا ہے:۔

- ☆ عمران میں چھ بار
- ☆ نساء میں تین دفعہ
- ☆ مریم میں دو بار
- ☆ تحریم میں ایک مرتبہ۔ وقس علیٰ ہذا۔ مثلاً:۔

"یاد کرو جب فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ نے تمہیں پاک کر کے تمام دنیا کی عورتوں میں سے چن لیا ہے۔" (عمران۔۴۲)

"وتحقیق مسیح بن مریم اللہ کا رسول اور ایک کلمہ ہے۔ جو اس نے مریم کو عطا کیا۔ نیز خدائی

روح۔ پس خدا اور اس کے رسولوں پہ ایمان لاؤ۔ اور یہ مت کہو۔ کہ خدا تین ہیں۔''

(نساء۔۱۷۱)

''کفر کرنے والوں میں نوح اور لوط کی بیویاں ضرب المثل بن گئی ہیں۔ یہ دونوں ہمارے صالح بندوں کے نکاح میں تھیں۔ لیکن انہوں نے شوہروں سے بے وفائی کی۔ نتیجتاً انہیں اللہ سے کوئی نہ بچا سکا۔ اور انہیں حکم ہوا کہ جاؤ جہنم میں۔ ایمان میں ضرب المثل اولاً زوجہ فرعون ہے۔ جس نے اللہ سے دُعا کی تھی۔ کہ اے رب! میرے لیے جنت میں گھر بنا۔ مجھے فرعون، اور اس کی بدکار و ظالم قوم سے بچا۔ ثانیاً مریم بنت عمران۔ جس نے اپنی عصمت کی حفاظت کی۔ اور ہم نے اس میں اپنی روح پھونک دی۔ وہ اللہ کے احکام اور اس کی کتابوں کو سچا سمجھتی اور فرماں بردار تھی۔'' (تحریم۔۱۰۔۱۱)

ماخذ:۔ ۱۔قرآنِ مقدس، ۲۔بائبل، ۳۔ڈاب۔ص۳۸۶، ۴۔شاس۔ص۳۲۹، ۵۔باڈ۔ص۴۵۶، ۶۔اَعلام۔ص۱۷۰

۱۷۵۔ مسجدِ اَقصیٰ

بنو اسرائیل مصر سے نکل کر کنعان میں ۴۲ سال کے بعد پہنچے تھے۔ انہوں نے یہ سارا زمانہ خیموں میں گزارا تھا۔ وہ عبادت کے لیے بھی بڑے بڑے خیموں کو استعمال کرتے تھے۔ یہ سلسلہ حضرت داؤدؑ کے عہد سلطنت (۱۰۶۳۔۱۰۱۵ق م) تک جاری رہا۔ جب حضرت داؤدؑ سربرآرا ہوئے۔ تو اللہ نے اس دور کے ایک نبی ناتن کو حضرت داؤد علیہ السلام کے پاس بایں پیغام بھیجا۔

''کہ تو میرے رہنے کے لیے ایک گھر بنا۔ کیونکہ جب سے بنو اسرائیل مصر سے نکلے ہیں۔ میں آج تک کسی گھر میں نہیں رہا۔ بلکہ خیموں میں پھرتا رہا ہوں۔''

(۲۔سموئیل۔۷/۵۔۷)

لیکن حضرت داؤد جنگوں میں مسلسل الجھے رہے، اور اللہ کا گھر نہ بنا سکے۔

(۱۔سلاطین۔۵/۳)

اس کام کو سلیمان نے شاہ لبنان کی مدد سے ۱۰۱۲ق م میں شروع کیا اور ۱۰۰۵ق م میں مکمل کر ڈالا۔ یہ معبد کوہِ موریاہ پہ تعمیر ہوا تھا۔ جگہ کا انتخاب خود حضرت داؤد علیہ السلام نے کیا تھا۔ اس پر تیس ہزار مزدوروں نے سات سال تک کام کیا۔ بیرونی دیوار چھ سو فٹ لمبی تھی۔ معبد کے گرد کچھ کمرے اماموں، معلموں اور چھوٹے موٹے عہدیداروں

کے لیے مخصوص تھے۔ عبادت گاہ کا رقبہ ۸۰ × ۴۰ ہاتھ (۱۸۔ انچ) تھا۔ یہ خیمۂ عبادت کے رقبے سے دُگنا تھا۔ اندورنی دیواروں پر خوبصورت لکڑی کی تختیاں لگی ہوئی تھیں۔ جن کے کنارے تراش کر پھول اور بیلیں بنائی گئی تھیں۔ کہیں کہیں سونے کے پترے بھی لگے ہوئے تھے۔ محراب میں سات سونے کی شمع گاہیں تھیں اور پاس ہی دس میزوں پر سونے کے برتن پڑے رہتے تھے۔ معبد کا طول شرقاً غرباً دو سو ہاتھ تھا۔ عرض ایک سو ہاتھ، او بلندی دس ہاتھ۔ معبد کی ایک بالائی منزل بھی تھی۔

"سلیمان نے بالائی منزل کے کمروں کو سونے سے سجایا۔" (۲۔ تاریخ ۳/۹)

تعمیرِ ثانی

جب بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ۵۸۶ ق م میں یوروشلم کو تباہ کیا۔ تو یہ معبد بھی گر گیا۔ جب سائرس نے ۵۲۰ ق م میں یہود کو بابل سے واپس آنے کی اجازت دی۔ تو معبد کو دوبارہ بنوانے کے لیے بہت بڑی رقم بھی عطا کی۔ کچھ رقم یہودیوں نے چندہ سے جمع کی تھی۔ اس سے انہوں نے ایک نہایت خوشنما عمارت بناڈالی۔

(ڈاب۔ ص ۶۸۷)

تعمیرِ ثالث

جب ہیروڈ (دیکھیے: ۱۴۹۔ "عیسیٰ" کا حاشیہ) یہوداہ کا بادشاہ بنا۔ تو اس نے ۱۹۔ ۲۰ ق م میں مسجد کو گرا کر سنگ مرمر اور خوبصورت پتھروں سے رومی طرز کی ایک نئی عمارت بنا ڈالی۔ جس میں ۱۶۲ ستون تھے۔ بیرونی دیوار کی لمبائی آٹھ سو فٹ تھی۔ اس پر گیارہ برس صرف ہوئے۔ اور ۸۔ ۹ ق م میں مکمل ہوئی۔ (ڈاب۔ ص ۲۹۰)

اسلامی دور

اسلامی دور میں سب سے پہلے خلیفہ عبدالملک اموی (۶۵۔ ۸۶ھ) نے اس کی طرف توجہ کی۔ اس کی تزئین وتجدید کرائی۔ اور اسے جامع دمشق سے زیادہ حسین بناڈالا۔ جب عہد عباسیہ میں ایک زلزلے سے اسے نقصان پہنچا۔ تو اس وقت کے خلیفہ نے شہر اور نواح شہر کے امراء کو حکم دیا۔ کہ وہ معبد کے مختلف حصے بنوائیں اور حدودِ مسجد میں اضافہ کریں۔ چنانچہ اس میں سنگ مرمر کے سات سو ستون اور کئی دروازے بنائے گئے۔

جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں:۔

۱۔ باب النبی	۲۔ باب الولید
۳۔ باب داؤد	۴۔ باب ابراہیم
۵۔ باب الرّحمۃ	۶۔ باب الھاشمین
۷۔ باب اُمّ خالد	۸۔ باب بنی اسرائیل

۹۔ باب الحِطہ ۱۰۔ باب لااسباط

۱۱۔ باب محراب مریم وغیرہ

اور مسجد کا رقبہ ۱۰۰۰×۷۰۰ ہاتھ (ذراع) کر دیا گیا۔ (معجم۔ج ۷)

تاریخ

مسجدِ اقصیٰ ۱۰۰۵ ق م میں تعمیر ہوئی تھی۔ یہ ۱۶۴۳ برس یہود و نصاریٰ کے تسلط میں رہی۔ ۱۷ھ (۶۳۸ء) میں یوروشلم کے اکابر نے شہر کی چابیاں حضرت عمرؓ (جو وہاں صرف ایک غلام کے ساتھ گئے تھے۔ اور شہر کے قریب اونٹ پہ غلام سوار تھا) کے حوالے کر دیں۔ ساڑھے چار سو سال بعد صلیبی جنگیں چھڑ گئیں اور ۱۰۹۲ء میں اس پر عیسائی قابض ہو گئے۔ ۸۰ برس بعد اسے صلاح الدین ایوبی نے واگذار کرایا۔ اس کے بعد یہ تقریباً آٹھ سو سال تک مسلمانوں کے پاس ہی اور ۱۹۶۷ء میں اس پر اسرائیل نے قبضہ کر لیا۔ (ہیرلڈلیم۔ صلاح الدین ایوبی اور دیگر تواریخ)

قرآن میں اس مسجد کا ذکر دو دفعہ ہوا ہے۔

اولاً۔ مریم کی ولادت و تربیت کے سلسلے میں:۔

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِندَهَا رِزْقًا ۖ (عمران: ۳۷)

(جب بھی زکریا مریم کے پاس محراب (جائے عبادت) میں جاتے۔ تو اس کے پاس کھانے پینے کی اشیاء پاتے)

اکثر مفسرین نے المحراب سے مراد مسجدِ اقصیٰ لی ہے۔ یا اس کا ایک حصہ۔

(جلالین۔ ص ۴۸ حاشیہ)

ثانیاً۔ داستانِ معراج میں:۔

سُبْحَٰنَ الَّذِىٓ أَسْرَىٰ بِعَبْدِهِۦ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصَا (بنی اسرائیل: ۱)

(پاک ہے وہ رب جو اپنے بندے کو ایک رات میں مسجدِ حرام سے اٹھا کر مسجدِ اقصیٰ تک لے گیا)

ماخذ:۔ ۱۔ قرآن مقدس، ۲۔ بائبل، ۳۔ معجم۔ ج ۷، ۴۔ ڈاب۔ ص ۶۸۷

۱۷۶۔ مسجدِ حرام

مسجدِ حرام اس کشادہ صحن کو کہتے ہیں۔ جو کعبہ کے گرد بیرونی دیوار تک پھیلا ہوا ہے۔ حضورﷺ کی زندگی میں کعبہ کے گرد جگہ بہت کم تھی۔ اور مسجد کی حد بندی نہ تھی۔

حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں اردگرد کے متعدد گھر خرید کر مسجد میں شامل کر دیے۔

حضرت عثمانؓ کا زمانہ آیا۔ تو آپ نے ۲۶ھ میں اسے مزید وسعت دی۔

عبداللہؓ بن زبیر (۷۳ھ) نے، جو امیر معاویہؓ کے آخری زمانے میں حرمین کے خود مختار فرماں روا تھے، اسے ۶۴ھ میں وسعت بھی دی اور حسین و محکم بھی کیا۔

خلیفہ عبدالملک (۶۵۔۸۶ھ) نے مسجد کو از سرِ نو بنایا۔ دیواریں اونچی کیں۔ چھت بدلے اور ستونوں پر سونے کے پترے چڑھائے۔

بعد کی تعمیر و ترمیم اس جدول میں دیکھیے:۔

تعمیر کرانے والے کا نام	سال	تفصیل
ولید بن عبدالملک	۸۶۔۔۔۹۶ھ	مسجد کو از سرِ نو بنوایا۔
منصور عباسی	۱۳۶۔۔۔۱۵۸ھ	اردگرد کے گھروں کو مسجد میں شامل کیا۔
مہدی عباسی	۱۵۸۔۔۔۱۶۹ھ	کعبہ اور صفا و مروہ کے درمیان تمام گھر خرید کر مسجد میں شامل کر دیے۔
مقتدر عباسی	۲۹۵۔۔۔۳۲۰ھ	مسجد کو مزید وسعت دی۔
مصر کا ایک والی یا امیر	۸۰۳ھ	مسجد کو سیلاب سے نقصان پہنچا تھا۔ اس نے دیواریں پھر بنوائیں۔ مسجد کو فانوسوں سے سجایا۔ اور اس پر چار سال صرف کیے۔
سیف الدین اشرف مصری (از ممالیک بُرجی)	۸۷۳۔۔۔ ۹۰۱ھ	مسجد کو مزید سجایا۔ منیٰ میں مسجد خیف، اور عرفات میں مسجد نمرہ بنوائی۔ ☆ مسجد مُزدلفہ میں فرش لگوایا۔ ☆ مسجدِ حرام میں منبر رکھوایا۔ ☆ نہروں کی مرمت کرائی۔ ☆ کعبہ کے اندر سنگ مرمر کا فرش بنوایا۔ نیز مدارس اور سرائیں تعمیر کرائیں۔
قانسوہ غوری۔ مصری (ممالیک بُرجی)	۹۰۶۔۔۔۹۲۲ھ	باب ابراہیم بنوایا۔ اس کے اوپر نیز قریب کی کمرے بنوائے۔ اور جدہ کی فصیل تعمیر کرائی۔

بایزید۔ثانی عثمانی	۸۸۶۔۔۹۰۸ھ	یہ ہر سال کعبہ کے لیے ایک غلاف۔ رومی محمل۔ چودہ ہزار اشرفیاں اور ۲۸ ہزار من غلہ بھیجتا تھا۔
سلیم اول عثمانی	۹۱۸۔۔۔۹۲۶ھ	اس نے حنفی مُصلّے پر قُبّہ بنوایا۔
سلیمان عثمانی	۹۲۶۔۔۹۷۴ھ	کعبہ میں چار دارالعلوم قائم کیے۔
سلیم ثانی عثمانی	۹۷۴۔۔۹۸۲ھ	حرم کے گنبدوں پر چھتیں ڈلوائیں اور گنبدوں کے نیچے سنگِ زرد کی کرسیاں بنوائیں۔
مرادثالث۔عثمانی	۹۸۲۔۔۱۰۰۳ھ	کنگرے۔ دروازے اور زینے بنوائے۔ دیواروں پہ آیات لکھوائیں۔اور ساتھ ہی اپنے نام کی تختیاں لگوائیں۔
ہارُون الرشید (۱۷۰۔ ۱۹۳ھ) کی زوجہ زُبیدہ	۱۷۰۔۔۱۹۳ھ	اس نے طائف کے پہاڑوں کو کاٹ کر ایک نہر مکّہ تک پہنچائی۔ اس پر ایک کروڑ سات لاکھ مثقال سونا صرف ہوا تھا یہ نہر طائف سے وادیٔ حنین میں پہنچی۔وہاں سے کاریزوں کے ذریعے عرفات تک آئی۔وہاں سے منٰی اور پھر مکّہ تک گئی۔بعد میں جب یہ بند ہو گئی۔تو سب سے پہلے اِربل (موصل کے پاس) کے ایک امیر مظفرالدین کوکبوری (۵۶۳۔۶۳۰ھ) نے اسے صاف کرایا۔ ☆۶۲۵ھ میں مستنصر باللہ عباسی (۶۲۳۔۶۴۰ھ) نے۔ ☆۷۲۶ھ میں ابوسعید ایل خانی (۷۱۶۔۷۳۶ھ) نے۔ ☆دوسو سال بعد سلیمان عثمانی (۹۳۶۔۹۷۴ھ) اور ☆پھر سلیم ثانی (۹۷۴۔۹۸۲ھ) نے اس کی مرمت کرائی۔

یہ نہر آج بھی موجود ہے۔اور موجودہ حکومت اس کی ہر طرح سے نگرانی کر رہی ہے۔

(خلاصۃ تواریخ مکیہ۔ص۳۴)

دورِابنِ سعُود

سعودی خاندان نے برسرِ اقتدار آنے (۱۹۲۶ء) کے بعد مسجد کی توسیع اور تزئین پر بہت توجہ دی ہے۔اور اس وقت (۱۹۷۲ء) یہ مسجد دنیا کے جمیل وجلیل مقامات میں شمار ہوتی ہے۔

ستون

مسجد میں چاروں طرف ستون ہیں۔ان کی تعداد ۵۸۹ بتائی جاتی ہے۔ان میں سے ۳۶۳ مرمر کے ہیں اور

۱۲۶ مکی پتھر کے۔ ان کی اونچائی بیس فٹ کے قریب ہے۔ اور موٹائی ڈیڑھ فٹ۔ ہر چار ستونوں پہ ایک سفید گنبد ہے۔ ان گنبدوں کی تعداد ۱۵۲ ہے۔ ہر چار ستونوں کے بعد ایک ہشت پہلو دیوار ہے۔ جس کی موٹائی چار فٹ کے قریب ہے۔ بعض ستونوں کو لوہے کی موٹی پتریوں سے مضبوط کیا گیا ہے۔

دیگر عمارات

حدودِ مسجد میں کعبہ کے علاوہ کئی دیگر تعمیرات بھی ہیں۔ مثلاً:۔

حطیم

کعبہ کی شمالی دیوار کے ساتھ نیم دائرے کی شکل میں ایک احاطہ۔ جس کے گرد دیوار بنی ہوئی ہے۔

چاہِ زم زم

یہ کعبہ کے مشرق میں ہے۔ اور اس پر چھت ہے۔

- ☆ مقام ابراہیم زمزم کے شمال میں ہے۔
- ☆ حنفی مُصلّٰی ایک اچھی سی عمارت کا نام ہے۔ جو حطیم سے ۴۸ گز شمال مغرب میں ہے۔
- ☆ شافعی مُصلّٰی زمزم اور باب السلام کے مابین واقع ہے۔
- ☆ حنبلی مُصلّٰی حجرِ اسود سے جنوب میں۔
- ☆ اور مالکی مُصلّٰی کعبہ سے مغرب کی طرف ہے۔

جب ان اماموں (ابوحنیفہ، شافعی، ابن حنبل اور مالک) کے پیرو حج یا زیارتِ کعبہ کے لیے جاتے ہیں۔ تو اپنے مُصلّوں کے قریب کھڑے ہو کر نماز ادا کرتے ہیں۔

زمزم کے قریب دو قُبّے ہیں۔ جن میں فالتو لیمپ، برتن اور دیگر اشیاء رکھی جاتی ہیں۔

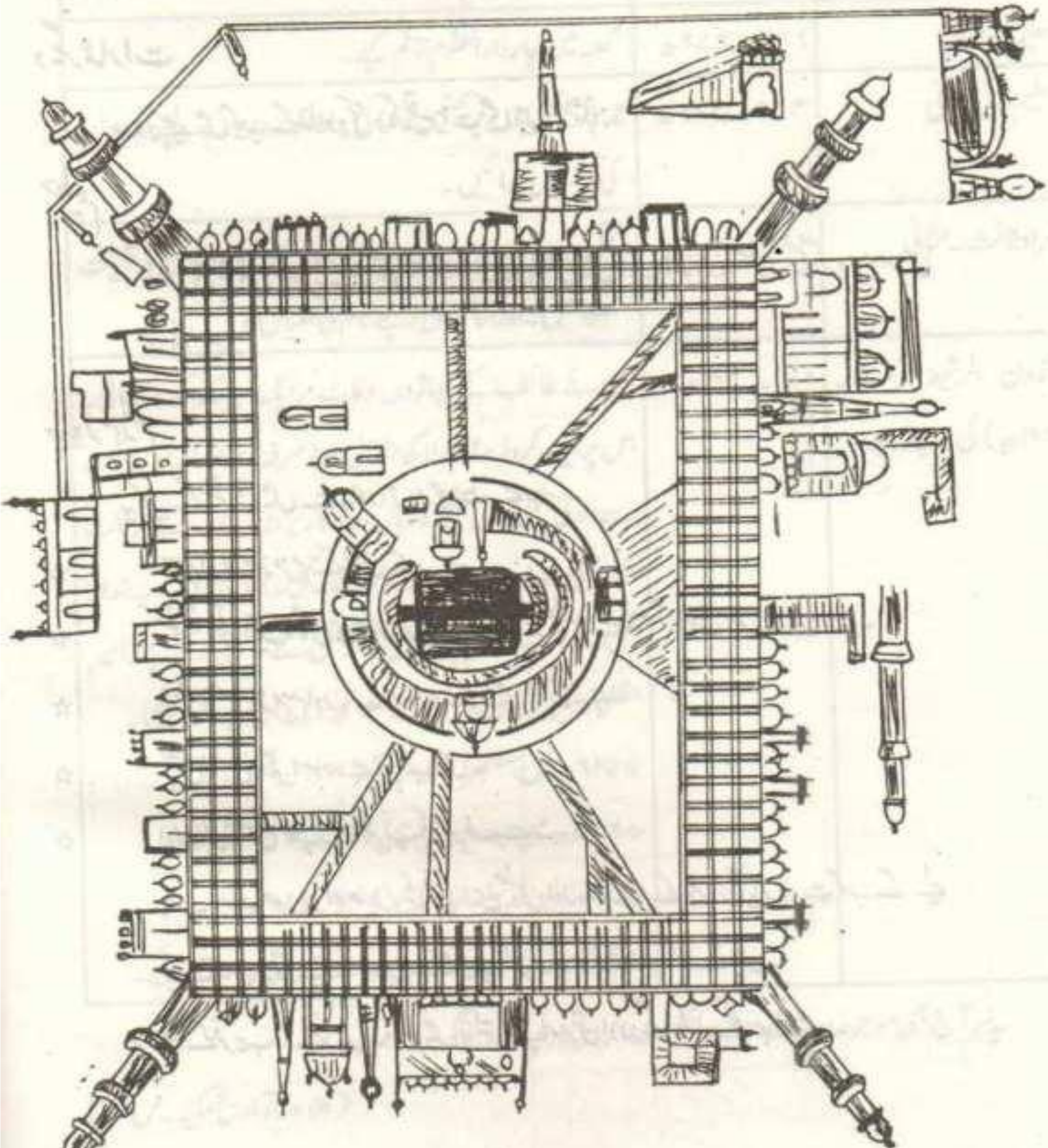

دروازے

ہر زمانے میں مسجدِ حرام کے دروازوں کی تعداد تبدیل ہوتی رہی۔ جب ۱۸۵۲ء میں کپتان آر۔ برٹن نے اس مسجد کو دیکھا۔ تو اس کے دروازوں کی تعداد ۱۹ تھی۔

اور غالباً آج بھی یہی ہے۔ یعنی:۔

۱۔	بابُ السّلام	۲۔	بابَ النبّی
۳۔	بابُ العبّاس	۴۔	بابِ علی
۵۔	بابُ العشره	۶۔	بابُ الصّفا
۷۔	بابُ الرحمَة	۸۔	بابُ الشّرِیف
۹۔	بابِ اِبرَاهِیم	۱۰۔	بابُ العُمره
۱۱۔	بابُ العتیق	۱۲۔	بابُ النّدوه
۱۳۔	بابُ البغله	۱۴۔	بابُ الاَجیاد (جِیاد)
۱۵۔	بابِ عُجلان	۱۶۔	بابُ الوداع
۱۷۔	بابُ العَجله	۱۸۔	بابُ المدرسه
۱۹۔	بابُ امِّ هانی		

(ڈاس۔ ص ۳۳۳)

مآخذ:۔ ۱۔ خلاصۃ تواریخ مکیہ۔ ص ۳۴۔۶۰، ۲۔ ڈاس۔ ص ۳۳۳۔۳۴۳

۱۷۷۔ مَشعر الحرام

فَاِذَآ اَفَضۡتُمۡ مِّنۡ عَرَفٰتٍ فَاذۡكُرُوا اللّٰهَ عِنۡدَ الۡمَشۡعَرِ الۡحَرَامِ ص (بقرہ:۱۹۸)

(جب تم عرفات سے واپس آؤ۔ تو مشعرِ حرام میں اللہ کا ذکر کرو)

مکہ سے تین میل مشرق کی طرف منیٰ ہے۔ پھر تین میل آگے مزدلفہ ہے۔ جسے قرآن نے مشعرِ حرام (مَشعر: جائے عبادت و قربانی۔ نیز سایہ دار درخت۔ اور ایک ایسا مقام جہاں حج کے متعلق کوئی فرض ادا کیا جاتا ہو) کہا ہے۔ مزدلفہ سے تین چار میل آگے عرفات ہے۔

جب حجاج ذوالحجہ کی دسویں رات کو عرفات سے لوٹتے ہیں۔ تو مزدلفہ میں دُعا و عبادت کے لیے ٹھہر جاتے ہیں۔ (تاریخ حرمین۔ ص۸۲)

مزدلفہ کا مادہ زلف ہے۔ زُلف کے معنی ہیں:۔ رات کا ایک حصہ۔ اور زُلفی کے معنی ہیں:۔ قُرب۔ چونکہ یہاں حاجی رات کا ایک حصہ عبادت میں گزار کر اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس لیے اس مقام کا نام مُزدَلفہ رکھ دیا گیا۔

ماٰخذ:۔ ۱۔ منتہی الارب۔ ج۔ ا ''زلف''، ۲۔ تاریخ حرمین۔ ص۸۲

۱۷۸۔ مصر

یہ ملک افریقہ کے شمال مشرقی کونے میں واقع ہے۔ اس کی حدود میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔ حوقی ایل کی کتاب (۲۹/۱۰، ۳۰/۶) میں اس کی تقریباً یہی حدود بیان ہوئی ہیں۔ جو ۱۹۷۲ء میں تھیں۔ اس وقت مصر کا رقبہ ۳۸۶۱۹۸ مربع میل، اور آبادی تقریباً تین کروڑ تھی۔

مصر کو بائبل میں مِصرَ یم کہا گیا ہے۔ جو نُوح کے فرزند حام کا بیٹا تھا۔ (پیدائش۔ ۱۰/۶)

مصر کے ابتدائی آباد کار حام ہی کے فرزند تھے۔ اس ملک کا عربی نام مصر ہے۔ جس کے لفظی معنی ہیں؛ ''سُرخ مٹی''۔ چونکہ زمین مصر سرخی مائل تھی۔ اس لیے وہ مصر کہلانے لگی۔ اس ملک کا قدیم ترین نام مصر کے تصویری رسم الخط میں قَیم (Kam) تھا۔ جسے کِیم پڑھا جاتا تھا۔ یہ غالباً حام کا صوتی بگاڑ ہے۔

فرعونوں کے تحت مصر، اعلیٰ و اسفل میں منقسم تھا۔ یہ تقسیم رومیوں اور یونانیوں کے عہد میں بھی باقی رہی۔ اور آج بھی موجود ہے۔ شمال کے تین صوبے مصرِ اسفل کہلاتے ہیں اور جنوبی حصے مصرِ اعلیٰ۔ جنوبی سرحد سے سیُوط تک سطح مرتفع ہے۔ اور آگے سمندر تک زمین کہیں بلند ہے اور کہیں پست۔ آب و ہوا معتدل ہے۔ گندم، کپاس اور پھل بافراط پیدا ہوتے ہیں۔

مذہب

قدیم مصریوں کا مذہب مظاہر فطرت کی پرستش تھا۔ انہوں نے ذہنی تصورات (محبت، احسان، عدل وغیرہ) کو ضمیاتی شکل دے رکھی تھی۔ ان کے بڑے خدا آٹھ تھے۔ کمتر بارہ، اور کمترین متعدد۔ یہ روح کی ابدیت اور آخرت کے قائل تھے۔ ان کا ایک خدا بیل نما تھا۔ سامری نے بچھڑے کا تصور غالباً یہیں سے لیا تھا۔

معاشرہ

مصریوں میں ذات پات کا امتیاز نہیں تھا۔ عورتیں پردے سے ناواقف تھیں۔ ایک سے زیادہ بیویوں کا رواج

بھی تھا۔ دولت مندوں کا محبوب مشغلہ شکار تھا۔ عوام کا گزارہ کاشت کاری و مزدوری پہ تھا۔ مصر کے بڑے بڑے اہرام اور محلات انہی عوام نے بنائے تھے۔ وہاں چھوٹے بڑے سب رقص موسیقی کے دلدادہ ہیں۔

سیاسی تاریخ

مصر کی قدیم تاریخ سیاست تین ادوار میں منقسم ہے:۔

۱۔ قدیم بادشاہ

۲۔ قرونِ وسطیٰ۔ اور

۳۔ آخری دور

قدیم بادشاہوں کا دارالخلافہ میمفس تھا۔ جس کی بنا مصر کے پہلے بادشاہ مینز (Menes) نے ڈالی تھی۔ چرواہا بادشاہوں کے تین خاندانوں کے سوا باقی سب فرعون کہلاتے تھے۔ ان کے تیس خاندان تھے۔ ان میں سے پہلے بارہ قدیم بادشاہوں کے ذیل میں آتے ہیں۔ چوتھا خاندان اہرام کا بانی تھا۔ بعض اہرام پر ان کے بانیوں کے نام بھی کندہ ہیں۔ سب سے بڑے ہرم کا بانی صوفس (Suphis) تھا۔ چیفرن (Chephren) کو دوسرے ہرم کا بانی سمجھا جاتا ہے۔ اور مائی سرینس (Mycerinus) کو تیسرے کا۔

قرونِ وسطیٰ کے سلاطین کا دارالخلافہ بھی میمفس تھا۔ یہ سلاطین کہیں باہر سے آئے تھے۔ غالباً یہ عادِ ارم کے فرمانروا تھے۔ جو یمن سے مصر تک چھا گئے تھے۔ یہ چرواہے کہلاتے تھے۔ یہ کوئی سو سال تک مصر پہ مسلط رہے۔ پھر مصریوں نے انہیں شکست دے کر ملک سے نکال دیا۔ یہ مصر کے پندرھویں، سولہویں اور سترھویں فرماں روا خاندان شمار ہوتے ہیں۔

آخری بادشاہوں سے مراد آخری تیرہ خاندان (۱۸۔۳۰) ہیں۔ جن کا پہلا سلطان اَموسس تھا۔ مصر سے چرواہا بادشاہوں کو اسی نے نکالا تھا۔ اور اس کے جانشینوں نے مغربی ایشیا، نیز حبشہ پر قبضہ کر لیا تھا۔

انیسویں خاندان سے مصر کا روشن ترین دور شروع ہوتا ہے۔ اس خاندان کے دو بادشاہوں یعنی سیتھی (۱۳۲۲۔ق م) اور اس کے پوتے رامسس نے سارے مغربی ایشیا کو لتاڑ ڈالا تھا، اور مصر کو خوشحال ترین ملک بنا دیا تھا۔

بائیسویں خاندان کے شی شانک (She Shonk) نے قلمرو یہوداہ پہ حملہ کر کے مسجدِ اقصیٰ کو لوٹا اور ملک میں خوب قتل و غارت کی تھی۔

بعد کے خاندانوں نے کوئی خاص کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ سوائے اس کے کہ چھبیسویں خاندان کے سمیٹک (Psametek) نے ۶۶۴ ق م میں فلسطین سے گزر کر اشوریا پہ حملہ کیا۔ ۵۲۵ ق م میں مصر سلطنت بابل کا ایک صوبہ بن کر رہ گیا۔ اور بعد میں اسکندر کے حملوں نے اسے ختم کر ڈالا۔ (ڈاب۔ ص ۱۶۰۔۱۶۳)

مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے:۔

۲۱۔ ''اِرم ذات العماد''، اور

۱۵۴۔ ''فرعون''

قدیم مصر کی تکمیل تاریخ مصر کے ایک پادری نے یونانی زبان میں تیسری صدی قبل مسیح میں لکھی تھی۔ اس کا نام مَینتھو (Manetho) تھا۔ اسے بطالسہ مصر کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس نے شاہان مصر کو تیس خاندانوں میں تقسیم کر کے ناموں کی پوری فہرست دی تھی۔ وہ کتاب تو گم ہوگئی ہے۔ لیکن فہرست یورپ کی بعض لائبریریوں میں موجود ہے۔

(ڈاب۔ ص۱۶۲ حاشیہ)

ماخذ:۔ ڈاب۔ ص۱۶۰۔۱۶۳

۱۷۹۔ مقامِ ابراہیم

یہ ایک چھوٹی سی عمارت ہے۔ جو مطاف سے باہر باب السلام اور کعبہ کے درمیان (کعبہ سے مشرق کی طرف) واقع ہے۔ یہ چاہ زم زم سے اکیس گز شمال مغرب میں ہے۔ اس میں اور دیوار کعبہ میں بھی اتنا ہی فاصلہ ہے۔ یہ آٹھ فٹ بلند ہے۔ اس میں چھ ستون ہیں۔ ارد گرد لوہے کا ایک جنگلہ ہے۔ اور اندر پانچ فٹ لمبا ایک صندوق۔ جس میں سنگ ابراہیم رکھا ہوا ہے۔ یہ وہ پتھر ہے۔ جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی دیواریں اٹھائی تھیں۔

روایت ہے کہ:

یہ پتھر ریتلا تھا اور اتنا نرم کہ آپ کے نشانات پا اس میں ثبت ہوگئے۔ اور آج بھی نظر آتے ہیں۔

امکان ہے کہ:

پتھر کافی نرم ہو۔ کسی دن بھیگ گیا ہو اور اس میں پاؤں کے نشانات ثبت ہوگئے ہوں۔ پھر مرورِ زمانہ سے پتھر سخت ہو گیا ہو۔

لیکن عام عقیدہ یہ ہے کہ:

یہ نشانات معجزانہ تھے۔

ماخذ:۔ ۱۔ ڈاس۔ ص۳۱۳، ۲۔ خلاصۃ تواریخ مکہ۔ ص۵۹

۱۸۰۔ مکّہ

دیکھیے: ۶۶۔ "بکّہ"
۶۹۔ "بیت اللہ الحرام"
اور ۱۶۱۔ "کعبہ"

۱۸۱۔ مناۃ

قریش اور دیگر قبائل کا یہ بت مکّہ کے شمال میں ساحل کے قریب ہذیل کی ایک وادی قُدَید میں عمرو بن لُحَی[۱] نے نصب کیا تھا۔ لوگ اس حد تک اس کی تعظیم کرتے تھے کہ بعض اس کی اولاد بن بیٹھے اور اپنے نام زید مناۃ اور عبد مناۃ رکھ لیے۔

روایت ہے کہ:

بنُو جُرہُم کعبہ کے پہلے متولی تھے۔ عمرو بن لُحَی نے ان پہ حملہ کیا، اور ان سے یہ ولایت چھین لی۔ کچھ عرصہ بعد عمرو بیمار ہو گیا۔ جب بیماری نے طول کھینچا۔ تو کسی نے مشورہ دیا کہ اردن کے فلاں چشمے میں نہاؤ۔ شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ یہ وہاں گیا۔ نہایا اور صحت یاب ہو گیا۔ وہاں اس نے لوگوں کو بت پرستی میں مصروف پایا۔

پوچھا کہ:

''اس کا کیا فائدہ ہے؟''

جواب ملا کہ:

''ہم تمام حاجات مثلاً:۔ بارش، بیٹا، رزق وغیرہ انہی سے مانگتے ہیں۔ اور یہ ہماری دُعاؤں کو سنتے ہیں۔''

چنانچہ اس نے ان سے چند بت مانگ لیے اور انہیں نواح کعبہ میں نصب کر دیا۔ ان میں سب سے بڑا مناۃ تھا۔ جس کی تمام قبائل (مَعَد ۔ ربیعہ اور مضر کے سوا) پرستش کرتے تھے۔ جب یہ لوگ حج کو جاتے۔ تو مناۃ سے اِحرام باندھتے اور وہیں جا کر سر منڈاتے تھے۔ اس کے بغیر تکمیل حج نہیں ہوتی تھی۔ اسے خُدائے قسمت و موت سمجھا جاتا تھا۔

(شاس۔ ص ۳۲۵)

---

[۱] یمن کے ایک قبیلے خزاعہ کا ایک سردار جس کے والد کا نام ثعلبہ عرف لُحَی تھا۔ بنُو جُرہُم سے اسی نے ولایتِ کعبہ چھینی تھی۔ (کانس ص ۴۱)

جب حضورﷺ ۸ھ میں فتح مکہ کے لیے روانہ ہوئے۔ تو پانچویں منزل پر حضرت علیؑ [1] کو حکم دیا۔ کہ وہ آگے بڑھ کر منات کو توڑ ڈالیں۔

آپ نے تعمیل کی۔ اور آپ کو اس معبد سے دو تلواریں ملیں۔ جو وہاں غسان کے ایک رئیس حارث بن ابی شمر نے بطور نذر رکھوائی تھیں۔

ایک کا نام مخذم تھا۔ اور دوسری کا رَسُوب۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان میں سے ایک حضرت علیؑ کو دے دی اور اس نا کام ذوالفقار رکھ دیا۔ اور روایت کے مطابق یہ تلواریں طے کے ایک صنم فُلس سے ملی تھیں۔

مآخذ:۔ ا۔ معجم البلدان۔ ج ۸ "منات"، ۲۔ ڈاس۔ ص ۳۱۳، ۳۔ شاس۔ ص ۳۲۵

۱۸۲۔ مُوسیٰؑ

یہ لفظ یا تو عبرانی "موشا" کی تحریف ہے۔ جس کے معنی ہیں: پانی سے نکلا ہوا۔ یا قبطی زبان کے "موشے" کا۔ جس کا مفہوم ہے۔ "نہ ڈوبنے والا"

آپ کا نسب نامہ یہ ہے:۔

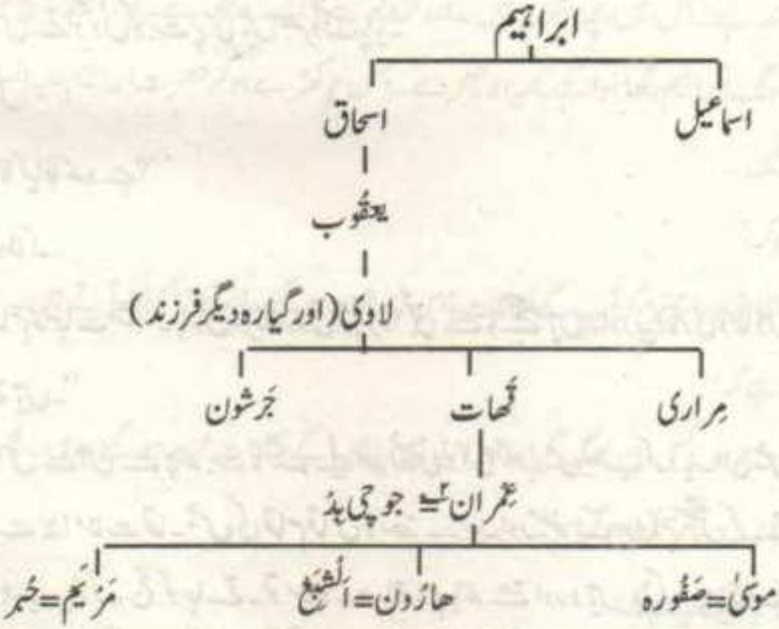

ا۔ شاس لکھتا ہے کہ: حضورﷺ نے یہ حکم فتح مکہ کے بعد دیا تھا۔
ایک روایت یہ بھی ہے کہ:
اسے ابُوسفیان نے توڑا تھا۔ لیکن واقدی اور ابن سعد کہتے ہیں کہ: یہ کام سعد بن زید اُوسی نے کیا تھا۔ (شاس۔ ص ۳۲۵)

۲۔ یہ دو لکیریں = زوجہ و شوہر کا رشتہ ظاہر کرتی ہیں۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تعلق بنولاوی سے تھا۔ اس لیے بنواسرائیل میں اس قبیلے کو وہی مقام حاصل ہے۔ جو ہند میں برہمن کو۔ دیگر تمام اسرائیلی قبائل بنولاوی سے مذہبی رہنمائی حاصل کرتے اور اپنے معابد میں انہی کو امام پیشوا لگاتے تھے۔

قرآن میں آپ کا ذکر ۱۲۹ مرتبہ ہوا ہے۔ اور یوں محسوس ہوتا ہے۔ جیسے قرآن موسیٰ کی کتاب ہے۔ تورات میں آپ کو دینِ ابراہیم کا مجدّد، ملتِ اسرائیلیہ کا بانی اور بہت بڑا مقنن بتایا گیا ہے۔

حضرت موسیٰ کو زندگی میں بے شمار کامرانیاں نصیب ہوئیں:۔

اول۔ آپ فرعون کے انتقام سے بچ نکلے۔ اور مدین میں حضرت شعیبؑ کے ہاں جا پہنچے۔

دوم۔ وہاں آپ کو اس معیار کی روحانی و اخلاقی تربیت ملی۔ کہ آپ اللہ سے ہم کلامی کے قابل ہو گئے۔

وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۵ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ ۵ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ (طٰہٰ:۴۰)

(تم نے، اے موسیٰ، مصر میں ایک قبطی کو مار ڈالا تھا۔ لیکن ہم نے تمہیں سزا سے بچا لیا۔ ہم نے تمہیں کئی ابتلاؤں میں ڈالا۔ اور تم کامیاب ہو کر نکلے۔ تم اہل مدین میں برسوں رہے، اور رفتہ رفتہ تم اس مقام پر آ گئے۔ جہاں ہم تمہیں لانا چاہتے تھے۔

درست فرمایا تھا حکیم مشرق نے:۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

سوم۔ بعد از نبوت مصر میں گئے۔ اپنے معجزوں اور دعاؤں سے فرعون کو اس قدر زِچ کیا۔ کہ وہ اسرائیل کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گیا۔

چہارم۔ ساحرانِ فرعون کو شکست دی۔

پنجم۔ جب آپ سوا چھ لاکھ افراد کو لیے کر سینا کی طرف بڑھے۔ تو فرعون کی نیت خراب ہو گئی۔ وہ کئی ہزار گھوڑا گاڑیوں کے ہمراہ ان کے تعاقب میں نکلا اور قلزم میں ڈوب گیا۔

ششم۔ جب آپ قلزم کو عبور کرنے کے بعد سینا کے قریب ایک مقام رفیڈیم پہ پہنچے۔ تو وہاں پانی نہ تھا۔ آپ نے ایک چٹان پہ عصا سے ضرب لگائی اور بارہ چشمے جاری ہو گئے۔

ہفتم۔ رفیڈیم سے پہلے آپ صحرائے سین میں خیمہ انداز ہوئے تھے وہاں کھانے کو کچھ نہ تھا۔ حضرت موسیٰ نے دعا کی۔ اور آسمان سے ایک سفید سی گول گول چیز برسنے لگی۔ جسے قرآن نے ''من'' کہا ہے اور ساتھ ہی

کہیں سے لاکھوں بٹیریں (سلویٰ) خیموں کے پاس آ گئیں۔ جنھیں اسرائیلیوں نے پکڑ لیا۔ یہ سلسلہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات تک (۴۰ سال) جاری رہا۔

ہشتم۔ آپ نے قوم کو ایک مقدس کتاب (تورات) دی۔ جو تمام سیاسی۔ اخلاقی اور معاشرتی قوانین و ہدایات پہ مشتمل تھی۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَ تَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّ رَحْمَةً (انعام:۱۵۴)

(پھر ہم نے موسیٰ کو ایک ایسی کتاب دی۔ جو خوش کاروں کے لیے مکمل ضابطہ۔ اور ہر نوع کی ہدایت اور رحمت پہ حاوی تھی۔

نہم۔ آپ نے کوہِ طور سے روانہ ہونے کے بعد پہلے عمالقہ کو شکست دی، اور پھر اہل مدین کی مقاومت کو توڑا۔

دہم۔ آپ اپنی قوم کو وفات سے پہلے ارض موعود (کنعان) کی سرحد تک پہنچا گئے۔ اور اس سرحد کو آپ کے جانشین حضرت یوشع نے عبور کیا۔

داستانِ حیات

آپ کی داستانِ حیات جزواً مختلف عنوانات، مثلاً:۔

۱۸۔ اخوانَ یُوسف	۲۴۔ اسرائیل
۳۲۔ اصحابُ السّبت	۴۴۔ الواحِ مُوسیٰ
۵۳۔ اُمِّ مُوسیٰ	۵۹۔ البحر
۶۸۔ بنوِ اسرائیل	۷۵۔ تورات
۸۲۔ جَبّارین	۱۱۱۔ سامری
۱۱۷۔ سینا	۱۲۰۔ شُعیب
۱۲۸۔ الصخرہ	۱۳۵۔ طُوَیٰ
۱۳۶۔ طُور	۱۴۷۔ عزیز (مصر)
۱۴۸۔ عِمران	۱۵۳۔ فِرعون
۱۵۵۔ قارُون	۱۷۱۔ مدین

کے تحت بیان ہو چکی ہے۔ لیکن ہم اسے اختصاراً پھر دہراتے ہیں۔ تا کہ اس سلسلے کی تمام کڑیاں یک جا ہو جائیں:۔

فرعون نے بنو اسرائیل کی دو دائیوں سفرہ اور فوعہ کو حکم دیا کہ وہ ہر پیدائش کی اطلاع حکومت کو دیں۔ ساتھ ہی پولیس کو ہدایت کی کہ وہ ہر بیٹے کو دریا میں پھینک دیں۔ (خروج۔۱/۲۲)

جب موسیٰ کی پیدائش ہوئی۔ تو ماں نے اسے تین ماہ تک چھپائے رکھا۔ اور جب راز فاش ہونے لگا۔ تو سر کنڈے کے ایک ٹوکرے میں ڈال کر دریا میں پھینک دیا۔

''ہم نے اُمِ موسیٰ کو کہا۔ کہ اسے دودھ پلاتی رہو۔ اور جب راز فاش ہونے لگے۔ تو دریا میں پھینک دو۔'' (قصص۔۷)

یہ ٹوکرا، ایک ایسے مقام پر جا لگا۔ جہاں فرعون کے گھر والے نہایا کرتے تھے۔ اتفاقاً وہاں فرعون کی بیٹی نہانے کے لیے آ گئی۔ ٹوکرے کو دیکھا۔ تو ایک خادمہ کو حکم دیا کہ اسے اٹھا لاؤ۔ اسے کھولا۔ اور ایک خوبصورت سا بچہ دیکھ کر اسے گھر لے گئی۔

فرعون کی بیوی نے دیکھا۔ تو کہنے لگی:

قُرَّتُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ؕ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا۔ (قصص۔۹)

(اے فرعون! یہ میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے شاید یہ ہمارے لیے مفید ثابت ہو۔ یا ہم اسے اپنا بیٹا بنالیں)

پھر یوں ہوا۔ کہ موسیٰ کسی کا دودھ نہ پیتے۔ اور روتے جاتے۔ اس حالت میں موسیٰ کی بہن مریم محل میں جا نکلی اور کہنے لگی۔ کہ کیا میں کوئی دودھ والی عورت تلاش کر لاؤں۔ چنانچہ وہ اپنی ماں کو لے آئی اور یوں پھر ماں کو بیٹا مل گیا۔

مصر میں موسیٰ چالیس سال تک رہا۔

ایک دن اس نے ایک قبطی کو دیکھا۔ کہ وہ ایک اسرائیلی کو بے رحمی سے پیٹ رہا ہے۔ موسیٰ نے آگے بڑھ کر اسے ایک مُکا رسید کیا۔ اور خدا کی شان کہ وہ مر گیا۔ موسیٰ خوف انتقام سے بھاگ نکلا۔ صحرائے سینا کو عبور کر کے مدین کے ایک کنوئیں پہ پہنچا۔ دیکھا کہ وہاں چرواہے ریوڑوں کو لاتے اور پانی پلا کر چلے جاتے ہیں۔ لیکن دو لڑکیاں اپنے ریوڑ کو روکے کھڑی ہیں۔ اور انہیں کوئی آگے نہیں بڑھنے دیتا۔ موسیٰ اٹھے اور ان کے ریوڑوں کو پانی پلایا۔ تھوڑی سی دیر کے بعد ان میں سے ایک لڑکی شرماتے ہوئے موسیٰ کے پاس آئی۔ اور کہنے لگی کہ میرے والد (شعیب) آپ کو بلا رہے ہیں۔

جب موسیٰ ان سے ملے تو انہوں نے کہا کہ:

اگر تم کم از کم سات برس تک میرے ریوڑ چراؤ۔ تو میں تمہیں اپنی ایک لڑکی دے دوں گا۔

موسیٰ نے یہ شرط مان لی۔ اور پورے چالیس سال تک وہاں رہے

وادیٔ طویٰ

ایک دن شام کے وقت اپنی زوجہ کے ہمراہ کہیں جا رہے تھے کہ کوہِ حوراب (جس کی ایک چوٹی کا نام طور ہے) کی ایک وادی (طویٰ) میں انہیں ایک درخت کے اندر آگ نظر آئی۔ وہ قریب گئے تو:

نُوْدِیَ یٰمُوْسٰیۗ ۝ اِنِّیْۤ اَنَا رَبُّكَ فَاخْلَعْ نَعْلَیْكَ ۚ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًیۗ ۝ (طٰہٰ:۱۲)

(آواز آئی۔ کہ اے موسیٰ۔ میں تمہارا رب ہوں۔ جوتے اتارو کہ تم طویٰ کی مقدس وادی میں ہو)

ساتھ ہی آپ کو حکم ہوا کہ فرعون کے ہاں جاؤ اور اپنی قوم کو آزاد کراؤ۔

کہنے لگے کہ:

میری زبان اٹکتی ہے۔ اس لیے میرے ساتھ میرے بھائی ہارون کو بھیجئے۔ کہ وہ بڑا فصیح اللّسان ہے۔

خدا نے یہ التماس منظور فرمائی۔ اور مصر میں:

"ہارون سے کہا کہ بیابان میں جا کر موسیٰ سے ملاقات کر۔ وہ گیا۔ اور خدا کے پہاڑ[1] پر اس سے ملا۔" (خروج ۔۴/۲۷)

پھر یہ دونوں فرعون کے دربار میں پہنچے۔ اس سے مدعا بیان کیا۔ لیکن وہ آسانی سے ماننے والا نہ تھا۔ گو موسیٰ علیہ السلام نے عصا کو اژدہا بنایا۔ ید بیضا کا معجزہ دکھایا۔ ساحرانِ فرعون کو شکست دی۔ لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔

چنانچہ اللہ نے قومِ فرعون پر کئی عذاب بھیجے۔ مثلاً:

فَاَرْسَلْنَا عَلَیْهِمُ الطُّوْفَانَ وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ۔

(اعراف:۱۳۳)

(ہم نے ان پر طوفان۔ ٹڈی دل۔ جوئیں۔ مینڈکوں۔ اور خون کا عذاب نازل کیا)

اور بالآخر فرعون نے زچ ہو کر بنو اسرائیل کو مصر سے جانے کی اجازت دے دی۔ جب یہ مصر سے نکل کر بحیرۂ قلزم پہ پہنچے۔ تو پیچھے سے فرعون بھی آ گیا۔

---

[1] صحرائے سینا میں ایک پہاڑ شرقاً غرباً خلیج عقبہ سے خلیج سویز تک پھیلا ہوا ہے۔ طور اسی کی ایک چوٹی ہے اور اس کا نام حوراب ہے۔ یہ کوہِ خداوند کے نام سے بھی مشہور ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سمندر پہ عصا سے ضرب لگائی۔ وہ دو حصوں میں پھٹ گیا۔ اور موسیٰ اپنی قوم کے ساتھ پار اتر گئے۔

فرعون بھی آگے بڑھا۔ جب اس کی ساری فوج لہروں کی زد میں آگئی۔ تو اوپر سے پانی مل گیا۔ اور فرعون ڈوب گیا۔

اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے۔

یہ تین ماہ کے بعد طُور سینا پہ پہنچے۔ (خروج۔۱۹/۱) یہاں اللہ نے چالیس راتوں کے لیے موسیٰ علیہ السلام کو طُور پہ طلب کیا۔ اور وہاں دو الواح دیں۔ جن پر دس احکام درج تھے۔

(دیکھیے :۴۴۔ الواح موسیٰ)

نیز شریعت کے کچھ احکام نازل کیے۔ اسی وقفے میں سامری نے گئوسالہ بنایا تھا۔

صحرائے تیہہ

نواحِ سینا سے چل کر یہ لوگ صحرائے تیہہ کے ایک سرسبز و شاداب مقام قدیشِ بَرنیا میں پہنچے۔ چونکہ بنو اسرائیل نے عمالقہ کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس لیے اللہ نے انہیں چالیس برس کے لیے اسی مقام پہ ٹھہرائے رکھا۔ جب پرانی نسل ختم ہوگئی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نئی نسل کو لے کر کنعان کی طرف بڑھے۔ ایدُوم سے گزر رہے تھے کہ حضرت ہارون فوت ہو گئے اور قریب ہی ایک پہاڑ پر دفن ہوئے۔ یہ اس روز سے جبلِ ہارون کہلاتا ہے۔

یہ لوگ ایدوم کے مغرب اور موآب کے مشرق سے گزر کر جارڈن کے ایک دریا ارنان (Arnon) پہ پہنچے۔ یہ دریا کنعان (ارضِ موعُود) کی مشرقی سرحد کا کام دیتا تھا۔ یہاں قریب ہی بحیرۂ مُردار کے شمال مشرقی ساحل پر ایک پہاڑ نیبو (Nebo) کہلاتا ہے۔ ایک دن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس پر چڑھ گئے۔ چند اکابر اُن کے ہمراہ تھے۔ آپ نے انہیں ارضِ موعُود دکھائی۔ پھر وہیں ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی۔ اور آپ پہاڑی پر مدفون ہوئے۔ وفات کے وقت آپ کی عمر ۱۲۰ سال تھی۔ (عہد بائبل کی کہانی۔ ص ۲۶)

تاریخیں

۱ :	موسیٰ علیہ السلام کا سالِ ولادت	۱۵۷۱ق م
۲ :	موسیٰ علیہ السلام کا سالِ وفات	۱۴۵۱ق م
۳ :	مصر میں قیام چالیس سال	۱۵۷۱۔۱۵۳۱ق م
۴ :	مدین میں قیام چالیس سال	۱۵۳۱۔۱۴۹۱ق م

۵ : مصر سے اسرائیل کا خروج ۱۴۹۱ق‌م

۶ : صحرائے تیہہ میں قیام ۱۴۹۱۔۱۴۵۴ق‌م

۷ : سفر از تیہہ تا کوہ نیبو ۱۴۵۴۔۱۴۵۱ق‌م

(کمپینین۔ص ۱۸۲،اعمال ۷/۸۰،خروج ۱۹/۲)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد حضرت یُوشع قوم کے رئیس بنے۔آپ نے کنعان کو فتح کیا۔اور ۲۲ سال کے بعد ۱۴۲۹ق‌م میں وفات پائی۔ (کمپینین۔ص ۱۸۲)

مآخذ:۔ ۱۔ڈاب۔ص ۴۲۹۔۴۳۳، ۲۔کمپینین۔ص ۱۸۲، ۳۔حکایت عہد بائبل۔ص ۲۶،
۴۔پیپلز۔ص ۱۰۳۵، ۵۔باڈ۔ص ۴۸۵، ۶۔کتاب الہدیٰ۔ص ۵۷۶،
۷۔ڈاس۔ص ۳۵۶، ۸۔شاس۔ص ۴۱۴، ۹۔قرآن شریف، ۱۰۔بائبل،

ن

۱۸۳۔نِساءُ النّبی

دیکھیے:۔۲۲۔"اَزْوَاجُ النّبی"

۱۸۴۔نَسر

بنو حمیر کا ایک صنم۔

مزید تفصیل:۔ ۱۱۵۔"سُواع" کے تحت دیکھیے۔

۱۸۵۔نصاریٰ

دیکھیے:۔۵۶۔"اہلِ کتاب"

۱۸۶۔نُوحؑ

نوحؑ کا ذکر قرآن میں ۴۳ مرتبہ ہوا ہے اور آپ کی داستان کئی مرتبہ دہرائی گئی ہے۔اس کا ماحصل یہ کہ:

حضرت نُوح علیہ السلام نے قوم کو نیکی کی طرف بار بار بلایا۔لیکن وہ نہ مانی۔چنانچہ اللہ نے ان پر اس قدر مینہ برسایا۔کہ سینکڑوں میل تک پھیلی ہوئی تمام بستیاں ڈوب گئیں۔حضرت نوحؑ،ان کی مومن اولاد اور ان کے پیرو ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔جو آپ نے خدائی حکم سے پہلے ہی تیار کر رکھی تھی۔یہ سب بچ گئے۔لیکن تمام سرکش لوگ جن

میں آپ کا ایک فرزند بھی شامل تھا ڈوب گئے۔

بعض اقوام عالم کی روایات میں داستان طوفان مختلف ناموں سے بیان ہوئی ہے۔ کالڈیہ کے قدیم نوشتوں سے پتہ چلتا ہے کہ پرانے زمانے میں ایک شخص رکسوتھرس نے طوفان سے بچنے کے لیے ایک کشتی بنائی تھی۔ ایسی ہی چند کہانیاں فنقی اور بعض دیگر غربی ایشیائی اقوام کی روایات میں ملتی ہیں۔ (ڈاب۔ص ۴۶۳)

یہ طوفان ۲۳۴۹۔ق م میں آیا تھا۔ (کمپینین۔ص ۱۸۲)

نوحؑ کا نسب نامہ یہ ہے:۔

نوح بن لُمک بن متوشلح بن خنوت (اخنوخ)

بن یارد بن مہلائیل بن قینان

بن انُوش بن شیث بن آدم

نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے:۔

- ☆ سَام
- ☆ حَام اور
- ☆ یافِث

بیشتر محققین کا خیال یہ ہے کہ:

موجودہ نسل انسانی انہی تین بیٹوں کی اولاد ہے۔

قرآن کی ایک آیت کا مفہوم بھی یہی ہے:

وَجَعَلۡنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الۡبٰقِيۡنَ ۝ صلے (صافات:۷۷)

(ہم نے صرف نُوح کی اولاد کو دنیا میں باقی چھوڑا)

مطلب یہ کہ دنیا کی باقی آبادی یا تو ڈوب گئی تھی اور یا رفتہ رفتہ یوں ختم ہوگئی۔ جیسے: ہندوستان، آسٹریلیا، امریکہ اور کینیڈا کے اصلی باشندے ختم ہو چکے یا ہو رہے ہیں۔ قدرت کا یہ اصول ہے کہ وہ غیر مہذب، وحشی اور نااہل افراد و قبائل کو ہولے ہولے ختم کر دیتی ہے۔

وَاَمَّا مَا يَنۡفَعُ النَّاسَ فَيَمۡكُثُ فِى الۡاَرۡضِ ط (رعد:۱۷)

(دنیا میں وہی چیز (قوم۔نسل) باقی رہتی ہے۔ جو لوگوں کے لیے مفید و نافع ہو)

"نوح کے بیٹے جو کشتی سے نکلے، سام، حام اور یافث تھے حام کنعان کا باپ تھا۔ یہ تینوں

نوح کے بیٹے تھے اور انہی کی نسل ساری زمین پر پھیلی۔" (پیدائش۔۱۰/۱۸۔۱۹)

مسکنِ نوح، آلِ نوح

بائبل نیز قدیم تاریخی کتابوں اور کتبوں سے یہی پتہ چلتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام عراق کے اس حصے میں آباد تھے۔ جہاں آج کل موصل کا شہر ہے۔ اس زمانے میں خلیج فارس غالباً موصل تک پھیلی ہوئی تھی۔ مُرورِ زمانہ سے سمندر پیچھے ہٹتا گیا۔ اور رفتہ رفتہ موصل سے عراق تک کا علاقہ پانی سے باہر نکل آیا۔ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ زلزلے سے سمندر میں ڈوبی ہوئی زمین شق ہو جاتی ہے۔ اور ساحل کا پانی سمٹ جاتا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ارض عراق کا ظہور کسی ایسے ہی حادثے کا نتیجہ ہو۔

کشتی سے نکلنے کے بعد حضرت نوح علیہ السلام اور اس کی اولاد کوہِ جُودی کے دامن میں رہنے لگی۔ چونکہ یہ کُل اسّی افراد تھے۔ اس لیے عرب اس بستی کو ثمانین کہتے ہیں۔ (معجم۔ ج ۳، "ثمانین")

جب چند صدیوں کے بعد ان کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہو گئی۔ تو یہ ادھر ادھر ہجرت کرنے لگے۔

اکثر مؤرخین کا خیال یہ ہے۔ کہ:

☆ عرب۔ فارس۔ روم اور یورپ سام کی اولاد ہیں۔

☆ افریقی حام کی۔

اور بحرالکاہلی ممالک یعنی:۔

☆ انڈونیشیا، فلپائنز، جاپان، چین، انڈوچائنا، برما، منگولیا اور مشرقی روس یافث کی۔

نوح اور بائبل

بائبل میں حضرت نوح علیہ السلام کی کہانی ذرا تفصیل سے بیان ہوئی ہے۔ اس کے چند اقتباسات حاضر ہیں:۔

"اور خدا نے نوح سے کہا کہ تمام بشر کا خاتمہ میرے سامنے آپہنچا ہے۔ کیونکہ ان کے سبب سے زمین ظلم سے بھر گئی ہے............ تو گوپھر (سرو) کی لکڑی کی ایک کشتی بنا............ اس کی لمبائی تین سو ہاتھ۔ چوڑائی پچاس ہاتھ۔ اور اونچائی تیس ہاتھ ہو............ تو اپنے ساتھ بیوی۔ اپنے بیٹے۔ بیٹوں کی بیویاں، اور جانوروں اور پرندوں میں سے دو دو (نر اور مادہ) لے لے............ اور ہر طرح کے کھانے کی چیزیں ساتھ رکھ لے............ اور جب نوح چھ سو برس کا تھا۔ تو پانی کا طوفان زمین پہ آیا............ چالیس دن اور رات بارش برستی رہی

.........اور پانی اتنا چڑھا کہ دنیا کے سب پہاڑ ڈوب گئے .... بعد[1] میں پانی ایک سو پچاس دن تک چڑھتا رہا .... پھر پانی رک گیا اور بارش تھم گئی .... ساتویں مہینے کی سترہویں تاریخ کو کشتی ارارات (جودی) کے پہاڑ پہ ٹک گئی .... اور دسویں مہینے کی پہلی تاریخ کو پہاڑوں کی چوٹیاں نظر آنے لگیں۔ اور چالیس دن کے بعد نوح نے کھڑکی کھول کر ایک کوے کو اڑا دیا .... پھر اس نے ایک کبوتری کو چھوڑ دیا۔ لیکن اسے پنجہ ٹیکنے کی کوئی جگہ نہ ملی۔ اور وہ لوٹ آئی .... سات دن بعد اس نے پھر کبوتری کو چھوڑا۔ وہ شام کو واپس آئی۔ تو اس کے منہ میں زیتون کی ایک تازہ پتی تھی ...... سات دن بعد اس نے کبوتری کو پھر چھوڑا۔ اور وہ واپس نہ آئی .... چھ سو پہلے برس کے پہلے مہینے کی پہلی تاریخ کو پانی سوکھ گیا .... تب سارے آدمی اور جانور کشتی سے باہر نکلے .... اور خدا نے نوح، اور اس کے بیٹوں کو برکت دی۔" (ملخص۔ پیدائش باب ۶۔۷)

لغوی تحقیق

مسٹر سمتھ کی تحقیق یہ ہے۔ کہ:

نوح، نوچ کی تحریف ہے۔ یہ غالباً ابتدائی شمالی عراقی بولی کا ایک لفظ ہے۔ جس کے معنی ہیں: "سکون بخش"۔

جب یہ بچہ پیدا ہوا۔ تو اس کے والد لمک نے اس کا نام "نوح" رکھ کر کہا کہ:

"یہ ہمیں سکون دے گا۔" (پیدائش۔۵/۲۹)

آلِ نُوح

حضرت نوح علیہ السلام کے تین ہی فرزند تھے:۔

۱۔حام ۲۔سام ۳۔یافث

بعض مفسرین اس فہرست میں ایک اور فرزند کنعان کا بھی اضافہ کرتے ہیں۔ جو نافرمانی کی وجہ سے ڈوب گیا تھا۔ لیکن بائبل میں کنعان کو حام کا فرزند اور نوح علیہ السلام کا پوتا بتایا گیا ہے۔ (پیدائش۔۱۰/۶)

چونکہ پوتا بھی بیٹے ہی کی طرح عزیز ہوتا ہے۔ اس لیے ممکن ہے کہ حضرت نوحؑ نے اسے "یابُنَیَّ" (اے پیارے بیٹے) کہہ کر پکارا ہو۔

یہ بچے اس وقت پیدا ہوئے۔ جب حضرت نوح کی عمر پانچ سو برس ہو چکی تھی۔

---

[1] غالباً دور دراز کے چشمے اور نالے اُس میں شامل ہوتے رہے۔

ماخذ:۔ ۱۔قرآن حکیم، ۲۔بائبل، ۳۔کتاب الہدیٰ۔ص۲۶۸،
۴۔کمپینین۔ص۱۸۲، ۵۔ڈاب۔ص۴۶۱، ۶۔معجم۔ج۴ "ثمانین"

و

۱۸۷۔وَدّ

شمالی عرب کے ایک قصبے "دومۃ الجندل" میں بنو وبرہ کا ایک صنم۔ جسے سال تبوک (۹ھ) میں حضورﷺ کے حکم سے خالد بن ولید نے توڑ ڈالا تھا۔
مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے:۔ ۱۱۵۔"سواع"

۱۸۸۔وَصِیلَہ

مَا جَعَلَ اللّٰہُ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَآئِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ؕ وَاَکْثَرُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ○ (مائدہ:۱۰۳)

(اللہ نے نہ تو بحیرہ بنایا ہے۔ نہ سائبہ۔ نہ وصیلہ۔ اور نہ حام۔ یہ کفار کا افترا ہے۔ اور ان میں سے اکثر عقل سے خالی ہیں)

عربوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کوئی بکری ساتویں مرتبہ بچے جنتی تو وہ یہ دیکھتے کہ بچہ ایک ہے یا دو۔ پھر وہ نر ہے یا مادہ۔ اگر نر ہوتا۔ تو اسے فوراً ذبح کر کے گھر کے مرد کھا جاتے۔ اور عورتوں کے لیے وہ حرام سمجھا جاتا۔ اگر مادہ ہوتا۔ تو اسے ریوڑ میں شامل کر لیتے۔ اگر وہ بچے ہوتے۔ ایک نر اور ایک مادہ۔ تو مادہ اور اس کی ماں ہر دو وصیلہ کہلاتیں۔ مجدالدین فیروز آبادی لکھتے ہیں کہ وصیلہ اس اونٹنی کو بھی کہتے تھے:

"کہ وہ شکم در پے یک دیگر زاید"

(جو لگاتار دس بچے جن چکی ہوتی)

اور اُس بکری کو بھی:۔

کہ ہفت بطن دو دو بچہ مادہ در پے یک دیگر آرد

(جس کے بطن سے سات مرتبہ مسلسل دو دو بکریاں پیدا ہو چکی ہوں) (منتہی الارب۔ج۲ "وصل")

مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے :۔

۶۰۔"بحیرہ"اور

۶۱۔"سائبہ"

مآخذ:۔ ۱۔جلالین۔ص۱۰۶، ۲۔منتہی الارب"وصل"، ۳۔ترجمۂ قرآن۔مولانا احمد رضا۔ص۱۸۱۔حاشیہ

ہ

۱۸۹۔ہارُوت

(دیکھیے :۔۱۶۷۔"مارُوت"

۱۹۰۔ہارُون

عمران کا بڑا بیٹا۔ جو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تین سال بڑا تھا۔ (گنتی ۔۲۶/۵۹)

قرآن میں اس کے متعلق صرف اتنا ہی مذکور ہے کہ جب وادیٔ طوئی میں حضرت موسیٰ کو فرعون کے ہاں جانے کا حکم ہوا۔ تو آپ نے استدعا کی ۔ کہ ہارون کو بھی میرے ساتھ جانے کا حکم دیجئے ۔ کہ وہ بڑا فصیح و بلیغ ہے۔

> تب "خداوند نے (مصر میں) ہارون سے کہا۔ کہ بیابان (سینا) میں جا کر موسیٰ سے ملاقات کر۔ وہ گیا اور خدا کے پہاڑ (حوراب) پر اس سے ملا.......... تب موسیٰ اور ہارون نے (مصر میں پہنچ کر) بنی اسرائیل کے سب بزرگوں کو جمع کیا۔ اور ہارون نے انہیں وہ سب باتیں بتائیں۔ جو خداوند نے موسیٰ سے کہی تھیں۔" (خروج ۔۴/۲۷۔۳۰)

اس کے بعد یہ دونوں فرعون کے ہاں گئے ۔ اور کئی ماہ تک اسے قائل کرتے رہے ۔ لیکن وہ نہ مانا ۔ چنانچہ اس کی قوم پر کئی عذاب نازل ہوئے اور بالآخر اس نے بنو اسرائیل کو جانے کی اجازت دے دی۔

> جب حضرت موسیٰ طُور پہ طلب ہوئے ۔ تو حضرت ہارون نے جانشینی کے فرائض سرانجام دیے ۔ جب چالیس راتوں کے بعد حضرت موسیٰ واپس آئے ۔ اور قوم کو گئو سالہ پرستی میں مصروف دیکھا ۔ تو آپ نے غصے میں الواح مقدسہ پھینک دیں ۔ اور حضرت ہارون کو ریش و مُوسے پکڑ کر گھسیٹنے لگے۔ (طٰہٰ ۔۹۴)

جب بنو اسرائیل صحرائے تیہہ میں اقامت گزیں تھے ۔ تو حضرت ہارونؑ فرائض کہانت (مذہبی پیشوائی) سرانجام دیتے تھے۔ (خروج ۔ باب ۲۹)

مصر میں بھی حضرت ہارونؑ اپنی قوم کے پیشوا تھے۔ نیز فرعون کی مشاورتی کونسل کے ایک ممبر۔(باڈ۔ص ۲۹۷)
حضرت ہارونؑ خروج سے موت تک حضرت موسیٰ سے تعاون کرتے رہے۔ صرف ایک موقعہ ایسا آیا۔ جب حضرت ہارونؑ اور ان کی ہمشیرہ مریم حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ناراض ہوئی۔

ہوا یوں:۔

''کہ مُوسیٰ نے ایک کُوشی (حبشہ کی رہنے والی) عورت سے بیاہ کرلیا۔ اور اس پر ہارون اور مریم سخت ناراض ہوئے۔'' (گنتی۔۱۲/۱۔۲)

ہارُون کی وفات

صحرائے تیہہ میں ۳۷ سال تک قیام کرنے کے بعد جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر کنعان کی طرف روانہ ہوئے۔ تو وہ ایڈوم[۱] سے گزرے۔ وہاں جبل[۲] حور (یا جبل ہارون) کے دامن میں رُکے۔ تو حضرت ہارونؑ کی وفات ہوگئی اور آپ کو اس پہاڑ کی چوٹی پہ دفن کر دیا گیا۔ اس وقت آپ کی عمر ۱۲۳ سال تھی۔ آپ کے دو فرزند تھے:

۱۔ اَلیذ ار، اور ۲۔ اِتھامر

آپ کے بعد پیشوائی کا منصب الیذ ار کے حوالے ہوا۔ جو آپ کی نسل میں بطور وراثت چلتا رہا۔ لیکن کچھ عرصے کے بعد اس پر اتھامر کی اولاد قابض ہوگئی۔ جب حضرت سلیمان (۹۷۵۔ق م) کا زمانہ آیا۔ تو آپ نے یہ منصب دوبارہ آل الیذ ار کے حوالے کردیا۔ (ڈاب۔ص ۷)

مآخذ:۔ ۱۔ڈاب۔ص ۷، ۲۔باڈ۔ص ۲۹۷، ۳۔اعلام۔ص ۱۹۱،
۴۔بائبل، ۵۔قرآن حکیم، ۶۔شاس۔ص ۱۳۴،

۱۹۱۔ہامان

قرآن میں یہ نام فرعون کی کہانی میں چھ مرتبہ آیا ہے۔
شارحین قرآن کی رائے یہ ہے۔ کہ:
ہامان فرعون کا وزیراعظم تھا۔ ایک دفعہ فرعون نے اسے ایک مینار بنانے کا حکم دیا۔ تا کہ وہ اس پر چڑھ کر خدائے موسیٰ کو دیکھ سکے۔ (قصص۔۳۸)
اسی نے فرعون کو بنو اسرائیل کے بچے قتل کرنے کا مشورہ دیا تھا۔ (ڈاس۔ص ۱۶۰)

۱۔ خلیج عقبہ کے شمال اور بحیرۂ مُردار کے جنوب میں ایک ضلع یا علاقہ۔
۲۔ یہ پہاڑ سطح قلزم سے ۴۸۰۰ فٹ بلند تھا۔

ایران کے ایک بادشاہ کجخسرو (۴۲۵۔قم) کے وزیراعظم کا نام بھی ہامان تھا۔اس نے ایک دفعہ تمام یہود کو قتل کرنے کا حکم دیا۔لیکن خود قتل ہوگیا۔ (آستر (بائبل) باب ۳۔۵)

مآخذ:۔ ا۔بائبل، ۲۔قرآن مجید، ۳۔ڈاب۔ص۲۴۴، ۴۔ڈاس۔ص۱۶۰

۱۹۲۔ہُودٌ

تفسیر بیضاوی (بحوالۂ ڈاس۔ص۱۸۲) میں ہُودؑ کا نسب نامہ یوں دیا ہوا ہے:۔

ھُود بن عبداللہ بن رَباح بن خلُود

بن عاد بن عُوض بن ارم

بن سام بن نُوح

بعض اہل علم کے ہاں عِبر بن سَلَح (شالخ) بن اَرفَخشَد بن سام بن نُوح ہی ہُود تھا۔

بائبل (قُضاۃ۔۳) میں ایک یہودی ہبر کا بھی ذکر آیا ہے۔جو حضرت یوشع (۱۴۲۹۔قم) کے بعد ہوا تھا۔

(قُضاۃ۔۴) ڈاس (ص۱۸۲) نے ایک محقق ہربلاٹ (Herbelot) کے حوالے سے لکھا ہے۔کہ شاید ہود اسی کا نام تھا۔

لیکن قرآن کی رو سے یہ درست نہیں۔کیونکہ قوم عاد کا زمانہ عروج ابراہیمؑ سے پہلے اور نوح کے بعد تھا۔اور ہبر آٹھ سو سال بعد کا آدمی ہے۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ وَّ زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْۜطَةً ۚ (اعراف:۶۹)

(اے قوم عاد! وہ وقت یاد کرو۔جب اللہ نے تمہیں قوم نوح کے بعد خلیفہ بنایا تھا۔اور تمہاری شان و شوکت میں اضافہ کیا تھا)

ہُود علیہ السلام عادِ اولیٰ (دیکھیے:۔۲۱۔''اِرم ذات العماد) کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔یہ قوم اَحقاف (دیکھیے شمار۔۱۳) میں رہتی تھی۔قرآن میں ہُود کا دس بار ذکر آیا ہے۔اور قرآن کی گیارہویں سورہ کا نام بھی ہُود ہے۔

آپ نے قوم کو بار بار بدکاری کے نتائج سے ڈرایا۔وہ نہ مانی تو تباہ ہوگئی۔

وَاَمَّا عَادٌ فَاُهْلِكُوْا بِرِيْحٍ صَرْصَرٍ عَاتِيَةٍ ۙ (حاقہ:۶)

(اور ہم نے عاد کو تند و تیز اور دھاڑتی ہوئی آندھی سے تباہ کیا تھا)

آپ کی عمر ۱۵۰ برس تھی (شاس ص۱۴۰) اور آپ کا مزار حضر موت میں بَر بَرَہُوت (ایک گاؤں) کے

قریب واقع ہے۔

ابن بطوطہ (سفرنامہ۔طبع پیرس۔ج ا،ص ۲۰۵) لکھتا ہے۔کہ آپ جامع دمشق میں مدفون ہیں۔

بعض دیگر علماء کہتے ہیں کہ:

آپ کعبہ کے قریب ۹۸ دیگر انبیاء کے ساتھ دفن ہیں۔ (شاس۔ص ۱۴۰)

مولانا یعقوب الحسن نے کتاب الہدیٰ کی جلد دوم (ص ۳۳۴۔۳۳۶) میں حضرت ہودؑ کے متعلق چند کتبات کا ذکر کیا ہے۔لیکن ماخذ نہیں بتایا۔اگر بتایا بھی ہے تو نامکمل۔اس لیے میں انہیں نظر انداز کرتا ہوں۔

ماخذ:۔ ا۔قرآن شریف، ۲۔بائبل، ۳۔شاس۔ص ۱۴۰، ۴۔رحلۂ ابن بطوطہ۔ج ا،ص ۲۰۵، ۵۔ڈاس۔ص ۱۸۲، ۶۔کتاب الہدیٰ ج ۲،ص ۳۳۴

ی

۱۹۳۔یاجُوج

دیکھیے:۔ ۱۶۶۔''ماجوج''

۱۹۴۔یثرِب

دیکھیے:۔ ۱۷۲۔''مدینہ''

۱۹۵۔یحییٰؑ

قرآن شریف میں آپ کا ذکر پانچ بار آیا ہے:۔

☆ عمران۔ع ۴

☆ انعام۔ع ۱۵

☆ مریم۔ع ۱ (دوبار)

اور ☆ انبیاء۔ع ۶ میں۔

آپ کی کہانی سورۂ مریم کی ابتدائی آیات میں یوں بیان ہوئی ہے:۔

''آؤ ہم اس رحمت کا ذکر کریں۔جو تمہارے ربّ نے اپنے بندے زکریا پہ کی تھی۔ہوا یوں:۔

کہ زکریا نے اللہ سے نرم اور دھیمی آواز میں کہا:

کہ اے ربّ!

میری ہڈیاں کمزور ہو گئی ہیں اور پیری کی وجہ سے بالوں کا رنگ سفید ہو گیا ہے۔ میری دُعا کبھی نا منظور نہیں ہوتی۔ میری بیوی بانجھ ہے اور مجھے اپنے وُرثا سے خوف سا آتا ہے۔ اس لیے اے اللہ مجھے ایک ایسا فرزند عطا فرما۔ جو میرا نیز آلِ یعقوب کی اوصاف کا وارث ہو۔ اور اس کے اطوار پسندیدہ ہوں۔

جواب ملا:

کہ اے زکریا!

ہم تمہیں ایک فرزند کی بشارت دیتے ہیں۔ جس کا نام یحیٰؑ ہوگا۔ اور اس سے پہلے ہم نے یہ نام کسی اور کو نہیں دیا۔

زکریا نے کہا:

کہ اے ربّ!

میرے ہاں فرزند کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بڑھاپے کی وجہ سے سوکھ گیا ہوں۔

فرمایا:

ایسا ہو کر رہے گا۔ یہ میرے لیے بہت آسان ہے۔ کیا ہم نے تم کو عدمِ محض سے پیدا نہیں کیا؟

کہا:

اے رب!

مجھے کوئی نشان دے۔

فرمایا:

نشان یہ ہے۔ کہ تُو تین راتوں تک کسی سے بات نہیں کر سکے گا۔

(جب ایسا ہوا) تو زکریا عبادت گاہ سے نکل کر لوگوں کے سامنے آیا۔ اور انہیں اشاروں سے صبح و شام ذکر و تسبیح میں مصروف رہنے کی ہدایت کی۔

اے یحیٰؑ! تورات کو مُحکم پکڑو۔ ہم نے یحیٰؑ کو بچپن ہی میں دانش، تحمل، پاکیزگی اور تقوٰی سے نوازا تھا۔ وہ والدین کا فرماں بردار تھا۔ اور ظالم و سرکش نہ تھا۔" (مریم۔ ۱۔ ۱۵)

سورۂ عمران میں ہے:

''کہ یحییٰ کلمۃُ اللہ (مسیح) کی تصدیق کرے گا۔ وہ قوم کا سردار، گناہ سے نفور، نبی اور صالح ہوگا۔'' (عمران۔۳۹)

انجیل میں ہے:۔

''یہودیہ کے بادشاہ ہیروڈیس کے زمانے میں اَبیاہ (بن بکر از بنُو بن یمین) کی نسل سے زکریا نامی ایک کاہن تھا۔ اس کی بیوی الشبع ہارون کی اولاد میں سے تھی...... ان کی اولاد نہ تھی۔ کیونکہ الشبع بانجھ تھی اور دونوں عمر رسیدہ تھے...... ایک دن ایک فرشتے نے اس سے کہا ...... تیری دُعا سن لی گئی اور تیری بیوی سے ایک بیٹا ہوگا۔ اس کا نام یُوحنّا رکھنا''......

(لوقا۔۱/۵۔۱۴)

الشبع، حضرت مریم (والدہ مسیح) کی بہن تھی۔ یحییٰ کی ولادت مسیح سے صرف چھ ماہ پہلے ہوئی تھی۔

(ڈاب۔ص۳۰۹)

جب یہ بڑا ہوا۔ تو اونٹ کے بالوں کا ایک کُرتہ پہن کر اور پٹی باندھ لیتا۔ عموماً بیابانوں میں رہتا۔ اور کبھی کبھی بستیوں میں جا کر لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا۔ آسمانی بادشاہت کے قُرب کا اعلان کرتا۔ اور جو لوگ گناہوں سے تائب ہو جاتے انہیں بپتسمہ دیتا۔ یعنی انہیں نہلاتا یا وضو کراتا یا صرف پانی چھڑک دیتا۔ جب حضرت مسیح بڑے ہوئے۔ تو آپ گلیلی سے چل کر جارڈن میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے ہاں بپتسمہ لینے کے لیے گئے۔ (متی۔۳/۱۳)

جب حضرت مسیح علیہ السلام کی نبوت کا آغاز ہوا۔ تو آپ نے تبلیغ ترک کردی۔

اس زمانے میں یہوداہ پر ہیروڈ اعظم کے بیٹے ہیروڈ اینٹی پاس[1] (Anti Pas) کی حکومت تھی۔ اس نے اپنے سوتیلے بھائی ہیروڈ فلپ کی بیوی ہیروڈیاس سے شادی رچالی۔ چونکہ تورات کی رو سے یہ شادی ناجائز تھی۔ اس لیے بادشاہ نے حضرت یحییٰ سے فتویٰ جواز مانگا۔ آپ نے انکار کیا تو:

''ہیروڈیس نے اپنے بھائی فلپس کی بیوی ہیروڈیاس کے سبب سے یُوحنّا کو پکڑ کر باندھا اور قید خانہ[2] میں ڈال دیا...... پھر جب ہیروڈیس کی سالگرہ ہوئی تو ہیرودیاس کی لڑکی نے محفل میں ناچ کر بادشاہ کو بہت خوش کیا۔ اور بادشاہ نے قسم کھا کر وعدہ کیا کہ وہ اس کی منہ مانگی مراد پوری کرے گا۔ لڑکی نے اپنی ماں کے سکھانے سے یُوحنّا کا سر مانگ لیا۔ اس پر بادشاہ غمگین ہوا۔ لیکن اپنی قسم کے سبب سے حکم دیا۔ کہ یُوحنّا کا سر تھال میں رکھ کر شاہزادی کے سامنے پیش کرو۔ چنانچہ ملازموں نے اس حکم کی تعمیل کی۔'' (متی۔۱۴/۱۔۱۱)

---

[1] اسے عرب کے ایک بادشاہ نے شکست دے کر سلطنت چھین لی اور یہ جلاوطنی میں ۴۰ء کے قریب فوت ہوگیا۔

[2] یہ قید خانہ بحیرۂ مُردار کے مشرقی ساحل پہ تھا۔ (شاس۔ص۳۱۰)

مسندِ امام احمد میں حضورﷺ کا یہ ارشاد منقول ہے:۔

اللہ نے حضرت یحیٰ علیہ السلام پر دین کی پانچ بنیادی باتیں نازل فرمائی تھیں۔ یعنی:

☆ شرک سے اجتناب

☆ نماز کی پابندی

☆ روزے میں استقلال

☆ مالی قربانی اور

☆ کثرت سے اللہ کا ذکر (قصص القرآن۔ ج ۲، ص ۲۶۷)

مشہور مؤرخ ابن عساکر لکھتا ہے:

کہ حضرت یحیٰ بابل کے بادشاہ بخت نصر کے معاصر تھے۔ (قصص۔ ج ۲، ص ۲۷۰)

تاریخی لحاظ سے یہ غلط ہے۔ کیونکہ بخت نصر ۶۰۰ قبل مسیح کا آدمی تھا۔ اور حضرت یحیٰ ؑ کی ولادت ۴ ق م میں اور شہادت ۲۷ میلادی میں ہوئی تھی۔

ماخذ:۔ ۱۔ قصص القرآن۔ ج ۲، ص ۲۶۲۔۲۷۹، ۲۔ ڈاب۔ ص ۳۰۹، ۳۔ بائبل، ۴۔ قرآن مقدس، ۵۔ شاس۔ ص ۲۴۰، ۶۔ ڈاس۔ ص ۶۹۴

۱۹۶۔ یعقوبؑ

قرآن حکیم میں آپ کا ذکر ۱۶۔ مرتبہ آیا ہے۔

آپ اسحاق علیہ السلام کے فرزند اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے۔ آپ حبرون میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت ۱۸۳۶۔ ق م۔ مدتوں وہیں رہے۔ اور جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات ہوگئی۔ تو آپ جنوبی کنعان کے ایک مقام لُحَیؔ روئی میں جا ٹھہرے۔ (پیدائش۔ ۲۵/۱۱)

آپ کی چار بیویاں تھیں:۔

☆ لیاہ

☆ راحیل

☆ زلفہ اور

☆ بلہاہ

لیاہ اور راحیل حضرت یعقوب کے ماموں لابن کی بیٹیاں تھیں۔ اور باقی دو کنیزیں۔ بلہاہ راحیل کی کنیز تھی۔

اور زلفہ لیاہ کی۔

ان تمام سے یہ اولادیں ہوئیں:۔

ا۔بلہاہ سے دان اور نفتالی۔

۲۔زلفہ سے جد اور اشر۔

۳۔لیاہ سے رُوبن، شمعُون، لاوی، یہوداہ، اشکار اور زبلُون۔

۴۔راحیل سے یُوسف اور بن یامین۔ (پیدائش۔۳۵/۲۳۔۲۹)

یہ کل بارہ بھائی تھے۔ جو اسرائیل کے بارہ قبائل کے اَجداد تھے۔

ان کے نام بہ ترتیب ولادت یہ ہیں:۔

ا۔رُوبن	۲۔شمعون	۳۔لاوی
۴۔یہوداہ	۵۔دان	۶۔نفتالی
۷۔جد	۸۔اشر	۹۔اشکار
۱۰۔زبلُون	۱۱۔یُوسف	۱۲۔بن یامین

ان تمام میں حضرت یوسفؑ کو بڑی اہمیت۔ شہرت اور عزت نصیب ہوئی۔ آپ نبی بھی تھے اور فرعون کے وزیر مال بھی رہے۔ آپ کی ولادت اس وقت ہوئی۔ جب حضرت یعقوب کی عمر ۹۱۔ برس تھی۔ یعنی ۱۷۴۵۔ق م میں۔ آپ کی عمر صرف ۱۷۔ برس تھی کہ آپ کے بھائیوں نے سازش کر کے آپ کو ایک کنوئیں میں پھینک دیا۔ ۱۷۲۸ق م میں آپ بازارِ مصر میں فروخت ہوئے۔ کچھ عرصہ عزیزِ مصر (اور زُلیخا) کے گھر میں رہے۔ پھر زنداں میں بھیج دیے گئے، اور ۱۷۱۵ق م میں آپ وزیرِ مالیات مقرر ہوئے۔ جب ۷/ ۸ برس بعد مصر اور نواحی ممالک میں قحط پڑ گیا۔ تو برادرانِ یوسف غلّہ لینے کے لیے چار مرتبہ مصر گئے۔ چوتھی دفعہ ان کے ہمراہ حضرت یعقوبؑ بھی تھے۔ یہ سفر ۱۷۰۶ ق م میں ہوا تھا۔ حضرت یوسفؑ نے اپنے والد اور بھائیوں کو مصر کے ایک شہر رامِسس میں آباد کر دیا۔ آپ کے والد وہاں سترہ برس زندہ رہے اور آپ کے بھائی اس قدر پھلے پھولے۔ کہ جب ۲۱۵ برس بعد (۱۴۹۱۔ق م) حضرت موسیٰ بنواسرائیل کو غلامیٔ فرعون سے نکالنے کے لیے مصر میں پہنچے۔ تو ان لوگوں کی تعداد جن کی عمر بیس برس یا اس سے زیادہ تھی، چھ لاکھ کے قریب ہو چکی تھی۔ (کمپینین۔ص ۱۸۲، اور گنتی۔۱/ ۴۵۔۴۶)

حضرت یعقوب کی والدہ کا نام رِبقہ تھا۔ یہ بتھوایل بن نحور بن آزر کی بیٹی تھی۔

''اسحاق چالیس برس کا تھا۔ جب اس نے ربقہ سے بیاہ کیا............ جب اسحاق ساٹھ برس کا ہوا۔ تو ربقہ کے بطن سے اکٹھے دو بچے پیدا ہوئے۔ پہلے کا نام عیسو رکھا گیا اور دوسرے کا

یعقوب۔اس نے پیدائش کے وقت عیسو کی ایڑی پکڑی ہوئی تھی۔"

(ملخص۔پیدائش۔۲۵/۲۰۔۲۶)

بڑے ہو کر یعقوب حران میں اپنے ماموں لابن کے ہاں بیس سال ریوڑ چراتا رہا۔جب وہاں سے رخصت ہوا۔تو اس کے ساتھ بڑے بڑے ریوڑ اور گیارہ فرزند تھے۔یہ بیت ایل میں رُکے۔جو یوروشلم کے شمال مشرق میں ۱۴میل دور واقع تھا۔بارھواں بچہ(بن یامین)اسی بستی سے نکلنے کے بعد بیتِ لحم کی راہ میں پیدا ہوا۔اور اس کی پیدائش پر راحیل کو اتنی تکلیف ہوئی، کہ وہ وفات پا گئی اور راہ کے کنارے دفن ہوئی۔ (پیدائش۔۳۵/۲۰)

اس کے بعد حضرت یعقوبؑ حبرون میں مقیم ہو گئے۔یہ بستی بیت المقدس سے بیس میل جنوب میں ہے۔اور الخلیل کے نام سے بھی مشہور ہے۔یہیں ۱۸۰ سال کی عمر میں حضرت اسحاقؑ کی وفات ہوئی۔حضرت یوسف کو اس کے بھائیوں نے حضرت اسحاق کی وفات سے گیارہ برس پہلے کنوئیں میں پھینکا تھا۔حضرت یعقوب کی وفات مصر میں ہوئی۔اس وقت آپ کی عمر ۱۴۷سال تھی۔ (ڈاب۔ص ۲۶۸)

آپ کی نعش کو بڑے احترام سے ارض کنعان میں پہنچایا گیا۔اور وہاں آپ حبرون میں دفن ہوئے۔

مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے:۔

۲۴۔"اسرائیل" اور

۶۸۔"بنو اسرائیل"

ماخذ:۔ ۱۔بائبل، ۲۔قرآن حکیم، ۳۔ڈاب۔ص ۲۶۸، ۴۔کتاب الہدیٰ۔ج ۲،ص ۴۹۲، ۵۔اعلام۔ص ۱۹۹،

۱۹۷۔یعُوق

یمن کے بنُو ہمدان کا ایک صنم۔جو اس قبیلے کے ایک سردار مالک بن مَرثد بن جُشم ......بن ہمدان نے عُمرو بن لُحی سے لے کر اپنے ایک قبائلی گاؤں خیواں میں نصب کر دیا تھا۔(معجم۔ج ۸)

مزید تفاصیل کے لیے دیکھیے:۔

۱۱۵۔"سُواع"

۱۹۸۔ یغوث

یہ بُت عَمرو بن لُحی نے یمن کے ایک رئیس اَنعم بن عَمرو المرادی کو دیا تھا۔ اس نے اسے بنُومذحج کے ایک ٹیلے پہ نصب کر دیا۔ اس ٹیلے کے گرد بنُو مراد کی دو شاخیں اَنعم و اعلیٰ بھی آباد تھیں۔ یہ سب اس کی عبادت کرتے تھے۔ کچھ عرصہ بعد بنُو مراد کے اکابر نے چاہا۔ کہ اس بت کو اپنے قبیلہ (بنو مراد) کے آبائی مساکن میں لے جائیں۔ لیکن یہ بات اس قبیلہ کی دو شاخوں اَنعم و اعلیٰ کو ناگوار گزری۔ اور وہ بت کو اٹھا کر بلادِ بنو حارث میں چلے گئے۔ جب اشراف مُراد کے کہنے پر بھی بنو حامث نے بُت کو واپس نہ کیا۔ تو بنُو مراد نے حملہ کر دیا۔ اس میں حملہ آوروں کو شکست ہوئی۔ یہ جنگ یوم بدر کو ہُوئی تھی۔ کچھ عرصہ بعد بنو غطیف اس بت کو چھین کر اپنے وطن نجران لے گئے۔

باقی تفاصیل کے لیے دیکھیے:۔

۱۱۵۔ ''سُواع''

ماخذ:۔ معجم البلدان۔ ج ۸، ص ۵۱۰

۱۹۹۔ یُوسُف

ہم ''یعقوب'' کے تحت لکھ چکے ہیں کہ حضرت یعقوب اپنے ماموں لابن کو ملنے کے لیے حرّان (شام کا ایک شہر) گئے تھے۔ وہاں اس کی دو بیٹیوں لیاہ اور راحیل سے شادی کر لی۔

لیاہ سے چھ بچے پیدا ہوئے:۔

۱۔ رُوبن ۲۔ شمعُون ۳۔ لاوی

۴۔ یہوداہ ۵۔ اشکار ۶۔ زبلُون

اور راحیل سے دو۔ یعنی:۔

۱۔ یُوسُف اور ۲۔ بن یامین

باقی چار بچے دو کنیزوں سے پیدا ہوئے تھے۔

زلفہ سے جد اور آشر

اور بلہاہ سے دان اور نفتالی (پیدائش۔ ۳۵/۲۳۔۲۹)

حضرت یعقوبؑ اپنے ماموں کے ہاں بیس برس رہے۔ وہاں آپ کے گیارہ بچے پیدا ہوئے تھے۔ جن میں یُوسُف سب سے چھوٹا تھا۔ جب آپ حرّان سے نکل کر حبرون کی طرف روانہ ہوئے۔ تو بیت ایل (یوروشلم سے ۱۴ میل شمال مشرق میں) میں راحیل سے بن یامین

پیدا ہوا۔ معاً راحیل فوت ہوگئی۔ اور اُسے راہ کے کنارے دفن کر دیا گیا۔

(پیدائش۔۳۵/۲۰)

اس کے بعد حضرت یعقوب یوروشلم سے بیس میل جنوب کی طرف حبرون میں مقیم ہو گئے۔ یہ شہر آج کل الخلیل کہلاتا ہے۔ اور ۱۹۶۷ء سے یہود کے قبضے میں ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کی داستان کا آغاز حبرون سے ہوتا ہے۔ بائبل کہتی ہے اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے:

کہ حضرت یوسف سترہ برس کی عمر میں اپنے بھائیوں کے ساتھ بھیڑ بکریاں چرایا کرتا تھا۔ اور حضرت یعقوبؑ اس سے بہت پیار کرتے تھے۔ انہی دنوں حضرت یوسفؑ نے ایک خواب دیکھا۔ کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے آپ کے سامنے سجدہ کر رہے ہیں۔ اس پر آپ کے بھائیوں نے ایک منصوبہ تیار کیا۔ سیر وشکار کے بہانے انہیں جنگل میں لے گئے۔ وہاں ایک کنوئیں میں پھینک دیا اور ان کے کرتے پہ خون چھڑک کر اپنے والد سے کہا:

کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا ہے۔

اس پر حضرت یعقوب علیہ السلام مدتوں روتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کی نظر جاتی رہی۔ جب وہ حضرت یوسف کو کنوئیں میں پھینک چکے تو تھوڑی سی دیر کے بعد وہاں سے ایک قافلہ گزرا۔ جو پانی لینے کے لیے اس کنوئیں پر رکا۔ ڈول ڈالا۔ تو حضرت یوسف ڈول اور رسّی کے سہارے باہر نکل آئے۔ اہل قافلہ انہیں مصر لے گئے۔ اور وہاں کے بازار میں بیچ ڈالا۔

(پیدائش۔ باب۔۳۷)

فرعون کے ایک منصب دار فُوطی فار (عزیز) نے انہیں خرید لیا۔ اس وقت حضرت یوسفؑ کی عمر سترہ برس تھی۔ نہایت وجیہہ و حسین۔ عزیز کی بیوی زُلیخا، انہیں اپنی طرف مائل کرنے لگی۔ ایک دن بند کمرے میں انہیں کرتے سے پکڑ کر کھینچا اور کرتہ پھٹ گیا۔ عین اس وقت عزیز گھر میں داخل ہوا۔ پوچھا:

کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

زلیخا کہنے لگی:

کہ یوسف نے میری عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔

پاس سے ایک بچہ بول اٹھا:

کہ اے عزیز! یوسف کے کرتے کو دیکھو۔ اگر وہ اگلی طرف سے پھٹا ہوا ہے تو زلیخا سچی ہے۔ اور اگر پشت سے پھٹا ہوا ہے۔ تو وہ جھوٹی ہے۔

عزیز نے کرتے کو دیکھ کر زلیخا کو سخت ڈانٹا۔ لیکن وہ دل کے ہاتھوں مجبور تھی۔ باز نہ آئی۔ بالآخر عزیز نے مصلحت اسی میں دیکھی۔ کہ حضرت یوسفؑ کو زنداں میں منتقل کر دے۔ عزیز ہی جیل کا داروغہ تھا۔ وہاں اس نے یوسفؑ کو ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچائیں، اور اسے قیدیوں کا سردار بنا دیا۔

ایک رات دو قیدیوں نے دو خواب دیکھے۔

ایک نے دیکھا۔ کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے۔

دوسرے نے دیکھا۔ کہ اس کے سر پر روٹیوں کا ایک ٹوکرا ہے۔ جنہیں پرندے کھا رہے ہیں۔

یوسف نے پہلے کو کہا:

کہ تو جلد فرعون کا ساقی مقرر ہوگا۔

اور دوسرے کو کہا:

کہ تو صلیب پہ لٹکا دیا جائے گا۔ اور پرندے تیرے سر کا گودا کھائیں گے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ایک دن فرعون نے خواب میں سات موٹی گائیں دیکھیں۔ جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی تھیں۔ ساتھ ہی گندم کے سات سبز اور سات خشک خوشے دیکھے۔ دانشوران دربار سے اس کی تعبیر پوچھی۔ لیکن وہ نہ بتا سکے۔

اس پر اس کا ساقی (سابق قیدی) بول اٹھا۔ کہ جیل میں ایک قیدی، جس کا نام یوسف ہے، تعبیر بتانے میں جواب نہیں رکھتا۔

چنانچہ فرعون نے تعبیر کی خاطر حضرت یوسفؑ کی طرف ایک قاصد بھیجا۔

آپ نے تعبیر یہ بتائی:

کہ اگلے سات برس بے اندازہ غلہ پیدا ہوگا۔ پھر قحط پڑ جائے گا۔ لوگ اپنا سب اندوختہ (موٹی گائیں) کھا جائیں گے۔

یہ سن کر بادشاہ نے اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ اور حکم دیا کہ آنے والے قحط کی تباہ کاریوں کو روکنے کا ابھی سے اہتمام کریں۔

جب سات سال بعد قحط پھوٹ پڑا۔ تو آپ کے بھائی غلے کے لیے مصر میں جا نکلے۔ آپ نے انہیں پہچان لیا اور پوچھا:

کہ کیا تمہارا کوئی اور بھائی بھی ہے؟

کہا: ہے۔

فرمایا: کہ اگلی مرتبہ اسے بھی ساتھ لے آنا۔ ورنہ غلہ نہیں ملے گا۔ ساتھ ہی کارکنوں کو حکم دیا۔

کہ ان کی رقم ان کے بوروں میں رکھ دو۔

جب وہ گھر پہنچے۔ اور دیکھا کہ بوروں میں رقم بھی رکھی ہوئی ہے۔ تو وہ حیران بھی ہوئے اور خوش بھی۔ اس کے بعد بن یامین کو ساتھ لے کر مصر گئے۔ حضرت یوسف نے بن یامین کو الگ کر کے اپنا تعارف کرایا اور پھر اسے اپنے ہاں روک لینے کی سکیم یہ بنائی۔ کہ شاہی پیمانہ اس کے بورے میں رکھ دیا۔ جب وہ روانہ ہونے لگے۔ تو کسی کارندے نے آواز دی۔ کہ ٹھہرو۔ شاہی پیمانہ گم ہو گیا ہے۔

انہوں نے کہا:

کہ ہم چور نہیں ہیں۔

وہ کہنے لگا:

کہ اگر تمہارے بوروں میں سے پیمانہ نکل آئے تو پھر؟

کہنے لگے:

کہ بیشک اسے گرفتار کر لو۔

چنانچہ سب بورے کھولے گئے اور پیمانہ بن یامین کے بورے سے نکل آیا۔

اس پر وہ کہنے لگے:

کہ اس کا ایک اور بھائی بھی چور تھا۔ بہرکیف چونکہ اس کا باپ بہت ضعیف اور مصیبت زدہ ہے۔ اس لیے آپ ہم میں سے کسی کو رکھ لیں۔ اور اسے جانے دیں۔

حضرت یوسف نے جواب دیا:

کہ ہم چور کے علاوہ کسی اور کو پکڑنے کے مجاز نہیں ہیں۔

اس پر سب سے بڑا بھائی کہنے لگا:

کہ میں اپنے والد کو منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔ اس لیے تم جاؤ ساری کہانی انہیں سناؤ۔

اور پھر مجھے اطلاع دو۔ اگر حضرت والد نے اجازت دے دی تو میں لوٹ آؤں گا۔ ورنہ یہیں رہوں گا۔

جب بھائیوں نے گھر جا کر اپنے والد کو ساری کہانی سنائی۔ تو آپ نے فرمایا:

کہ مجھے یوسف کی خوشبو آ رہی ہے۔ تم سب واپس جاؤ۔ غلہ بھی لاؤ۔ اور یوسف کو بھی تلاش کرو۔

چنانچہ وہ واپس گئے۔ جب دربار میں حاضر ہوئے تو حضرت یوسف نے اپنا تعارف کرایا۔ اس سے ان کے سر شرم و ندامت سے جھک گئے اور معافی مانگنے لگے۔

حضرت یوسف نے کہا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط (یوسف:۹۲)

جاؤ میں نے تمہیں فی سبیل اللہ معاف کیا۔ میری یہ قمیض ساتھ لے جاؤ۔ اسے میرے والد محترم کے چہرے پہ ڈالو۔ فوراً ان کی نظر لوٹ آئے گی۔ اور پھر انہیں اپنے ساتھ لے آؤ۔

جب یہ پیغام حضرت یعقوب کو ملا۔ تو وہ سفر کو تیار ہو گئے۔

چنانچہ یہ سارا قافلہ مصر کو چل دیا۔

وہاں پہنچے تو حضرت یوسف نے اپنے والدین (اس وقت غالباً لیاہ زندہ تھی۔ جو یوسف کی سوتیلی ماں تھی) کو تخت پہ بٹھایا۔ اور گیارہ بھائی نیچے کھڑے ہو گئے۔ اس کے بعد سورج۔ چاند (والدین) اور گیارہ ستارے (بھائی) اس کے سامنے سجدے میں گر پڑے۔

اور یوسفؑ بول اٹھے:۔

يَآبَتِ هٰذَا تَاوِيْلُ رُءْيَایَ۔ (یوسف:۱۰۰)

(اے بزرگوار باپ۔ یہ ہے میرے خواب کی تعبیر)

واقعات کی تاریخیں

۱۔ یوسف کی ولادت: ۱۷۴۵ ق م

۲۔ مصر میں یوسف کی فروخت: ۱۷۲۸ ق م

۳۔ یوسف کی تقرری بطور وزیر مالیات: ۱۷۱۵ ق م

۴۔ حضرت یعقوب مصر میں پہنچے: ۱۷۰۶ ق م

۵۔ یوسفؑ کی وفات: ۱۶۳۵ ق م

وفات کے وقت حضرت یوسف کی عمر ۱۱۰ سال تھی۔

''انہوں نے اس کی لاش میں خوشبو بھری اور اسے مصر ہی میں تابوت میں رکھ دیا۔''

(پیدائش ۔۵۰/۲۶)

یُوسفؑ کی شادی

جب یوسفؑ ۱۷۱۵ ق م میں وزیرِ مال مقرر ہوئے ۔ تو فرعون نے ان کی شادی فوطی فار (زلیخا کا خاوند) کی لڑکی آسِناتھ سے کرادی ۔ اس سے دولڑکے پیدا ہوئے ۔

☆ پہلا مَنَسّی تھا ۔ اور

☆ دوسرا افرائیم (پیدائش ۔۴۱/۵۰)

یہ دونوں بچے قحط کے سالوں (۱۷۰۸ق م) سے پہلے پیدا ہوئے تھے ۔

(ڈاب ۔ص ۳۱۵)

حضرت یوسف علیہ السلام تقریباً نوے برس مصر میں جیے ۔ اور ان کے پوتے بھی ان کے سامنے جوان ہوئے ۔

فرعون یُوسف

مصر میں فرعونوں کے اکتیس خاندان برسر اقتدار رہے تھے ۔ آخری خاندان کو اسکندر اعظم نے ۳۳۱ ق م میں ختم کیا تھا ۔ حضرت یوسفؑ کے زمانے میں پندرھویں خاندان کے ایک فرعون آسر تسین سوم کی حکومت تھی ۔ یہ ۲۶ سال مسند آرا رہا ۔ جب حضرت یعقوبؑ مصر میں وارد ہوئے ۔ تو اس وقت ابوفس کی حکومت تھی ۔

بعض مؤرخین کا خیال یہ ہے کہ:

ابوفس اور آسر تسین ایک ہی بادشاہ کا نام ہے ۔ (ڈاب ۔ص ۵۲۴)

نیز دیکھیے :۔

۲۴۔ ''اسرائیل''

۶۸۔ ''بنواسرائیل''

۱۵۳۔ ''فرعون''

۱۷۷۔ ''مصر''

۱۹۶۔ ''یعقوب''

ماخذ:۔ ۱۔ باڈ۔ ص ۳۹۴،   ۲۔ ڈاب۔ ص ۵۲۴،۳۱۵،   ۳۔ بائبل
۴۔ قرآن حکیم،   ۵۔ اعلام۔ ص ۲۰۲،   ۶۔ کتاب الہدیٰ۔ ص ۵۳۶

۲۰۰۔ یُونُسؑ

دیکھیے: ۱۲۴۔ "صاحب الحوت"

۲۰۱۔ یہُود

دیکھیے: ۵۶۔ "اہل کتاب"

وَآخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ٥

کتابیات

۱۔ معجم البلدان : یاقوت حموی۔ طبع مصر

۲۔ البدایه و النهایه : حافظ ابن کثیر۔ طبع مصر ۱۳۴۸ھ

۳۔ تلقیح فهوم اهل الاثر : ابو الفرج عبدالرحمان بن الجوزی۔ طبع برقی پریس۔ دہلی۔ ۱۸۸۶ء

۴۔ تفسیر کبیر : فخر الدین رازی۔ طبع مصر۔ ۱۳۲۴ھ

۵۔ الملل و النحل : ابو الفتح محمد بن عبدالکریم بن ابی بکر۔ احمد الشہرستانی۔ طبع مصر۔ ۱۹۴۱ء

۶۔ الامامة والسیاسة : ابن قتیبه دیناوری۔ مصر ۱۹۳۷ء

۷۔ الفهرست : ابن الندیم۔ مطبع استقامه۔ مصر

۸۔ کتاب الاغانی : ابو الفرج اصفہانی۔ بولاق ۱۸۶۸ء

۹۔ تفسیر : ابو جعفر محمد بن جریر الطبری۔ قاہرہ ۱۳۲۱ھ

۱۰۔ قصص الانبیاء : ابو اسحاق احمد بن محمد ثعلبی۔ قاہرہ ۱۳۱۵ھ

۱۱۔ تفسیر الجواهر : علامہ جوہری طنطاوی مصری۔ مصر ۱۳۴۷ھ

۱۲۔ منتهی الارب : عبدالرحیم صفی پوری۔ لاہور ۱۳۲۵ھ

۱۳۔ کتاب المعارف : ابن قتیبه دیناوری۔ مصر

۱۴۔ رحله : ابن بطوطه۔ پیرس

۱۵۔ انوار توفیق الجلیل : رفاعه بیگ طہاوی۔ مصر ۱۲۸۵ھ

۱۶۔ دائرة المعارف الاسلامیه : علامہ فرید وجدی۔ مصر

۱۷۔ کتاب المسالک و الممالک : ابو القاسم عبیداللہ عرف ابن خرداذبہ لائڈن ۱۸۹۰ء

۱۸۔ حیات الحیوان : دمیری۔ محمد بن موسیٰ مصری۔ قاہرہ ۱۳۱۳ھ

۱۹۔ عجائب المخلوقات : محمد بن زکریا قزوینی۔ تدوین ڈسٹن فلڈ

۲۰۔ تفسیر جلالین (مع کمالین) : جلال الدین سیوطی و جلال الدین محلی۔ طبع میرٹھ

۲۱۔ کتاب الاستیعاب : حافظ عبدالبر قرطبی۔حیدرآباد ۱۳۳۶ھ

۲۲۔ فقه اللسان : سید کرامت حسین کنتوری۔نول کشور۔لکھنؤ ۱۹۱۵ء

۲۳۔ فتوح الحرمین : مولانا جامی۔طبع لاہور

۲۴۔ تذکرة المفسرین : علامہ زاہد الحسینی کیمبلپوری۔۱۹۶۵ء

۲۵۔ تمدن عرب : موسیو لیبان۔اردو ترجمہ۔از سید علی بلگرامی۔طبع حیدرآباد دکن ۱۹۳۶ء

۲۶۔ تشکیل انسانیت : ترجمہ مولانا عبدالمجید سالک۔لاہور ۱۹۵۵ء

۲۷۔ معرکۂ مذہب و سائنس : ترجمہ مولانا ظفر علی خان۔حیدرآباد دکن۔۱۹۱۶ء

۲۸۔ لغات القرآن : عبدالرشید نعمانی دہلوی۔دہلی ۱۹۴۳ء

۲۹۔ نسب نامۂ رسول : ملاپ پریس لاہور۔۱۸۸۰ء

۳۰۔ خلاصۂ تواریخ مکّه معظمه : حاجی محمد فخر الدین حسین خان۔مطبع مجتبائی دہلی۔۱۳۱۰ھ

۳۱۔ بائبل : لاہور۔۱۹۱۶ء

۳۲۔ اعلام القرآن : مولانا عبدالماجد دریابادی۔دریاباد۔۱۹۵۹ء

۳۳۔ دائرۂ معارف اسلامیه : پنجاب یونیورسٹی۔لاہور

۳۴۔ تفهیم القرآن : مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی۔لاہور

۳۵۔ اصحاب کهف : مولانا ابوالکلام آزاد۔ادبستان۔لاہور

۳۶۔ حکمائے عالم : (ترجمہ) غلام جیلانی برق

۳۷۔ رہ نمائے مقامات مقدسه : حاجی محمد اشرف۔(ڈیرہ اسماعیل خان) لاہور۔۱۹۳۱ء

۳۸۔ تفسیر حقانی : مولانا عبدالحق دہلوی۔لاہور۔۱۹۵۱ء

۳۹۔ ترجمۂ قرآن حکیم : مولانا احمد رضا خان بریلوی۔طبع تاج کمپنی۔لاہور

۴۰۔ مهاجرین : مولانا معین الدین ندوی۔اعظم گڑھ۔۱۹۲۸ء

۴۱۔ رحمة للعالمین : قاضی سلیمان منصور پوری۔لاہور ۱۹۴۹ء

۴۲۔ تاریخ القرآن : پروفیسر عبدالصمد صارم ازہری۔لاہور ۱۹۶۷ء

۴۳۔ اکمال فی اسماء رجال : محمد بن عبداللہ خطیب بن محمد۔اردو ترجمہ۔کتاب منزل لاہور۔ ۱۹۶۳ء

۴۴۔ طبقاتِ سلاطین اسلام : (فارسی ترجمہ) عباس اقبال۔تہران۔۱۳۱۲ھ

۴۵۔ مشکوٰۃ : (اردو ترجمہ) کتاب منزل لاہور۔۱۹۶۳ء

۴۶۔ ایران به عهد ساسانیان : (اردو ترجمہ) ڈاکٹر پروفیسر محمد اقبال۔دہلی ۱۹۴۱ء

۴۷۔ تاریخ حرمین : مولانا محمد مالک کاندھلوی۔اشاعتِ مکتبہ عثمانیہ ٹنڈو اللہ یار خان۔ ۱۳۹۰ھ

۴۸۔ کشتیٔ نوح : مرزا غلام احمد صاحب قادیانی۔قادیان ۱۹۰۲ء

۴۹۔ ادب العرب : پروفیسر زبید احمد۔بریلی ۱۹۲۹ء

۵۰۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا : لندن۔شکاگو۔۱۹۴۹ء

۵۱۔ کنسائز انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : سٹیفن اور نینڈی روناٹ۔(Nandy Ronart) نیدرلینڈ۔ ۱۹۵۹ء

۵۲۔ شارٹر انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : گب اور کریمر۔لائڈن ۱۹۵۳ء

۵۳۔ ڈکشنری آف اسلام : تھامس پیٹرک۔لاہور۔۱۹۶۴ء

۵۴۔ عهد بائبل کی کهانی (انگریزی) : نیلسن بیچر۔نیویارک ۱۹۵۹ء

۵۵۔ بائبل ڈکشنری : اے۔آر فارسٹ Michigan۔۱۹۶۱ء

۵۶۔ پیپلز بائبل انسائیکلوپیڈیا : چارلس رینڈل۔شکاگو ۱۹۲۱ء

۵۷۔ ڈکشنری آف دی بائبل : ولیم سمتھ۔نیویارک

۵۸۔ کمپینین آف دی بائبل : لندن۔۱۸۹۲ء

۵۹۔ رولرز آف مکه : جیرالڈ ڈی گاری۔لنڈن ۱۹۵۱ء

۶۰۔ گاگ. ماگ (یاجوج. ماجوج) : ابراہیم احمد بوانی۔کراچی ۱۹۶۷ء

۶۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام : لیڈن۔۱۹۵۷ء

۶۲۔ کامپٹن انسائیکلوپیڈیا : شکاگو۔۱۹۵۶ء

۶۳۔ هسٹری آف پرشیا : سر پرسی سائیکس۔لنڈن۔۱۹۳۰ء

۶۴۔ سٹوری آف نیشنز : سی۔ڈبلیو۔سی۔اومان۔لندن۱۹۳۵ء

۶۵۔ زوال روما : ایڈورڈ گبن۔لندن۱۷۷۴ء

۶۶۔ ارض القرآن : سید سلیمان ندوی۔اعظم گڑھ۱۳۴۲ھ

۶۷۔ قصص الانبیاء : مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی۔دہلی۱۳۶۲ھ

۶۸۔ کتاب الهدیٰ : مولانا یعقوب الحسن۔مدارس۱۳۴۵ھ

❁❁❁

مصنف کی دیگر کتب

من کی دنیا	دانش رومی و سعدی
دو قرآن	میری آخری کتاب
معجم البلدان	یورپ پر اسلام کے احسان
تاریخ حدیث	فرمانروایان اسلام
عظیم کائنات کا عظیم خدا	مضامین برق
بھائی بھائی	حرف محرمانہ
حرف ایمان	سلاطین اسلام
دانش عرب و عجم	

ISBN 969-503-[illegible]-X

الفیصل
ناشران و تاجران کتب